نکولائی استروفسکی

دار و رسن کی آزمائش

جلد اول



نکولائی استروفسکی

دار و رسن کی آزمائش

ناول

جلد اول

''رادوگا،، اشاعت گھر
ماسکو



Н Островский

زیرنظر کتاب کے مصنف اور اس کے هیرو کے بارے میں

زندگی میں کارنامے تو هوتے هی رهتے هیں لیکن کبھی کوئی زندگی خود هی ایک کارنامه هوتی هے۔ اسی طرح کا کارنامه اس کتاب کے مصنف مشهور و معروف سوویت ادیب نکولائی استروفسکی (۱۹۰۴ء تا ۱۹۳۶ء) کی زندگی تھی۔ ان کی زندگی بهت زیاده طویل نهیں تھی — کل ۳۲ سال۔ اور اس میں سے بھی ۱۲ سال وه بهت شدید بیماری میں مبتلا رهے اور آخری ۸ سال تو نابینا بھی تھے۔ لیکن انهوں نے جو نقش قدم چھوڑے وه بهت گهرے هیں۔ ان کی تصنیف ''داورورسن کی آزمائش،، کئی پشتوں کے لئے صحیح معنوں میں ایک هدایت‌نامه بن گئی۔ اب تک اس کی دسیوں لاکھ جلدیں شائع هو چکی هیں اور ساری دنیا میں لوگ اس سے واقف هیں۔

۱۹۳۷ء میں جب نکولائی استروفسکی کی اس کتاب کا ترجمه انگریزی زبان میں هوا اور اسے ''سیکر اینڈ وابرگ،، نے شائع کیا تو اخبار ''ٹائمس،، نے لکھا:

''اس ناول کا جوان سال مصنف، جس نے بڑی حد تک خود نوشت کا کردار حاصل کر لیا

Н. Островский

КАК ЗАКАЛЯЛАСЬ СТАЛЬ

Роман

Книга первая

На языке урду

N. Ostrovsky

HOW THE STEEL WAS TEMPERED

Novel

Book One

in Urdu

دوسرا ایڈیشن — ۱۹۸۲ء

سوویت یونین میں شائع شدہ

$O\frac{70302-011}{031(01)-82}$ 730—82 4702010200

تھے۔ وہ اس وقت اسٹیشن کے ریستوران میں بارہ چودہ گھنٹے روزانہ کام کرتے تھے، پتلی پتلی کھڑی سیڑھیوں پر بڑے بڑے سماوار لے جاتے تھے، بیلچے سے کوئلہ جھونکتے تھے، بجلی‌مستری کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

پندرہ سال کی عمر میں وہ خانہ جنگی میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے کیئف کی ریلوے‌ورکشاپ کو بحال کرنے میں اور چھوٹی ریلوے لائن بچھانے میں کام کیا اور لکڑی کے چٹے بنا کر انھیں دریاؤں کے راستے منتقل کرنے کا کام کیا۔ اپنے مخصوص جوش‌وخروش کے ساتھ انھوں نے یوکرین میں کمسومول (نوجوان کمیونسٹ لیگ) میں بھی کام کیا اور اپنے اس پسندیدہ کام کے لئے انھوں نے نوجوانی کی ساری قوت و حرارت کے ساتھ خود کو وقف کر دیا۔

لوہا شدید آگ میں تپنے اور یک لخت سرد کردیے جانے سے فولاد بنتا ھے۔ خانہ جنگی کی آگ اور پھر پرامن تعمیرات کے شب و روز میں ان کی پشت فولاد بنی۔

۱۹۲۴ء کے اواخر میں استروفسکی سخت بیمار پڑے۔ انھیں ریڑھ کی ھڈی کا دق ھو گیا۔ یہ محتاجی، بچپن کی آزمائشوں، محاذ پر لگے ھوئے زخموں اور بے‌خواب‌وخور جان‌لیوا محنت — سبھی چیزوں کا اثر تھا۔

ان کی عادت اور فطرت تو تھی جدوجہد میں اور نئی زندگی کی تعمیر میں سرگرمی سے حصہ لینا

ہے، اپنی کتاب تصنیف کرنے سے پہلے ہی فراش اور نابینا بھی ہو گیا اور ابھی چند ہی ہفتے ہوئے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت نے اس غیرمعمولی بیانیے کو، جو کتاب کے صفحات پر پھیلا ہوا ہے، خاص طور سے دردانگیز بنا دیا ہے۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ، خانہ جنگی اور اس کے بعد سوویت یونین میں معاشی بحالی کے برسوں کے پس‌منظر میں مصنف نے نئے روس کے نوجوان ہیرو پاویل کورچاگن کی قدآدم شبیہ بنائی ہے۔ یہ پس منظر کلیتاً حقیقی ہے اور مرکزی کردار کی تصویرکشی کے اسلوب نے اسے قابل یقین بھی بنا دیا ہے۔ مجموعی طور پر پوری کتاب زندگی کا ایک حقیقی حصہ ہے جسے بڑی قوت، لطیف ذوق اور ڈرامہ‌نگاری کے تمام اصولوں پر واقعی عبور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے...،،

استروفسکی کی تصنیف نے غیرملکی قارئین کو بہت متاثر کیا ہے اور یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس کا زیرنظر ایڈیشن نئے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرےگا۔ ہمارا روئےسخن انھیں لوگوں کی طرف ہے۔

استروفسکی نے کہا ہے کہ ’’جرأت جدوجہد میں پیدا ہوتی ہے اور آزمائشوں سے گذرتی ہے۔،،

جدوجہد اور آزمائشوں سے ان کی پوری زندگی بھری تھی، بچپن بھی، لڑکپن اور جوانی بھی...

وہ ابھی تیرہ سال کے ہوئے تھے کہ روس میں اکتوبر انقلاب ہوا۔ اس عمر میں بھی وہ جان چکے تھے کہ محنت اور محتاجی کیا ہوتی

محروم دنوں میں وہ زندہ رہنے کے لئے کیا جواز پیش کریگا؟ کیا وہ صرف سانس لینے اور کھانے پینے کے لئے زندہ رہیگا؟ کیا وہ ایک لاچار تماشبین کی طرح اپنے ساتھیوں کو جدوجہد کرتے ہوئے آگے بڑھتے دیکھتا رہیگا؟،،

ہر چیز سے ''نجات دلا دینےوالی،، خودکشی کا خیال بھی آیا۔ لیکن آخری لمحے میں انھوں نے اسے قطعی طور پر رد کردیا: ''...اس وقت بھی زندہ رہنا سیکھو جب زندگی ناقابل برداشت ہو۔ اسے کارآمد بناؤ۔،،

جس وقت ان کی زندگی کی ڈور اپنے آخری سرے کو پہنچ گئی، اٹھنےبیٹھنے کی صلاحیت نہ رہ جانے کے ساتھ ھی نابیناپن بھی ھو گیا اور ایسا لگا کہ اب آخری گھڑی آپہنچی، تب استروفسکی نے اپنے دوست پیوتر نوویکوف کو سوچی سے ۱۱ ستمبر ۱۹۳۰ء کو لکھا کہ:

''میں نے ایک منصوبہ بنایا ھے جس کا مقصود یہ ھے کہ زندگی کو ایک مافیہ سے بھر دیا جائے جو خود زندگی کا جواز بننے کے لئے ضروری ھو۔ یہ منصوبہ بہت مشکل اور بھاری ھے۔ اگر اسے پورا کرنے میں کامیابی ھوگئی تب اس کے بارے میں بات کریں گے۔

''...اس بات کا، کہ میں ابھی بستر پر مقید ھوں، یہ مطلب نہیں ھے کہ میں بیمار آدمی ھوں۔ یہ بےکار بات ھے، بےوقوفی کی بات ھے۔ میں بالکل صحت مند جوان ھوں۔ اور یہ بات کہ

اور اب وہ مجبور ھو گئے ”عقب میں بہت پیچھے،،
پڑے رھنے پر - پورا ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک تعمیرات کے زبردست عمل میں مصروف تھا - بےمثال تعمیرات میں ان کے همعمر اور ساتھی نوجوان انتھک محنت کر رھے تھے - اسی وجہ سے استروفسکی اپنی اس جبری بےعملی پر اور زیادہ کرب اور تکلیف محسوس کرتے تھے -

انھیں خارکوف، یوپاتوریا، سلاویانسک، ماسکو، سوچی کے بہترین اسپتالوں اور سینیٹوریموں میں رکھا گیا لیکن ان کی صحت کو بحال کرنے کی کوشش میں ڈاکٹروں کو کسی طرح کامیابی نہ ہوئی - جسم میں اٹھنے بیٹھنے کی سکت نہ رھی اور آنکھوں کی بینائی جاتی - بیماری انھیں ھمیشہ کے لئے ”بستر کی قبر،، میں ڈھکیل دیتی ھے اور آخرکار انھیں مجاھدوں اور معماروں کی صف سے الگ ھونا ھی پڑتا ھے -

اب کیا کیا جائے؟ باقی زندگی کیسے جی جائے؟ اور کیا زندہ رھنا ممکن بھی ھوگا؟

یہ سوالات جو اپنی ساری المناک شدت کے ساتھ استروفسکی کی تصنیف کے ھیرو پاویل کورچاگن کے سامنے تھے، خود استروفسکی کو بھی پریشان کئے ھوئے تھے اور خود انھوں نے بھی انتہائی کرب اور درد کے ساتھ ان کے جواب تلاش کئے تھے -

”اب جبکہ اسکی سب سے عزیز شے، یعنی لڑنے کی صلاحیت، اس سے چھن گئی تھی تو اب وہ کاھے کی خاطر زندہ رھے؟ آج اور آنےوالے مسرت سے

بعد کو ایک معمولی سادھن ایجاد کیا گیا — ایک کارڈبورڈ اسٹینسل۔

یہ کارڈبورڈ اسٹینسل ایک معمولی فائل کی طرح تھا جس میں کاغذ رکھے جاتے تھے۔ اس کے اوپری گتے میں کوئی ۸ ملی‌میٹر کے بین کی متوازی سطریں کٹی ہوئی تھیں۔ جب فائل کے اندر کاغذ رکھا جاتا تھا تو کٹے ہوئے بین‌السطور میں پنسل بالکل سیدھی چل سکتی تھی۔

سونے سے پہلے ان کے رشتے‌دار اس فائل میں پچیس تیس سادے کاغذ رکھ دیتے تھے اور اس کے پاس ہی نوکیلی بنی ہوئی متعدد پنسلیں۔

استروفسکی سب سے زیادہ رات کو لکھتے تھے جب سب لوگ سوتے ہوتے تھے۔

انھوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ ''اس کتاب پر کام کرنا ہی میری زندگی ہے اور میں ''رات کی ڈیوٹی'' کے مطابق رہنے لگا ہوں۔ جب صبح ہونے لگتی ہے تو سو جاتا ہوں۔ رات کو خاموشی ہوتی ہے، کوئی بھی آواز نہیں ہوتی۔ فلم کی ریل کی طرح واقعات تیزی سے رونما ہوتے جاتے ہیں اور تمثیلیں اور تصویریں بنتی جاتی ہیں...'' رات بھر میں وہ عام طور سے سارے کاغذ لکھ ڈالتے تھے۔ اس کے بعد ان لکھے ہوئے صفحات کو دوست اور رشتے‌دار صاف صاف نقل کرتے تھے۔

ان برسوں میں استروفسکی کی روحانی قوتیں،

میرے پاؤں میں ذرا بھی حرکت نہیں ہے اور مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا، یہ صریحی غلطفہمی ہے...''

اس خط میں قوتارادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے! اس میں گستاخانہ للکار ہے، موت کو ٹھیک اس لمحے میں دھتکار دینے کی جب وہ جشن منانے کے لئے بالکل تیار تھی۔ ڈاکٹر بےبس ھیں۔ وہ اس کے جسم میں دق کے تباہ کن عمل کو روک نہیں سکتے۔ اب وہ کبھی کھڑا نہیں ہو سکےگا، کچھ نہ دیکھ سکےگا، کہیں نہ جا سکےگا۔ اچھا، تو پھر!

راہ چارہ تو ہے: وہ زندگی کا سفر اپنی کتاب کے صفحات پر طے کرےگا۔

انھیں ایک عرصے سے معلوم تھا کہ وہ اپنے بعد آنےوالی نوجوان پشت کو کس چیز کے بارے میں بتانا چاھتے ھیں۔ یہ انقلاب کے مجاھد کا اعتراف ھوگا جسے کوئی بھی آزمائش پسپا نہیں کر سکی۔ اسی کا بیان وہ اپنے ناول میں کرےگا۔

شروع میں ان کے پاس کوئی مددگار نہ تھا۔ بیوی صبح ھی سے اپنے کام پر چلی جاتی تھیں اور شام کو تھکی ھوئی واپس آتی تھیں۔ اینٹھی ھوئی انگلیوں سے استروفسکی پنسل پکڑتے تھے اور ٹٹول ٹٹول کر ایک ایک حرف کرکے لکھتے تھے۔ اکثر سطریں ایک دوسرے میں گڈمڈ ھو جاتی تھیں اور پڑھی ھی نہ جاتی تھیں۔

ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ وہ دیکھ رہی ہیں۔ ان کے جسم پر فوجی قمیص ہے اور سینے پر آرڈر لگا ہے۔

...کمرے میں نیم‌تاریکی ہے۔ بڑی کھڑکی پر سڑک کے شور کو کم کرنے کے لئے بھاری پردہ پڑا ہے۔

بائیں طرف کی دیوار پر، جس کے پاس پلنگ ہے، لینن کی تصویر آویزاں ہے۔ دیوار کے مقابل‌والے کونے میں لکھنے کی میز ہے۔ چمڑے کا سوفا ہے، پیانو ہے، کتابوں کی الماری ہے اور فرانسیسی ادیب آنری باربوس کا نیم‌تن مجسمہ ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ آپ ان ساری چیزوں کو دیکھ سکیں، آپ نے صاحب خانہ کی جوان، پرقوت آواز سنی جن کو آپ کے آنے کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ وہ آپ سے اپنے پاس ہی بیٹھنے کو کہتے ہیں اور بایاں پنجہ آپ کی طرف بڑھاتے ہیں — اب بس ہاتھوں کے پنجے مشکل سے ان کی مرضی کی تعمیل کرتے ہیں، بس انھیں میں خفیف سی حرکت باقی رہ گئی ہے — اور آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے‌کر پھر رخصت ہونے کے وقت تک اسے نہیں چھوڑتے۔

اور اسی جہت سے کہ آپ کے ہاتھ کو وہ کس قدر مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں اور کیسی بے‌تابی سے اسے دباتے رہتے ہیں، آپ کو گمان ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ہاتھ سچ‌سچ آپ کو ان کی

ان کی فطری زبردست جمعیت، قوت‌ارادی اور مقصد کی قطعیت واضح طور پر سامنے آئیں۔

۱۹۳۴ء میں نکولائی استروفسکی کا ناول قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا۔

تصور کیجئیے کہ استروفسکی زندہ ہیں۔ کتاب ”دارورسن کی آزمائش،، شائع ہو چکی۔ ان کے اس تخلیقی کارنامے پر استروفسکی کو ”آرڈر آف لینن،، عطا کیا گیا۔ وہ ابھی ابھی سوچی سے ماسکو آئے ہیں تاکہ اپنے نئے ناول ”پروردۂطوفان،، پر اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ اور آپ اُن کے فلیٹ میں ابھی ابھی پہنچے ہیں جو گورکی اسٹریٹ پر عمارت نمبر ۴۰ میں واقع ہے۔

آپ متفکر اور پریشان، کشادہ سیڑھیوں پر چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچتے ہیں، راہداری میں آتے ہیں، گھنٹی کا بٹن دباتے ہیں اور فلیٹ کی چوکھٹ کو پار کرکے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

استروفسکی آپ کے سامنے لیٹے ہوئے ہیں، کمبل سے آدھے ڈھکے ہوئے، طویل قامت، دبلے پتلے۔ تیکھے خدوخال کے لاغر چہرے سے وجدان ٹپک رہا ہے۔ ایسا چہرہ عام طور سے ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بہت زیادہ اور بڑے استغراق کے ساتھ سوچتے ہیں۔ کشادہ پیشانی آگے کو نکلی ہوئی ہے اور اس پر دائیں بھوں کے اوپر ایک چھوٹا سا گڈھا ہے جو ایک سابق زخم کا نشان ہے۔ اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں پوری کھلی ہوئی

انھوں نے ایک ھی طرح کی زندگی بسر کی اور ان کے کردار نے ایک ھی رنگ روپ اختیار کیا۔

جس زمانے اور جن واقعات کے بارے میں استروفسکی کی کتاب ھے وہ ظاھر ھے کہ ماضی کا جز بن چکے ھیں۔ لیکن پاویل کورچاگن گویا آج بھی ھمارا ھم‌عصر ھے۔

کون سی چیز ھمیں اس کی طرف سب سے زیادہ کھینچتی ھے؟

سب سے پہلے تو زندگی کی ان ''سرنگوں،، سے گذرنے کی اس کی لیاقت و صلاحیت جن کے بارے میں عظیم فرانسیسی ادیب روماں رولاں نے ایک بار اپنے نوجوان دوست کوداشیف کو لکھا تھا۔ بات اس چیز کے بارے میں تھی کہ دشواریوں کے ساتھ کیا تعلق ھونا چاھئے: ''تمھیں اس کم‌عمری میں اور میری قسمت میں دشواریاں اس سے کہیں زیادہ آئیں جتنی فرض کی جا سکتی ھیں۔ جب دشواریوں کا سامنا ھو تو خود سے کہو (یہ بات بہت دیر سے میری سمجھ میں آئی، اپنی زندگی کے تجربے کے نتیجے میں) کہ یہ تو سرنگوں کی طرح ھیں جو راستے میں آتی ھیں۔ ھمیں ان سرنگوں میں سے ھوکر گذرنا ھے لیکن ھمارے لئے ضروری ھے کہ ھم ان میں سے اس طرح گذریں کہ جیسے ان میں سے نکل کر ھم ھمیشہ روشنی اور صاف ھوا میں پہنچیں گے... اھم چیز یہ ھے کہ ھمت کرو اور آگے بڑھو۔،،

ھم میں ھر ایک کے لئے اپنی اپنی ''سرنگیں،،

اندرونی بصارت سے قریب کر دیتا ھے اور انھیں آپ کو دیکھنے میں مدد دیتا ھے۔

بات‌چیت جتنی طویل ھوتی جاتی ھے اتنا ھی زیادہ آپ اس امر کو بھولتے جاتے ھیں کہ آپ کے سامنے ایک ایسا شخص ھے جو ایک زبردست مرض کے خلاف مصروف پیکار ھے۔

ان کی باتیں سن کر، ان کے جیالے، دانش‌مند خیالات کی بےمحابا پرواز سے متاثر ھوکر آپ بھول جاتے ھیں کہ بستر پر ایک بیمار پڑا ھے۔ وہ کہتے ھیں: ''جب میں آنکھیں بند کرتا ھوں...'' اور آپ کو اس بات کا خیال بھی نہیں ھوتا کہ ان کی آنکھیں تو برسوں پہلے بند ھو چکی ھیں۔ وہ ''کمبخت نزلے'' کی شکایت کرتے ھیں اور آپ کو یہ لگتا ھے کہ انھیں بس نزلے میں مبتلا ھو جانے کی پریشانی ھے۔ وہ کہتے ھیں: ''میں پڑھتا ھوں''، ''میں لکھتا ھوں''، ''میں سفر پر جانے کی تیاری کر رھا ھوں''، ''میں محافظ خانوں میں تلاش کروں گا''، ''میں کانگریس کے لئے تقریر تیار کر رھا ھوں''۔ شدید بیماری کے باوجود ان سے اتنی توانائی اور حرارت پھوٹی پڑ رھی ھے کہ آپ میں رحم اور ھمدردی کا جذبہ نہیں پیدا ھوتا بلکہ اس انسان پر زبردست فخر کا احساس ھوتا ھے۔

عام طور سے تصنیف کا مصنف اور اس کا ھیرو الگ الگ ھستیاں سمجھی جاتی ھیں لیکن اس صورت میں اس امر کی تمام بنیادیں موجود ھیں کہ ان کو ایک دوسرے سے قریب‌تر کیا جائے۔

قوت ہے جنھوں نے اسے علوئے حوصلہ عطا کیا۔

مجھے ''جیتے جاگتے کورچاگن'' سے کئی بار ملنے اور بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا۔ ایک بار انھوں نے مجھ سے کہا:

''خودپسند آدمی سب سے پہلے مر جاتا ہے۔ وہ خود اپنے لئے زندہ رہتا ہے اور اگر اس کا ''میں'' مجروح ہو جاتا ہے تو پھر جینے کے لئے اس کے پاس کچھ رہ ہی نہیں جاتا۔ لیکن جب انسان سماج کے مفادات کی خاطر زندہ رہتا ہے، جب وہ گویا سماج کے ساتھ یکجان ہوجاتا ہے تو پھر اسے ختم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے... جو مجاہد لڑتا ہوا جاں بلب ہوتا ہے اور اپنے رفیقوں کا نعرۂفتح سنتا ہے اس کی آخری اور یوں کہنا چاہئے کہ انتہائی تسکین ہو جاتی ہے۔''

کورچاگن اپنی زندگی سے اسی حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ صرف عظیم‌الشان مقصد ہی، جس کی لگن انسان کو ہوتی ہے خود اسے عظیم بناتا ہے۔

اور اسی عظیم مقصد نے، جس کے لئے کورچاگن جیا، اسے یعنی ایک عام محنت‌کش انسان کو، ہر طرح سے عظیم اور قابل‌رشک بنا دیا۔

استروفسکی نے اس کے بارے میں لکھا ہے جو تھا، نہ کہ اس کے بارے میں جو ہو سکتا تھا۔ ان کی کتاب ماضی کے بارے میں ہے، تجربے کے بارے میں ہے۔ اور اگر یہ احساس ہوتا ہے کہ ناممکن تو ممکن ہو گیا ہے تو یہ مصنف کی خیال‌آرائی کا نہیں بلکہ خود زندگی کا کرشمہ ہے جس نے

ہوتی ہیں ۔ وہی نہیں جن سے ہم گذر چکے ہیں اور گذر رہے ہیں بلکہ وہ بھی جن سے کل گذریں گے ۔ ضرورت ہے ہمت کی، تاکہ ان سے گذر جائیں ۔ استروفسکی اور کورچاگن ہمیں سہارا دینے کے لئے اپنے دوستانہ ہاتھ بڑھاتے ہیں ۔

نکولائی استروفسکی کے گرد، جیسے کہ ان کے ہیرو کورچاگن کے گرد تقدس کا کوئی ہالہ نہیں ہے ۔ ان کا جوہر تو پوری طرح سے ارضی انسان ہے ۔

پاویل کورچاگن کو، شپیتوفکا کے اس کالی آنکھوں والے شخص کو، شدید مایوسیوں کا احساس ہوا، وہ بیدلی اور رنج وغم میں مبتلا ہوا، اس نے طرح طرح کی غلطیاں کیں ۔ وہ خود اپنے بارے میں سوچتا ہے: ''کچھ کم غلطیاں نہیں ہوئیں جو بےوقوفی میں، نوجوانی میں ہوئیں، اور سب سے بڑھ کر تو نادانی کی بنا پر ہوئیں ۔ ''

اپنی زندگی کا تنقیدی جائزہ لےکر اور اس میں مختلف کمیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے اس نے اس اہم ترین چیز کو سب سے آگے رکھا جس سے یہ زندگی پرشوکت اور متمول ہو جائے اور بجا طور پر اس میں احساس فخر پیدا کر سکے ۔ ''سب سے اہم چیز یہ ہے کہ طوفانی دنوں میں سوتا نہیں رہا، سوویت اقتدار کے لئے مسلح جنگ میں اپنی جگہ بنائی اور انقلاب کے سرخ پرچم میں اس کے خون کے بھی چند قطروں کا رنگ ہے ۔ ''

کورچاگن کے کردار کی قوت ان خیالات کی

قوت ہے جنھوں نے اسے علوئے حوصلہ عطا کیا۔

مجھے ''جیتے جاگتے کورچاگن،، سے کئی بار ملنے اور بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا۔ ایک بار انھوں نے مجھ سے کہا:

''خودپسند آدمی سب سے پہلے مر جاتا ہے۔ وہ خود اپنے لئے زندہ رہتا ہے اور اگر اس کا ''میں،، مجروح ہو جاتا ہے تو پھر جینے کے لئے اس کے پاس کچھ رہ ہی نہیں جاتا۔ لیکن جب انسان سماج کے مفادات کی خاطر زندہ رہتا ہے، جب وہ گویا سماج کے ساتھ یکجان ہوجاتا ہے تو پھر اسے ختم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے... جو مجاہد لڑتا ہوا جاں بلب ہوتا ہے اور اپنے رفیقوں کا نعرۂفتح سنتا ہے اس کی آخری اور یوں کہنا چاہئے کہ انتہائی تسکین ہو جاتی ہے۔،،

کورچاگن اپنی زندگی سے اسی حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ صرف عظیم‌الشان مقصد ہی، جس کی لگن انسان کو ہوتی ہے خود اسے عظیم بناتا ہے۔

اور اسی عظیم مقصد نے، جس کے لئے کورچاگن جیا، اسے یعنی ایک عام محنت‌کش انسان کو، ہر طرح سے عظیم اور قابل‌رشک بنا دیا۔

استروفسکی نے اس کے بارے میں لکھا ہے جو تھا، نہ کہ اس کے بارے میں جو ہو سکتا تھا۔ ان کی کتاب ماضی کے بارے میں ہے، تجربے کے بارے میں ہے۔ اور اگر یہ احساس ہوتا ہے کہ ناممکن تو ممکن ہو گیا ہے تو یہ مصنف کی خیال‌آرائی کا نہیں بلکہ خود زندگی کا کرشمہ ہے جس نے

ہوتی ہیں۔ وہی نہیں جن سے ہم گذر چکے ہیں اور گذر رہے ہیں بلکہ وہ بھی جن سے کل گذریں گے۔ ضرورت ہے ہمت کی، تاکہ ان سے گذر جائیں۔ استروفسکی اور کورچاگن ہمیں سہارا دینے کے لئے اپنے دوستانہ ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

نکولائی استروفسکی کے گرد، جیسے کہ ان کے ہیرو کورچاگن کے گرد تقدس کا کوئی ہالہ نہیں ہے۔ ان کا جوہر تو پوری طرح سے ارضی انسان ہے۔

پاویل کورچاگن کو، شیپیتوفکا کے اس کالی آنکھوں والے شخص کو، شدید مایوسیوں کا احساس ہوا، وہ بیدلی اور رنج وغم میں مبتلا ہوا، اس نے طرح طرح کی غلطیاں کیں۔ وہ خود اپنے بارے میں سوچتا ہے: ''کچھ کم غلطیاں نہیں ہوئیں جو بے وقوفی میں، نوجوانی میں ہوئیں، اور سب سے بڑھ کر تو نادانی کی بنا پر ہوئیں۔''

اپنی زندگی کا تنقیدی جائزہ لے کر اور اس میں مختلف کمیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے اس نے اس اہم ترین چیز کو سب سے آگے رکھا جس سے یہ زندگی پرشوکت اور متمول ہو جائے اور بجا طور پر اس میں احساس فخر پیدا کر سکے۔ ''سب سے اہم چیز یہ ہے کہ طوفانی دنوں میں سوتا نہیں رہا، سوویت اقتدار کے لئے مسلح جنگ میں اپنی جگہ بنائی اور انقلاب کے سرخ پرچم میں اس کے خون کے بھی چند قطروں کا رنگ ہے۔''

کورچاگن کے کردار کی قوت ان خیالات کی

پہلا باب

''ایسٹر کی چھٹیوں سے پہلے تم میں سے جو طالب‌علم میرے گھر پر استحان دینے آئے تھے، کھڑے ہو جائیں!''

یہ الفاظ ایک بھاری بھرکم جسم‌والے شخص کے تھے جو پادری کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے گلے میں ایک وزنی صلیب لٹک رہی تھی۔ اس نے ساری جماعت کو غضب‌آلود نظروں سے دیکھا۔

چھہ بچے جن میں چار لڑکے تھے اور دو لڑکیاں اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور اس لبادہ پوش آدمی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی تیز نگاہیں ان بچوں کے جسم کو چھید کر پار نکل جائیں گی۔

''تم بیٹھ جاؤ''، پادری نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

لڑکیوں نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اطمینان کا سانس لیا۔

فادر واسیلی کی چیاں جیسی آنکھیں باقی چار لڑکوں پر گڑکے رہ گئیں۔

لوگوں میں ایسی صلاحیت پیدا کی۔ انھوں نے اپنی کتاب اس کے انتہائی ضروری ہونے کے اس احساس کے ساتھ لکھی جب اسے نہ لکھنا ممکن ہی نہیں تھا، جب ان کے لئے یہ خود زندگی کا واحد جواز رہ گیا تھا۔ اس لئے ہم قائل ہو جاتے ہیں کہ ''دارورسن کی آزمائش،، بےلاگ سچائیوں کی کتاب ہے۔

ان سے مسحور ہوکر روماں رولاں نے نکولائی استروفسکی کو ''عمل کی روشن مشعل،، قرار دیا۔ اس عظیم فرانسیسی ادیب نے لکھا کہ ''عہدانقلاب کی عظیم‌ترین تخلیق ہے اس کے اپنے لوگوں کا جنم۔ نکولائی استروفسکی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہے...،،

از سیمیون تریگوب

لڑکے نے سوال کرنےوالے پر خاموش نفرت کی نظر ڈالی۔

''میرے کپڑوں میں کوئی جیب ھی نہیں ھے،، اس نے ضدی پن سے جواب دیا۔

''اچھا، جیب ھی نہیں ھے؟ تم سمجھتے ھو کہ میں جانتا نہیں کہ یہ شرارت کس نے کی ھوگی؟ میرا سارا خمیر تباہ کرکے رکھ دیا۔ تمہارا خیال ھے کہ اس بات پر میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟ ھرگز نہیں، میاں صاحبزادے، تمہیں اس کی سزا دی جائے گی۔ پچھلی بار میں نے تمہیں اس اسکول میں اس لئے رھنے دیا تھا کہ تمہاری ماں میرے پاس خوشامد کرتی ھوئی آئی تھی کہ میں تمہیں اسکول سے نہ نکالوں لیکن اب میں تم سے عاجز آ چکا ھوں۔ نکل جاؤ یہاں سے!،، اس نے بچے کا کان اتنے زور سے اینٹھا کہ وہ درد سے بےقرار ھو گیا۔ پھر پادری نے اسے برآمدے میں دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

ساری جماعت سہمی ھوئی خاموش بیٹھی رھی -- کسی کی سمجھ میں نہ آ رھا تھا کہ آخر پاویل کورچاگن کو کیوں نکال دیا گیا۔ اس کا سبب صرف سرگئی بروژاک جانتا تھا جو پاویل کا سب سے قریبی دوست تھا۔ اس نے اسے پادری کے باورچی‌خانے میں ایسٹر کے کیک کے خمیر میں مٹھی‌بھر دیسی تمباکو ڈالتے دیکھا تھا۔ اس دن وہ چھ طالب‌علم جو پڑھائی میں پیچھے رہ گئے تھے پادری کے باورچی‌خانے میں اس کا انتظار کر رھے تھے کہ وہ آئے تو دوبارہ اس کو اپنا سبق سنائیں۔

''اچھا، صاحبزادو، آپ سب ذرا ادھر تو تشریف لائیے!''

فادر واسیلی اٹھا، اپنی کرسی پیچھے سرکائی اور ان چاروں بچوں کے پاس جا پہنچا جو ایک دوسرے سے لگے ہوئے، سکڑے کھڑے تھے۔

''بدمعاشو، تم میں سے کون سگریٹ پیتا ہے؟''

''فادر، ہم تو سگریٹ نہیں پیتے'' چاروں نے ڈری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پادری کا چہرہ تمتما اٹھا۔

''اچھا، تم سگریٹ نہیں پیتے، بدمعاش کہیں کے؟ پھر میرے خمیر میں تمباکو کس نے ملایا تھا؟ بولو، جواب دو! خیر، ابھی پتہ چلا جاتا ہے کہ سگریٹ پیتے ہو یا نہیں! اچھا، اپنی اپنی جیبیں خالی کرو۔ چلو میں کہتا ہوں، جیبیں خالی کر کے دکھاؤ!''

تین بچے اپنی اپنی جیبوں کی چیزیں نکال نکال کر میز پر رکھنے لگے۔

پادری نے ان کی جیبوں کی سیونوں کا غور سے معائنہ کیا کہ شاید ان میں تمباکو کا چورا مل جائے لیکن ان میں کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر پادری چوتھے لڑکے کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نوعمر لڑکے کی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ رنگ کی تھیں اور وہ ایک بھورے رنگ کی قمیص اور نیلی پتلون پہنے تھا جس کے گھٹنوں پر پیوند لگے تھے۔

''آخر وہاں بت بنے کیوں کھڑے ہو؟''

کروڑوں برسوں سے قائم ہے اور ستارے بھی اسی دنیا کی طرح کی دنیائیں ہیں تو وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ اس نے جو کچھ سنا اس سے وہ اتنا حیرت‌زدہ ہوا کہ اس کا جی تو بہت چاہا کہ کھڑا ہو کر کہہ دے: ''مگر بائبل میں تو یہ نہیں لکھا ہے!،، لیکن بڑی مشکل سے وہ اپنے آپ کو روک سکا، وہ اور زیادہ مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

پادری دینیات میں پاویل کو ہمیشہ پورے نمبر دیتا تھا۔ اسے دعا کی پوری کتاب حفظ تھی۔ اور اس کے علاوہ عہدنامہ جدید اور عتیق بھی اسے اچھی طرح یاد تھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ خدا نے ہفتے کے کس دن کون‌سی چیز تخلیق کی تھی۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مسئلے کے بارے میں فادر واسیلی سے دریافت کرے گا۔ اگلے ہی سبق کے وقت پادری درجہ میں آکر ابھی ٹھیک سے اپنی کرسی پر بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ پاویل نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا اور بولنے کی اجازت پاتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''فادر، دوسری جماعت کے ماسٹر صاحب یہ کیوں کہتے ہیں کہ یہ دنیا کروڑوں برس پرانی ہے؟ بائبل میں تو لکھا ہے کہ دنیا صرف پانچ ہزار...،، فادر واسیلی کی کڑک‌دار آواز نے اس کی بات بیچ ہی میں کاٹ دی:

''کیا کہا تو نے، بدمعاش کہیں کا؟ ایسے یاد کرتا ہے تو اپنا دینیات کا سبق — کیوں؟،،

اسکول سے نکال دئے جانے کے بعد پاویل اسکول کے زینے کی سب سے نچلی سیڑھی پر بیٹھ گیا اور بڑی مایوسی سے سوچنے لگا کہ جب وہ اپنی ماں کو ساری داستان سنائےگا تو وہ کیا کہےگی، اس کی غریب محنتی ماں جو صبح سے رات تک آب کاری کے داروغے کے ھاں کھانا پکانے کا کام کرتی تھی۔

اس کا گلا رندھ گیا۔

''اب میں کیا کروں؟ یہ سب اس کمبخت پادری کی وجہ سے ھوا اور مجھے بھی نہ جانے کیا سوجھی تھی کہ جاکر اس کے خمیر میں تمباکو ملا دیا۔ سرگئی نے اکسایا تھا کہ ''آؤ، اس بوڑھے خبیث کو سزا چکھائیں۔،، اسی لئے ھم لوگوں نے یہ حرکت کی اور اب سرگئی تو صاف بچ جائےگا اور میں یقیناً نکال دیا جاؤں‌گا۔،،

فادر واسیلی سے اسے بہت پرانا بغض تھا۔ اس کا یہ جھگڑا اسی دن سے چلا آ رھا تھا جس دن میشا لیوچکوف کے ساتھ اس کی مارپیٹ ھوئی تھی اور سزا کے طور پر اسے اسکول کے بعد روک لیا گیا تھا۔ اور اس لئے کہ خالی کمرے میں وہ کوئی شرارت نہ کرنے پائے اسے لے جاکر دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنے کےلئے بٹھا دیا گیا تھا۔

پاویل وھاں جاکر پیچھے بیٹھ گیا۔ اس جماعت کے ماسٹر صاحب ایک مختصر اور منحنی سے آدمی تھے۔ وہ کالا کوٹ پہنے ھوئے تھے۔ جماعت کے لڑکوں کو وہ کرۂارض اور اجرام فلکی کے بارے میں بتا رھے تھے۔ پاویل نے جب یہ سنا کہ زمین

پاویل کو پچھڑے ہوئے لڑکوں کے ساتھ دوبارہ امتحان دینے کےلئے پادری کے گھر جانا پڑا۔ وهیں باورچی‌خانے میں اس نے کیک کے خمیر میں تمبا کو ملا دیا تھا۔

ایسا کرتے ہوئے اسے کسی نے بھی نہ دیکھا تھا پھر بھی پادری فوراً تاڑ گیا تھا کہ یہ حرکت کس کی ہوگی۔

...آخرکار سبق ختم ہوا اور تمام لڑکے باهر میدان میں نکل‌کر پاویل کے گرد جمع هو گئے۔ وہ بہت اداس اور خاموش کھڑا رہا۔ سرگئی بروژا ک درجه سے باهر نہیں نکلا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ بھی قصوروار ہے لیکن اپنے دوست کی مدد کرنے کےلئے وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔

استادوں کے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی سے اسکول کے هیڈ ماسٹر یفریم واسیلوچ نے اپنی گردن باهر نکالی اور گرج‌کر کہا:

”کورچاگن کو فوراً میرے پاس بھیج دو!“

هیڈماسٹر کی بھاری گونجتی ہوئی آواز سنتے ہی پاویل چونک پڑا اور دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

اسٹیشن کے ریستوران کے مالک نے پاویل کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا زرد رو شخص تھا اور اس کی آنکھیں بےرنگ اور بےآب تھیں۔

”کیا عمر ہے اس کی؟“

قبل اس کے کہ پاویل سمجھ پاتا کہ بات کیا ھے پادری نے اس کے دونوں کان پکڑ کر اس کا سر دیوار سے ٹکرانا شروع کر دیا۔ چند ھی منٹ بعد اس نے اپنے آپ کو باھر برآمدے میں کھڑا پایا۔ خوف سے وہ بری طرح دھل گیا تھا اور اسے شدید تکلیف ھو رھی تھی۔

اس بار اس کی ماں نے بھی اسے زور کی ڈانٹ بتائی تھی۔

دوسرے دن اسکول جاکر اس نے فادر واسیلی کی بہت خوشامد کی تھی کہ وہ پاویل کو اسکول میں واپس لے لیں۔ اسی دن سے پاویل کو پادری سے شدید نفرت ھو گئی تھی۔ اس کے دل میں نفرت بھی تھی اور خوف بھی — اس کا ننھا سا معصوم دل ھر قسم کی بےانصافی کے خلاف بغاوت کرتا تھا چاھے وہ کتنی ھی معمولی کیوں نہ ھو۔ پادری نے بلاوجہ اس کی پٹائی کی تھی، اس کےلئے وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے وہ اندر ھی اندر کڑھنے لگا اور اس کے دل میں تلخی پیدا ھو گئی۔

اس واقعے کے بعد پاویل کو کئی بار فادر واسیلی کے غصے کا نشانہ بننا پڑا۔ پادری اسے ھمیشہ درجہ سے باھر نکالتا رھتا تھا۔ ذرا ذرا سی شرارت کےلئے اسے لگاتار کئی ھفتوں تک کونے کی طرف منھ کرکے کھڑا رھنا پڑتا تھا اور اس سے کبھی کسی سوال کا جواب دینے کو نہیں کہا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ھوا کہ ایسٹر کی چھٹیوں سے قبل

کام کرنا، ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے شرمندگی اٹھانی پڑے۔"

اداس آنکھوں سے وہ اسے اندر جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر وہاں سے چلی گئی۔

برتن صاف کرنے کی کوٹھری میں کام خوب زورشور سے ہو رہا تھا۔ میز پر رکابیوں، کانٹوں اور چھریوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور کئی عورتیں اپنے کندھوں پر جھاڑن ڈالے ہوئے انہیں پونچھ کر سکھا رہی تھیں۔

ایک لڑکا جس کے سر پر سرخ رنگ کے بالوں کا گندا سا گچھا تھا اور جو عمر میں پاویل سے کچھ بڑا تھا دو بڑے بڑے سماواروں کو گرم کر رہا تھا۔

ایک بڑی سی ناند میں کھولتا ہوا پانی بھرا تھا جس میں رکابیاں دھوئی جا رہی تھیں۔ ناند کے کھولتے ہوئے پانی سے اٹھتی ہوئی بھاپ ساری کوٹھری میں بھری تھی جس کی وجہ سے شروع میں پاویل ان عورتوں کے چہرے بھی نہیں دیکھ پایا۔ وہ کھویا کھویا سا اس انتظار میں کھڑا رہا کہ کوئی آکر اسے بتائے کہ اسے کیا کام کرنا ہے۔

شراب دینے والی زینا ایک برتن دھونے والی نوکرانی کے پاس گئی اور اس کا کندھا تھپتھپا کر بولی:

"فروسیا، میں تمہارے لئے ایک نئے لڑکے کو لائی ہوں جو گریشکا کی جگہ کام کریگا۔ تم اسے سمجھا دو کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

''بارہ سال۔ ''
''اچھا، تو اسے چھوڑ جاؤ۔ اسے مہینے میں آٹھ روبل ملیں گے اور جس دن کام کرے گا اس دن کھانا ملے گا۔ اسے ایک ایک دن چھوڑ کر متواتر چوبیس گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا، میں چوری قطعی نہیں برداشت کروں گا۔ ''
''بالکل نہیں، جناب، چوری نہیں کرے گا۔ اس کی ذمہ‌داری میں لیتی ہوں'' پاویل کی ماں نے ریستوران کے مالک کو مطمئن کرنے کے لئے جلدی سے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔
''آج ہی سے کام شروع کردو'' ریستوران کے مالک نے حکم دیا اور کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت کی طرف مڑ کر بولا: ''زینا، اس لڑکے کو برتن صاف کرنے کی کوٹھری میں لے جاؤ اور فروسیا سے کہہ دو کہ اسے گریشکا کی جگہ کام پر لگا دے۔ ''
شراب دینے والی نوکرانی نے چاقو وہیں میز پر رکھ دیا جس سے وہ سور کا گوشت کاٹ رہی تھی اور پاویل کو اشارہ کیا۔ اسے ساتھ لے کر ہال کو پار کرتی ہوئی وہ ایک بغلی دروازے پر جا پہنچی جو برتن صاف کرنے کی کوٹھری میں کھلتا تھا۔ پاویل اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی ماں بھی ہڑبڑاتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی اور جلدی سے اس نے پاویل کے کان میں کہا:
''میرے بچے پاویل، دیکھو خوب جی لگا کر

چھوٹی سی اٹھی ہوئی ناک ان سب میں ایک ایسی بات تھی جس سے پاویل کی ڈھارس بندھی۔

''یہ تو کافی نیک معلوم ہوتی ہے،، پاویل اپنے دل میں اس نتیجے پر پہنچا اور اپنے شرمیلے پن پر قابو پا کر بولا:

''اچھا، خالہ، بتاؤ مجھے ابھی کیا کرنا ہے؟،،

اس کی یہ بات سنتے ہی برتن صاف کرنے والیوں میں قہقہہ پڑ گیا:

''ہا ہا! دیکھو تو فروسیا جانے کہاں سے اپنے لئے ایک بھانجا ڈھونڈھ لائی ہے!،،

فروسیا خود اوروں سے بھی زیادہ جی کھول کر ہنسی۔

بھاپ کے دھندلکے میں پاویل نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ فروسیا ایک نوجوان لڑکی ہے۔ اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

سٹ پٹا کر وہ اس لڑکے کی طرف مخاطب ہوا اور اس سے پوچھا:

''بتاؤ، مجھے کیا کام کرنا ہے؟،،

لیکن وہ بھی اندر ہی اندر ہنسنے لگا:

''اپنی خالہ ہی سے پوچھو، وہی تم کو بتائیں گی، میں تو چلا۔،، اتنا کہکر وہ تیر کی طرح باورچی خانے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

برتن صاف کرنے والی عورتوں میں سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے اسے بلا کر کہا: ''ادھر آؤ، ذرا یہ کانٹے پونچھ کر رکھ دو۔،،

پھر دوسری عورتوں کو ڈانٹتے ہوئے اس نے

"یہاں کے کام کی یہی ذمہ‌دار ہیں"، زینا نے اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاویل سے کہا جسے اس نے فروسیا کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ "وہ تمہیں سب کام سمجھا دے‌گی۔ "، اتنا کہہ‌کر وہ مڑی اور کھانے کے کمرے میں واپس چلی گئی۔

"اچھی بات ہے"، پاویل نے نرمی سے جواب دیا اور سوالیہ انداز میں فروسیا کی طرف دیکھنے لگا۔ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے اس عورت نے پاویل کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا جیسے کہ وہ اس کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا رہی ہو، پھر اس نے اپنی آستینیں چڑھائیں جو کھسک کر کہنیوں کے نیچے آ گئی تھیں اور گہری اور نہایت خوشگوار آواز میں بولی:

"بچے، کام تو کچھ ایسا خاص نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہیں کافی لگ کر کام کرنا ہوگا۔ وہ ادھر جو تانبے کا پتیلہ رکھا ہے اسے صبح ہی گرم کرنا ہوتا ہے تاکہ ہر وقت کھولتا ہوا پانی مل سکے، اس کے علاوہ کچھ لکڑی چیرنی ہوگی اور پھر سماواروں کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ کبھی کبھی تمہیں چھری کانٹے بھی صاف کرنے ہوں‌گے اور گندے پانی کی بالٹی بھی باہر لے جانی پڑیگی۔ کام تو کافی ہے، میاں"، وہ کوستروما کے علاقے کے مخصوص لہجے میں بولتی تھی اور الف کی آواز کو بہت کھینچ کر ادا کرتی تھی۔ اس کا لہجہ، اسکا تمتمایا ہوا چہرہ اور اس کی

ان میں ایک جس کے شانے چوڑے، آنکھیں بھینگی اور جبڑا چوکور اور بھاری تھا بولا:

''ذرا جلدی جلدی ھاتھ چلاؤ۔ بارہ بجے کی گاڑی آنے ھی والی ھے، اور تم یہاں کھڑی کھڑی وقت ضائع کر رھی ھو۔''

پھر اس نے پاویل کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''یہ کون ھے؟''

''یہ وہ نیا لڑکا ھے''، فروسیا نے کہا۔

''اچھا، نیا لڑکا''، اس ویٹر نے کہا اور پاویل کے کندھے پر اپنا بھاری ھاتھ رکھ کر اسے سماواروں کی طرف دھکا دیتے ھوئے بولا: ''سن بے چھوکرے، یہ دیکھنا تیرا کام ھے کہ یہ دونوں ھر دم کھولتے رھیں لیکن دیکھ، ایک بالکل ٹھنڈا پڑا ھے اور دوسرے میں بھی برائے نام آنچ لگ رھی ھے۔ آج تو چھوڑے دیتا ھوں لیکن اگر کل سے ایسا ھوا تو تیرا منھ اسی میں جھلسا دوں گا۔ سمجھا؟''

پاویل بغیر ایک لفظ کہے سماوار گرم کرنے میں مشغول ھو گیا۔

اس طرح اس کی محنت اور مشقت کی زندگی کی ابتدا ھوئی۔ پاویل نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں کبھی اتنی محنت نہیں کی تھی جتنی کہ اپنی ملازمت کے پہلے دن اسے کرنا پڑی۔ اس نے سمجھ لیا کہ ریستوران اس کا گھر نہیں تھا جہاں وہ اپنی ماں کی حکم عدولی کر سکتا تھا۔ اس بھینگے ویٹر نے اس پر یہ بات صاف طور پر واضح کر دی تھی

کہا : ''بس بس، بہت ہو چکا، یہ کیا کھی کھی لگا رکھی ہے؟ لڑکے نے آخر ایسی ہنسی کی کیا بات کہی تھی؟ لو یہ لو ۔ ،، یہ کہہ کر اس نے پاویل کو ایک جھاڑن پکڑا دیا ۔ ''لو، اس کا ایک سرا اپنے دانتوں میں پکڑ لو اور دوسرے کو کس کر تان لو ۔ اور یہ رہا کانٹا ۔ جھاڑن کی کور سے کانٹوں کی گھائیاں اچھی طرح صاف کر دو ۔ دیکھو ذرا بھی میل نہ رہنے پائے ۔ اس معاملہ میں یہاں بہت سختی برتی جاتی ہے ۔ گاھک لوگ ہمیشہ کانٹوں کو بڑے غور سے دیکھتے ھیں اور اگر ذرا سا بھی میل رہ جاتا ہے تو بہت واویلا مچاتے ھیں ۔ اگر اس قسم کی کوئی واردات ہو گئی تو مالکن تمہیں فوراً نکال کر باھر کریں گی ۔ ،،

''مالکن؟،، پاویل نے حیرت سے یہ لفظ دھرایا ۔ ''میں تو سمجھتا تھا کہ جس آدمی نے مجھے نوکر رکھا ہے وھی یہاں کا مالک ہے ۔ ،،

وہ عورت ہنس دی ۔

''وہ مالک تو یہاں بالکل ویسا ھی ہے جیسے میز کرسیاں وغیرہ ۔ اصل میں تو سب کچھ مالکن کے ھاتھ میں ہے ۔ آج وہ یہاں نہیں ھیں ۔ لیکن کچھ دن کام کروگے تو تمہیں خود ھی سب کچھ معلوم ھو جائے گا ۔ ،،

برتن دھونے کی کوٹھری کا دروازہ کھلا اور تین ویٹر جوٹھے برتنوں سے لدی ہوئی کشتیاں لئے ہوئے داخل ہوئے ۔

''شروع شروع میں تو سب ھی محنت سے کام کرتے ھیں...''

دوسرے دن صبح تک پاویل تھک کر بالکل چور ھو چکا تھا۔ ساری رات اس نے کھڑے کھڑے گذار دی تھی۔ سات بجے اس نے کھولتے ھوئے سماوار اس لڑکے کے حوالے کر دئے جو اس کی جگہ لینے آیا تھا۔ یہ لڑکا بھرے بھرے گالوں والا ایک نوعمر چھوکرا تھا جس کی آنکھوں میں ایک عجیب خطرناک سی چمک تھی۔ اس نے کھولتے ھوئے سماواروں کا جائزہ لیا اور جب اسے اطمینان ھو گیا کہ ھر چیز درست ھے تو اپنی دونوں جیبوں میں ھاتھ ڈال کر حقارت‌آمیز احساس برتری کے ساتھ اس نے دانتوں کی ریخوں میں سے تھوکا۔

''سن، بے نکٹے'' اس نے پاویل پر اپنی بےآب آنکھیں گاڑکر جارحانہ لہجے میں کہا۔ ''دیکھ، کل صبح یہاں ٹھیک چھه بجے کام پر پہنچ جانا۔''

''چھه بجے کیوں؟'' پاویل نے اس سے سوال کیا۔ ''پالی تو سات بجے بدلتی ھے نا؟''

''اس سے تم کو کوئی مطلب نہیں کہ پالی کتنے بجے بدلتی ھے۔ تم یہاں چھه بجے پہنچ جانا اور دیکھو زیادہ بک بک مت کرو، نہیں تو میں یہ بدھوؤں کا سا منھ توڑ دونگا۔ ھمت تو دیکھو، آج ھی کام شروع کیا اور آج ھی اکڑنے لگا۔''

برتن دھونےوالی عورتیں جن کی پالی بھی اسی وقت ختم ھوئی تھی کھڑے ھوکر بڑی دلچسپی سے ان دونوں لڑکوں کی تو تو میں میں سننے لگیں۔

کہ اگر اس نے ان لوگوں کی مرضی اور ہدایت کے مطابق کام نہ کیا تو اسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

پاویل اپنا ایک بوٹ چمنی پر رکھ دیا کرتا اور اس سے دھونکنی کا کام لے کر دیکھتے دیکھتے آگ سلگا دیتا۔ ان بڑے بڑے مٹکے جیسے سماواروں میں سے چنگاریاں اڑنے لگتیں۔ اس کے بعد وہ کچرے کی بالٹی اٹھاتا اور لے جاکر گھورے پر پھینک آتا۔ پھر پانی کھولانے کے برتن کے نیچے آنچ تیز کرنے کےلئے وہ چولھے میں کچھ لکڑیاں اور ڈال دیتا اور طشتریاں پونچھنے کے جھاڑنوں کو گرم سماواروں پر سکھا دیتا۔ غرض کہ جو کچھ اس سے کرنے کو کہا گیا تھا وہ سب اس نے کر ڈالا۔ اس دن بہت رات گئے جب پاویل تھک کے چور ہوکر باورچی‌خانے میں پہنچا تو اسی ادھیڑ عمر کی عورت انیسیا نے جو برتن دھونے کا کام کرتی تھی، دروازہ پر ایک نظر ڈالی جسے پاویل بھیڑ کر باھر چلا گیا تھا، اور کہا:

”اس لڑکے میں ایک عجیب بات ھے۔ دیکھو، بالکل دیوانوں کی طرح بھاگ بھاگ کر کام کرتا ھے۔ ضرور کوئی وجہ ہوگی کہ اسے یہاں کام پر رکھا گیا۔“

”بہت اچھا کام کرتا ھے“، فروسیا نے کہا۔ ”کبھی کسی کام کےلئے جلدی ھاتھ چلانے کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

”تھوڑے ھی دن میں سارا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا“، لوشا نے اپنی رائے ظاھر کرتے ہوئے کہا۔

2*



دوسرے لڑکے کی ڈانٹ کے لہجے اور دھونس جمانے کے طریقے پر پاویل کو غصہ آ گیا۔ وہ اس موذی کی طرف بڑھا اور اس پر گھونسے کا ایک وار کرنے ھی کو تھا کہ یک بیک اس کے دل میں یہ خوف پیدا ھوا کہ کہیں اس کی یہ نئی لگی ھوئی نوکری نہ چھٹ جائے، اس لئے وہ ضبط کر گیا۔ پاویل کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ اس نے کہا:

''بند کرو اپنی بکواس اور دیکھو، مجھ پر رعب نہ جھاڑنا، نہیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ میں کل سات بجے یہاں آؤں گا اور یہ بھی بتا دوں کہ تمھارے ھی نہیں میرے بھی دو ھاتھ ھیں۔ اگر زور آزمانا چاھتے ھو تو میں تیار ھوں۔،،

اس کا حریف پانی کھولانے کے برتن کی طرف دبک گیا اور پاویل کو حیرت سے منھ کھولے دیکھتا رہا جو غصہ سے آگ بگولا ھو رہا تھا۔ اسے اتنا زبردست منھ توڑ جواب پانے کی توقع نہ تھی۔

''اچھی بات ھے، اچھی بات ھے۔ دیکھا جائے گا،، اس نے بدبدا کر کہا۔

اپنی ملازمت کا پہلا دن بخیر و عافیت گزار دینے کے بعد پاویل اپنے گھر کی طرف تیزی سے روانہ ھوا۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ ایمانداری کے ساتھ محنت کرکے اس نے آرام کرنے کا حق حاصل کیا ھے۔ اب وہ بھی مزدور ھے۔ اور اب کوئی بھی اس پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ دوسروں کی کمائی پر پلتا ھے۔

دور تک پھیلی ھوئی لکڑی چیرنے کے کارخانے

کی عمارتوں کے پیچھے سے صبح کا سورج ابھر رہا تھا۔ تھوڑی ھی دیر میں لیش‌چینسکی کے باغ کے پیچھے وہ چھوٹا سا گھر دکھائی دینے لگےگا جہاں پاویل رہتا تھا۔

''ماں ابھی سوکر اٹھی ھونگی اور میں کام پر سے گھر واپس پہنچوں‌گا،، پاویل نے سوچا اور اپنے قدم تیز کر لئے۔ چلتے چلتے وہ سیٹی بجاتا جا رہا تھا۔ ''اسکول سے نکال دیا جانا میرے لئے کچھ خاص برا نہیں ھوا۔ اور بہرحال وہ کمبخت پادری تو مجھے کبھی چین نہ لینے دیتا۔ اب وہ بھاڑ میں جائے میری بلا سے،، یہ سوچتے سوچتے پاویل گھر پہنچ گیا اور اس نے پھاٹک کھولا۔ ''اور رھا وہ سنہرے بالوں‌والا چھوکرا تو اس کا میں کسی روز حلیہ بگاڑکر رکھ دوں‌گا۔،،

اس کی ماں صحن میں بیٹھی سماوار میں آگ سلگا رھی تھی۔ اپنے بیٹے کی آھٹ سنتے ھی اس نے سر اٹھاکر اوپر دیکھا اور بےقراری سے پوچھا:

''کیوں بیٹا، کام کیسا تھا؟،،

''اچھا تھا،، پاویل نے جواب دیا۔

اس کی ماں کچھ کہنے ھی والی تھی کہ کھلی ھوئی کھڑکی میں سے پاویل کو اپنے بھائی آرتیم کی چوڑی سی پیٹھ کی ایک جھلک دکھائی دی۔

''کیا، آرتیم بھیا آئے ھیں؟،، اس نے بہت فکرمند ھوکر پوچھا۔

''ھاں، وہ کل رات آیا ھے۔ اب یہیں رھےگا اور ریلوے یارڈ میں کام کرےگا۔،،

کا جائزہ لیتا رہا۔ آرتیم میز کے پاس سے اٹھا اور باورچی‌خانے میں چلا گیا۔

’’معلوم ہوتا ہے اب مار نہیں پڑے‌گی،، یہ سوچ کر پاویل نے اطمینان کا سانس لیا۔

بعد میں چائے پیتے وقت آرتیم نے اسکول کے اس واقعہ کی بابت دریافت کیا۔ پاویل نے سارا واقعہ سچ سچ بتا دیا۔

’’اگر بڑے ہوکر بھی تم ایسے ہی لفنگے رہے تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟،، ماں نے انتہائی افسردگی کے ساتھ کہا۔ ’’سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں اس کا؟ نہ جانے کس پر پڑا ہے؟ یا خدا، اس لڑکے کی خاطر میں نے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائی ہیں!،، اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

آرتیم نے خالی پیالہ اپنے آگے سے سرکا دیا اور پاویل سے مخاطب ہوا:

’’اچھا دوست، سنو۔ جو ہو گیا وہ تو ہو گیا۔ اب کچھ نہیں کیا جا سکتا مگر اب آئندہ کےلئے محتاط رہو اور اپنا کام ٹھیک سے کرو۔ شرارت چھوڑ دو، کیوں‌کہ اگر تم اس جگہ سے بھی نکالے گئے تو میں تمہاری خوب مرمت کرونگا۔ یاد رکھنا۔ ویسے بھی تم ماں کو کافی تکلیف دے چکے ہو۔ ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنستے رہتے ہو۔ لیکن اب اس طرح کام نہیں چلے‌گا۔ ایک آدھ سال وہاں کام کر لوگے تو میں کوشش کرکے تمہیں ریلوے یارڈ میں امیدوار کی حیثیت سے رکھوا دوں‌گا کیوں‌کہ اگر تم عمربھر

جھجھکتے جھجھکتے پاویل نے کمرے کا دروازہ کھولا۔

دروازے کی طرف پیٹھ کئے ہوئے جو شخص میز کے پاس بیٹھا تھا اس نے پاویل کے داخل ہوتے ہی اپنا تنومند جسم گھمایا۔ گھنی کالی بھنوؤں کے نیچے اس کی آنکھوں میں سختی کا انداز تھا۔

''اچھا، آپ ھیں میاں تمباکو۔ کہئے، کیا حال چال ھیں؟''

پاویل اس کے بعد پوچھے جانے والے سوالوں سے خوفزدہ ھو رھا تھا۔

اس نے سوچا: ''شائد آرتیم کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ھو گیا ھے۔ اب کس کے ڈانٹ پڑےگی اور خوب پٹائی ھوگی سو الگ۔''

اپنے بڑے بھائی سے پاویل ھمیشہ سے ڈرتا تھا۔

لیکن آرتیم کا اپنے بھائی کی سرست کرنے کا بظاھر کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ میز پر کہنیاں ٹکائے تپائی پر بیٹھا پاویل کے چہرے کا جائزہ لیتا رھا، پتہ نہیں حقارت کے ساتھ یا مذاق اڑانے کے انداز میں۔

''تو اب آپ عالم فاضل ھو گئے، کیوں؟ جو کچھ پڑھنے کو تھا سب پڑھ لیا اور اب آپ نے اپنی توجہ جوٹھے برتنوں کی صفائی کی طرف کی ھے، کیوں؟''

پاویل نگاھیں نیچی کئے فرش کی ایک درز کو گھورتا اور وھاں پر گڑی ھوئی ایک کیل

دو تین گھنٹے کےلئے جب دو گاڑیوں کے بیچ تھوڑا سا وقفہ ھوتا تھا وھاں نسبتاً کچھ سکون رھتا تھا۔ اس اسٹیشن سے سینکڑوں گاڑیاں مختلف سمتوں کو جاتی تھیں۔ جنگی سورچے اور عقب کے درمیان آنے جانےوالی گاڑیاں، سورچے سے ھزاروں زخمی اور اپاھج لوگوں کو لانےوالی گاڑیاں اور وہ گاڑیاں جن میں بے کیف سرمئی رنگ کے اوور کوٹوں میں ملبوس نئے سپاھی مسلسل جنگی مورچے کی طرف لے جائے جا رھے تھے۔

پاویل نے وھاں دو سال کام کیا اور ان دو برسوں میں اس نے برتن صاف کرنے کی کوٹھری اور باورچیخانے کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھا۔ باورچیخانہ تہہ خانے میں تھا اور وھاں بیس بائیس آدمی ھر دم پاگلوں کی طرح کام میں جتے رھتے تھے۔ دس ویٹر مسلسل باورچیخانے اور ریستوران کے بیچ میں چکر لگاتے رھتے تھے۔

لیکن اب پاویل کو آٹھ کی بجائے دس روبل ملنے لگے تھے۔ ان دو برسوں میں وہ لمبا بھی ھو گیا تھا اور اس کا سینہ بھی خوب چوڑا نکل آیا تھا، اس عرصے میں اسے مصیبتیں بھی بہت اٹھانی پڑی تھیں۔ چھہ مہینے تک اس نے باورچیخانے میں بھی کام کیا لیکن بعد میں اسے پھر برتن صاف کرنے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔ ریستوران کے قادر مطلق صدر باورچی کو اس سے بغض للہی تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے پاویل پر ھاتھ نہ اٹھایا تو نہ جانے کب وہ وحشی چھوکرا اسے

جوٹھے برتن صاف کرتے رہے تو کبھی کسی لائق نہیں بن پاؤگے۔ کوئی نہ کوئی ہنر تو تمہیں سیکھنا ھی پڑےگا۔ خیر ابھی تو تم بہت چھوٹے ہو لیکن سال بھر بعد دیکھوں گا تمہارے لئے کیا کیا جا سکتا ھے۔ شائد وہ لوگ تمہیں کام پر رکھ لیں۔ اب میں یہیں کام کروں گا اور ماں کو کام پر جانے کی ضرورت نہیں ھے۔ بس بہت جان کھپا چکی وہ ان طرح طرح کے سوروں کےلئے۔ پاویل، بس اس بات کا دھیان رکھو کہ تمہیں انسان بننا ھے۔''

اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ھوا۔ اس کے آس پاس کی تمام چیزیں اس کے لحیم شحیم جسم کے سامنے بونی معلوم ھو رھی تھیں۔ کرسی کی پشت پر سے اپنا کوٹ اٹھاکر پہنتے ھوئے اس نے ماں سے کہا: ''ماں، مجھے ذرا گھنٹے بھر کےلئے باھر جانا ھے۔'' اور وہ جھک کر دروازے سے باھر نکل گیا۔

پھاٹک کی طرف جاتے ھوئے اس نے کھڑکی سے اندر جھانک کر دیکھا اور پکار کر پاویل سے کہا: ''میں تمہارے لئے ایک جوڑی بوٹ اور ایک چاقو لایا ھوں۔ ماں سے لے لینا۔''

اسٹیشن کا ریستوران چوبیس گھنٹے کھلا رھتا تھا۔

اس جنکشن پر چھ مختلف سمتوں سے ریل کی پٹریاں آکر ملتی تھیں۔ اسٹیشن مسافروں سے ھر وقت کھچاکھچ بھرا رھتا تھا۔ رات کو صرف

ایک آرتیم ہے، اول درجے کا مستری ہے اور اسے مہینے بھر میں کیا ملتا ہے — صرف اڑتالیس روبل! مجھے ملتے ہیں دس روبل۔ اور یہ ہیں کہ ایک ایک دن میں اتنی بہت سی رقم پیٹ لیتے ہیں۔ اور کام کیا کرتے ہیں، یہاں سے کشتی اٹھائی، وہاں پہنچا دی۔ وہاں سے کشتی لائے یہاں پٹک دی۔ اور سارا پیسہ جوئے اور شراب میں اڑا دیتے ہیں۔''

یہ ویٹر پاویل کے نزدیک اتنے ہی غیر اور دشمن تھے جتنا کہ اُس کے مالک — ''یہاں یہ سالے سور سوری کے کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگتے ہیں لیکن ان کی بیویاں اور بچے شہر میں رئیسوں کی طرح اینڈتے پھرتے ہیں۔''

کبھی کبھی یہ ویٹر اپنے بیٹوں کو کالج کے ٹھاٹ‌دار یونیفارم پہنا کر وہاں لاتے تھے اور بعض اوقات اپنی بیویوں کو بھی جو آرام طلبی کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے موٹی اور پھپس ہو گئی تھیں۔ پاویل اپنے دل میں کہتا: ''میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس ان رئیسوں سے بھی زیادہ پیسہ ہے جن کی میزوں پر یہ دوڑ دوڑ کر چیزیں پہنچاتے ہیں۔'' رات کے وقت باورچی‌خانے اور گوداموں کے تاریک گوشوں میں جو کچھ ہوتا تھا اسے دیکھ کر بھی اب پاویل کے جذبات کو ٹھیس نہ لگتی تھی۔ وہ بخوبی سمجھ گیا تھا کہ برتن دھونےوالی یا شراب دینےوالی کوئی بھی نوکرانی اس وقت تک اپنی ملازمت کو برقرار

چھرا مار دے۔ اور حقیقت بھی یہ تھی کہ اگر پاویل میں سخت محنت کرنے کی اتنی زبردست صلاحیت نہ ہوتی تو اس کے گرم مزاج کی وجہ سے اس کی نوکری نہ جانے کب کی چلی گئی ہوتی۔ بات یہ تھی کہ وہ باقی تمام لوگوں سے زیادہ سخت محنت کر سکتا تھا اور بظاہر تھکتا بھی نہیں تھا۔

جن اوقات میں ریستوران میں گاھکوں کی بھیڑ بہت زیادہ ہوتی تھی اس وقت وہ اوپر تک لدی ہوئی کشتیاں لےکر باورچی‌خانے کے زینے پر ایک ایک جست میں چار چار پانچ پانچ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا آندھی کی طرح اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھاگتا رہتا تھا۔

رات کے وقت جب ریستوران کے دونوں کمروں میں ہنگامہ کم ہو جاتا تھا تو تمام ویٹر نیچے باورچی‌خانے کے گودام میں جمع ہو جاتے تھے اور جوئے کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ پاویل نے بارھا جوئے کے ان کھیلوں میں بڑی بڑی رقموں کے نوٹ ادھر سے ادھر ہوتے دیکھے تھے۔ وھاں اتنی بڑی رقموں کے ڈھیر دیکھ‌کر اسے کوئی حیرت نہ ہوتی تھی کیوں‌کہ وہ جانتا تھا کہ ہر پالی میں ہر ویٹر کو ایک ایک روبل آدھا آدھا روبل کرکے بخشش کی شکل میں تیس تیس، چالیس چالیس روبل کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ بعد میں وہ یہ رقم جوئے اور شراب میں اڑا دیتے تھے۔ پاویل کو ان سے نفرت تھی۔

وہ سوچتا تھا: ”کم بخت سور کہیں کے!

چکی تھی۔ اب صبح کے وقت جب وہ برتن دھونے
کی کوٹھری میں آتا اور پناہ گزین عورتوں کے لڑنے
جھگڑنے کی چیخ چیخ سنتا تو اسے ایک خلا
اور تنہائی کا احساس ہوتا جو اسے اندر ہی اندر
کھوکھلا کئے دے رہا تھا۔

ایک دن رات کو پانی کھولانے کے برتن کے نیچے آگ سلگا کر وہ بھٹی کے سامنے بیٹھ گیا اور آنکھیں سکیڑ کر آگ کی لپٹوں کو گھورنے لگا۔ وہ سلگتی ہوئی آگ کی گرمی کا لطف لے رہا تھا۔ اس وقت برتن دھونے کی کوٹھری میں وہ اکیلا ہی تھا۔

بے اختیار وہ فروسیا کے بارے میں سوچنے لگا اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا جو اس نے ابھی چند ہی دن پیشتر دیکھا تھا۔

سنیچر کے دن رات کی چھٹی کے وقت پاویل زینے سے اتر کر باورچی‌خانے کی طرف جا رہا تھا کہ یک‌بیک تجسس کے جذبے کے تحت وہ لکڑیوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نیچے گودام میں کیا ہو رہا ہے۔ عام طور پر جواری وہیں جمع ہوتے تھے۔

کھیل اپنے عروج پر تھا۔ زالیوانوف بینک چلا رہا تھا اور جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

اتنے ہی میں سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پاویل نے مڑ کر دیکھا کہ پروخوشکا

نہیں رکھ سکتی جب تک کہ وہ اپنا جسم چند روبلوں کی خاطر ان لوگوں کے ھاتھ بیچنے پر راضی نہ ھو جن کا یہاں طوطی بولتا تھا۔

پاویل نے یہاں زندگی کی ذلیل‌ترین پستیوں کی، زندگی کے قعر مذلت کی سب سے نچلی تہوں کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ اسے یہاں سے ایک ناقابل برداشت سڑاند آتی ہوئی محسوس ھوتی تھی، بالکل ویسی ھی جیسی کہ سڑتی ہوئی دلدل میں سے آتی ھے اور وہ ھر نئی اور انجانی چیز کی طرف بڑے اشتیاق سے لپکتا تھا۔

آرتیم اپنے بھائی کو ریلوے یارڈ میں امیدوار رکھانے میں ناکام رھا۔ وہ لوگ پندرہ برس سے کم کے کسی لڑکے کو لینے پر تیار نہیں تھے۔ لیکن پاویل کے دل میں اس بڑی سی پکی عمارت کےلئے جو دھوئیں سے کالی ھو چکی تھی بڑی کشش تھی اور وہ اس دن کے انتظار میں تھا جب اسے ریستوران سے نجات ملےگی۔

وہ اکثر آرتیم سے ملنے یارڈ میں جایا کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کے ساتھ وہ بھی ریل کے ڈبوں کے معائنے کو نکل جاتا تھا اور جتنا بھی ممکن ھوتا اس کی مدد کرتا تھا۔

خصوصاً فروسیا کے چلے جانے کے بعد وہ بہت تنہائی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس خوش مزاج اور ھنس مکھ لڑکی کے چلے جانے کے بعد پاویل کو اس بات کا احساس اور بھی شدت کے ساتھ ھوا کہ اس کے ساتھ اس کی دوستی کتنی گھری ھو

''لیکن اس نے تو تمہیں تین سو روبل دئیے تھے،، فروسیا کی آواز گھٹی ہوئی سسکیوں میں تبدیل ہو گئی۔

''ہوں، تین سو !،، پروخوشکا نے تضحیک کے انداز میں کہا۔ ''سب لینا چاہتی ہے۔ کیوں؟ دھوتی ہے جوٹھے برتن اور اڑتی ہے آسمان پر۔ کیوں میم صاحب؟ جو پچاس میں نے تجھے دیدئیے وہی بہت ہیں۔ تجھ سے کہیں اچھی پڑھی لکھی چھوکریوں تک کو اتنے نہیں ملتے۔ جو کچھ مل گیا ہے اسکا شکر کر۔ ایک رات کےلئے پچاس روبل بہت ہوتے ہیں۔ خیر میں تجھے دس اور دے دوں گا، اچھا بیس سہی، بس اس سے زیادہ نہیں اور اگر عقل سے کام لےگی تو اور بھی آمدنی ہو سکتی ہے۔ تو کہے تو میں تیری مدد کر سکتا ہوں،، اتنا کہہ کر پروخوشکا تیزی سے گھوما اور باورچی‌خانے میں غائب ہو گیا۔

''بدمعاش! سور!،، فروسیا نے اس کے پیچھے چیخ کر کہا اور لکڑی کے ڈھیر کا سہارا لیکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فروسیا کو لکڑی کے کندوں پر کرب کی حالت میں رہ رہ کر سر پٹکتے دیکھ کر، زینے کے نیچے، اندھیرے میں کھڑے ہوئے پاویل کے دل کا جو حال ہوا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ لیکن اس نے باھر نکل کر اپنی شکل نہیں دکھائی۔ بس وہ ایک تشنجی سی کیفیت میں زینے

نیچے آ رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ جھٹ سے زینے کے نیچے سرک گیا اور اسے باورچی‌خانے کی طرف چلا جانے دیا۔ زینے کے نیچے اندھیرا تھا، اس لئے پروخوشکا اسے دیکھ نہیں پایا۔

جب پروخوشکا زینے کے موڑ پر گھوما تو پاویل کو اسکی چوڑی پیٹھ اور بڑے سر کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اتنے میں سیڑھیوں پر کسی اور کے ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی جو بڑی پھرتی کے ساتھ اس ویٹر کے پیچھے لپکا آ رہا تھا۔ اور پاویل نے ایک جانی پہچانی آواز کو پکارتے سنا:

"پروخوشکا، بات سنو!"

پروخوشکا رک گیا اور اوپر زینے کی طرف مڑکر دیکھنے لگا۔

"کیا چاہتی ہے؟" اس نے غراکر کہا۔

تیز قدموں کی آہٹ اسی طرح سنائی دیتی رہی اور پھر فروسیا نظر آئی۔

اس نے ویٹر کا بازو پکڑکر رندھی ہوئی شکستہ آواز میں کہا: "پروخوشکا، لفٹیننٹ نے تمہیں جو رقم دی ہے وہ کہاں ہے؟"

پروخوشکا نے جھٹک کر اپنا بازو اس لڑکی کی گرفت سے چھڑا لیا۔

"کون‌سی رقم؟ میں نے تمہیں دے دی تھی یا نہیں؟"

اس کے لہجے میں سختی اور خباثت بھری ہوئی تھی۔

ڈیک روم میں پڑے سو رہے تھے۔ رات کے تین گھنٹوں کے لئے باورچی خانے پر سکون طاری ہو گیا۔ یہ عرصہ کلیمکا ہمیشہ اوپر پاویل کے ساتھ گذارتا تھا۔ بات یہ تھی کہ باورچی خانے میں کام کرنے والے اس نوعمر لڑکے اور پانی کھولانے والے اس کالی آنکھوں والے لڑکے میں بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ اوپر پہنچ کر کلیمکا نے دیکھا کہ پاویل بھٹی کے سامنے بیٹھا ہے۔ پاویل نے اس جانے پہچانے جھبرے بالوں والے لڑکے کا سایہ دیوار پر پڑتے دیکھا اور بغیر مڑے ہی وہ بولا:

”کلیمکا، بیٹھ جاؤ۔“

وہ لڑکا لکڑیوں کے ڈھیر پر چڑھ کر لیٹ گیا اور پاویل کو تکنے لگا جو بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

”آگ میں کیا اپنی تقدیر دیکھ رہے ہو؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

پاویل نے آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں پر سے اپنی نظر مشکل سے ہٹائی اور اس کی دو بڑی بڑی چمکدار آنکھیں، جن میں گھٹے ہوئے غم کا ایک طوفان پوشیدہ تھا، کلیمکا پر جم گئیں۔ کلیمکا نے اپنے دوست کو اس سے پہلے کبھی اتنا اداس نہیں دیکھا تھا۔

”پاویل، آج تمہیں ہوا کیا ہے؟“ تھوڑی دیر رک کر اس نے پھر پوچھا۔ ”کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟“

پاویل اٹھا اور آکر کلیمکا کے پاس بیٹھ گیا۔

کے لوہے کے جنگلے میں بار بار اپنی انگلیاں گاڑ دیتا تھا۔

''تو ان لوگوں نے اسے بھی بیچ دیا۔ کمبخت کہیں کے! آہ فروسیا، فروسیا...،،

اس کے دل میں پروخوشکا کےلئے پہلے سے بھی زیادہ نفرت پیدا ہو گئی اور اسے اپنے آس پاس کی ہر چیز گھناؤنی اور قابل نفرت معلوم ہونے لگی۔ ''اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں اس بدمعاش کی جان لے لیتا۔ کاش میں آرتیم کی طرح بڑا اور طاقت‌ور ہوتا!،،

پانی کھولانے کے برتن کے نیچے آگ کے شعلے بھڑک کر دھیمے پڑ گئے۔ ان کی لرزتی ہوئی سرخ زبانوں نے ایک دوسرے سے لپٹ کر ایک لمبی سی نیلگوں چکردار سیڑھی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ پاویل کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی طنزو استہزأ سے پر شیطان کا بچہ اپنی زبان نکال نکال کر اس کا منھ چڑھا رہا ہو اور اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

کوٹھری میں مکمل خاموشی تھی، صرف چنگاریوں کے چٹخنے کی آواز آ رہی تھی اور ایک معینہ وقفہ کے ساتھ نل سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

کلیمکا نے آخری برتن جسے اس نے مانجھ کر خوب چمکا دیا تھا الماری پر رکھ دیا اور اپنے ہاتھ پونچھ ڈالے۔ باورچی‌خانے میں کوئی اور نہیں تھا۔ اس وقت جس باورچی کی ڈیوٹی تھی وہ اور باورچی خانے کے کام کرنےوالے تمام دوسرے لوگ

ڈر کے مارے اس کی بات بیچ ھی میں کاٹ دی۔
''اگر کوئی آ گیا اور اس نے تمھاری بات سن
لی تو خیریت نہیں۔''

پاویل اچھل کر کھڑا ھوگیا۔

''سن لینے دو۔ میں تو خود ھی یہاں سے
جا رہا ھوں۔ اس بدمعاشوں کے اڈے میں پڑے رہنے
سے کہیں بہتر میں یہ سمجھتا ھوں کہ ریل کی
پٹریوں پر سے برف صاف کرنے کا کام کرنے لگوں۔
دیکھو تو کتنا پیسہ ھے ان بدمعاشوں کے پاس!
یہ ھمیں جانوروں سے زیادہ بدتر سمجھتے ھیں اور
لڑکیوں کے ساتھ جیسا چاھتے ھیں سلوک کرتے
ھیں۔ نیک چلن لڑکیاں جو ان کے اشاروں پر
ناچنے سے انکار کرتی ھیں ٹھوکر مارکر نکال دی
جاتی ھیں اور ان کی جگہ فاقہ‌زدہ پناہ گزین عورتیں
کام پر رکھ لی جاتی ھیں جن کے پاس رہنے کا
کوئی ٹھکانا نہیں ھوتا۔ اور یہ عورتیں یہاں اس
لئے چپکی رہتی ھیں کہ انہیں کم سے کم کھانے
کو تو مل جاتا ھے۔ ان کی حالت اتنی عبرتناک
ھوتی ھے کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے وہ کچھ
بھی کرنے کو تیار ھو جاتی ھیں۔''

پاویل اتنے جوش میں بول رہا تھا کہ کلیمکا
نے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی سن نہ لے، لپک کر
باورچی‌خانے کا دروازہ بند کر دیا۔ پاویل بدستور اپنے
دل کا غبار نکالتا رہا، اس تلخی کو اگلتا رہا جو
اس کی روح میں سرایت کر گئی تھی۔

''اور کلیمکا، تم چپ چاپ ان کی مار برداشت

''ہوا تو کچھ بھی نہیں،، اس نے دبی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''کلیمکا، بس اب میرے لئے یہاں رهنا ناسمکن هو گیا ہے،، اور گھٹنوں پر رکھے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں آج؟،، کلیمکا نے کہنیوں کے بل اٹھکر پھر اپنا سوال دهرایا۔

''آج؟ جب سے مجھے یہ کام ملا ہے تبھی سے میرا یہ حال ہے۔ ذرا اس جگہ کی حالت پر غور کرو۔ ہم لوگ بیلوں کی طرح کام کرتے ہیں اور اس کے انعام میں ہمیں کیا ملتا ہے — گھونسے اور لاتیں! جس کا جی چاہے ہمیں مار دے لیکن کوئی ہماری طرفداری کرنے نہیں آتا۔ مالک نے ہمیں نوکر رکھا ہے اپنا کام کرانے کےلئے لیکن جس کسی میں بھی طاقت ہے اسے ہم کو مارنے کا اختیار ہے۔ تمہیں بتاؤ، ہم بھاگتے بھاگتے اگر جان بھی دے دیں تب بھی سب کو تو خوش نہیں کر سکتے اور جسے بھی ہم خوش نہیں کر پاتے وهی ہماری خبر لینے کےلئے تیار رهتا ہے۔ اسکے علاوہ ہم چاہے جتنی کوشش کریں کہ ہر کام ٹھیک ہو تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے پھر بھی کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور نکل آتا ہے جس کا کام اس کی مرضی کے مطابق اور ٹھیک وقت پر پورا نہیں ہوتا اور بس اس صورت میں بھی ہماری شامت آ جاتی ہے...،،

''اتنی زور زور سے باتیں نہ کرو،، کلیمکا نے

3*

"تو کیا لوگ ایسا بھی کرتے ہیں؟"

"معلوم نہیں" پاویل نے جواب دیا۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور گلاشا برتن دھونے کی کوٹھری میں داخل ہوئی۔ نیند کے مارے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"تم دونوں سو کیوں نہیں جاتے؟ ابھی سونے کے لئے گھنٹے بھر کا وقت اور ہے، پھر گاڑی آ جائے گی۔ پاویل، تم تھوڑا سا آرام کر لو۔ میں تمہاری بجائے انگیٹھی کو دیکھ لوں گی۔"

پاویل کو جتنی جلدی کام چھوڑنے کا خیال تھا اس سے پہلے ہی اس نے نوکری چھوڑ دی اور جس طرح اسے نوکری چھوڑنی پڑی اس کا اسے گمان بھی نہ تھا۔

جنوری کے دن تھے۔ کڑاکے کے جاڑے پڑ رہے تھے۔ ایک دن جب پاویل اپنی پالی ختم کرکے گھر جانے کےلئے تیار ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو لڑکا اس کی جگہ لینے کےلئے آنےوالا تھا وہ نہیں آیا ہے۔ پاویل ریستوران کے مالک کی بیوی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کچھ بھی ہو وہ تو گھر جا رہا ہے۔ لیکن اس نے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی۔ پاویل کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ وہ کام کرتا رہے حالانکہ پورے دن اور پوری رات کام کرتے کرتے وہ تھک کر بالکل چور ہو چکا تھا۔ شام ہوتے ہوتے تھکن کے مارے اس کے اعضا جواب دینے

کرتے رہتے ہو۔ آخر تم کبھی اپنی زبان کیوں نہیں کھولتے؟،،

پاویل میز کے پاس پڑی ہوئی ایک تپائی پر بیٹھ گیا اور تھکے ہوئے انداز میں اس نے دونوں ہتھیلیوں پر اپنا سر ٹکا لیا۔ کلیمکا بھی آگ میں تھوڑی سی لکڑیاں اور ڈال کر میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''کیا آج پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے؟،، اس نے پاویل سے پوچھا۔

''پڑھنے کےلئے کچھ ہے ہی نہیں،، پاویل نے جواب دیا۔ ''کتابوں کی دکان بند ہے۔،،

''آج کیوں بند ہے؟،، کلیمکا نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''پولیس کتاب‌والے کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ اس کے یہاں کوئی چیز برآمد ہوئی تھی،، پاویل نے جواب دیا۔

''پکڑ کر لے گئی؟ کس لئے؟،،

''کہتے ہیں سیاست کا الزام ہے۔،،

کلیمکا پاویل کو گھورتا رہا۔ وہ اس کی بات قطعی نہیں سمجھ پایا۔

''سیاست! سیاست کیا ہوتی ہے؟،،

پاویل نے اپنے کندھے جھٹک دئے۔

''خدا جانے کیا ہوتی ہے۔ سنا ہے کہ اگر کوئی زار کے خلاف ہو جائے تو اسے سیاست کہتے ہیں۔،،

کلیمکا بالکل بھونچکا سا رہ گیا۔

آیا۔ جابجا بھرے ہوئے پانی کو پھلانگتا ھوا وہ دروازے کی طرف لپکا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ سے جو پانی رکا ھوا تھا وہ بھی ہال میں بہہ آیا۔

اور زیادہ شور و غل مچنے لگا۔ جتنے ویٹر ڈیوٹی پر تھے سب کے سب برتن دھونے کی کوٹھری کی طرف بھاگے۔ پروخوشکا سوئے ہوئے پاویل پر ٹوٹ پڑا۔

اس لڑکے کے سر پر گھونسوں کی بارش ہونے لگی۔ وہ بالکل مبہوت رہ گیا۔

ابھی تک اس کی نیند پوری طرح ٹوٹی نہیں تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ رہا تھا کہ ماجرا کیا ھے۔ اسے صرف اتنا احساس تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے چکا چوند کر دینےوالی بجلی کے کوندے لپک رہے ھیں اور اس کے تمام جسم میں شدید ٹیسیں اٹھ رھی تھیں۔

پاویل کو اتنی بری طرح مارا گیا تھا کہ وہ نہ معلوم کیسے گھسٹتا گھسٹاتا بڑی مشکل سے گھر پہنچا۔

صبح آرتیم نے غصہ سے آگ بگولا ھوکر اور تیوریاں چڑھاکر اپنے بھائی سے رات کے واقعہ کے بارے میں دریافت کیا۔

پاویل نے سب کچھ بتلا دیا۔

”تمہیں مارا کس نے؟“ آرتیم نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

”پروخوشکا نے۔“

لگے - رات کے وقفے کے دوران میں اسے پانی کے برتن بھرنے تھے اور انہیں کھولانا تھا تاکہ تین بجےوالی گاڑی آنے سے پہلے پانی تیار ہو جائے -

پاویل نے نل کھولا - لیکن اس میں سے پانی ھی نہیں آ رہا تھا - یقیناً پمپ میں کوئی خرابی تھی - نل کو کھلا چھوڑکر وہ لکڑی کے ڈھیر پر لیٹ گیا - تھکن اس پر غالب آ گئی اور تھوڑی ھی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا -

چند منٹ بعد نل میں غر — غر شوں — شوں کی آواز ھوئی اور برتن میں پانی بھرنے لگا - رفتہ رفتہ برتن منھ تک بھر گیا اور پانی بہہ کر برتن دھونے کی کوٹھری کے پکے فرش پر پھیلنے لگا - حسب معمول اس وقت وھاں کوئی بھی نہ تھا - تھوڑی دیر میں سارے فرش پر پانی ھی پانی ھو گیا اور پھر دروازے کے نیچے سے نکل کر پانی ریستوران میں جانے لگا -

پانی اونگھتے ھوئے مسافروں کے تھیلوں اور گٹھریوں کے نیچے جمع ھونے لگا - لیکن کسی کی بھی توجہ اس بات کی طرف اس وقت تک نہ گئی جب تک کہ وہ فرش پر سوئے ھوئے ایک مسافر کے قریب نہ پہنچ گیا - وہ مسافر اچھل کر کھڑا ھو گیا اور چیخ پڑا - سب لوگ اپنے اپنے سامان کی طرف لپکے اور ایک زبردست ھنگامہ مچ گیا -

پانی مسلسل بہہ کر آتا رہا -

پروخوشکا دوسرے ھال میں میزیں صاف کر رہا تھا - شوروغل کی آواز سن کر وہ بھاگا ھوا

ے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اتنے میں ایک دوسرا
گھونسہ پڑا جو پہلے سے بھی زیادہ زوردار تھا۔
ور وہ وھیں ڈھیر ھو گیا۔

برتن دھونےوالی عورتیں دھشتزدہ ھوکر ادھر
دھر کھسک گئیں۔

آرتیم پھرتی کے ساتھ مڑا اور باھر جانے کے
دروازے کی طرف چل دیا۔

پروخوشکا فرش پر پڑا تھا۔ اس کے زخمی
چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔

اس دن شام کو آرتیم ریلوے یارڈ سے گھر
واپس نہیں آیا۔

پتہ لگانے پر اس کی ماں کو معلوم ھوا کہ
پولیس نے اسے گرفتار کر لیا ھے۔

چھہ دن بعد آرتیم بہت رات گئے گھر لوٹا۔
س وقت اس کی ماں سوچکی تھی۔ وہ پاویل کے پاس
گیا۔ پاویل اپنے بستر پر بیٹھا ھوا تھا۔ آرتیم نے
بڑی نرمی سے پوچھا:

”بھیا، اب جی تو اچھا ھے نا؟“ اور وہ
پاویل کے پاس بیٹھ گیا۔ ”خیریت ھوئی کہ اس
سے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔“ ایک لمحہ کی خاموشی
کے بعد اس نے پھر کہا ”خیر، کوئی پرواہ نہیں،
تمہیں بجلی گھر میں کام مل جائےگا۔ میں نے وھاں
تمہارے لئے بات چیت کی ھے۔ وھاں تم واقعی
یک مفید ھنر سیکھ جاؤگے۔“

پاویل نے آرتیم کا طاقتور ھاتھ اپنے دونوں
ھاتھوں میں بھینچ لیا۔

"اچھی بات ہے، اب تم چپ چاپ آرام کرو۔"
اس کے آگے ایک لفظ بھی کہے بغیر آرتیم نے اپنا کوٹ پہنا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

"یہاں پروخوشکا نام کا ایک ویٹر ہے نا؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ کہاں ملےگا؟" اس نے برتن دھونےوالی ایک لڑکی سے پوچھا۔ گلاشا نے اس اجنبی کو دیکھا جو مزدوروں کے لباس میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"ابھی آتا ہوگا" اس نے جواب دیا۔

آرتیم اپنے بھاری جسم کو دروازے کے پاکھے کے سہارے ٹکاکر کھڑا ہو گیا۔

"اچھی بات ہے، میں یہیں انتظار کرتا ہوں۔"

پروخوشکا ایک کشتی میں جوٹھے برتنوں کا پہاڑ لادے ہوئے چلا آ رہا تھا۔ اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا اور برتن دھونے کی کوٹھری میں داخل ہوا۔

"یہی ہے" لڑکی نے ویٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

آرتیم ایک قدم آگے بڑھا اور پروخوشکا کے کندھے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے گھورنے لگا۔

"تم نے میرے بھائی پاویل کو کیوں مارا؟"

پروخوشکا نے اپنا کندھا چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن قبل اس کے کہ وہ کامیاب ہوتا آرتیم کے ایک ہی گھونسے میں وہ فرش پر لوٹنے لگا۔ اس

ی واحد نشانی باقی رہ گیا۔ ٹاؤن ہال پر مینشویکوں
ور بند کے ماننےوالوں نے اپنا قبضہ جما رکھا
تیا۔ باقی ہر چیز پہلے ہی کی طرح قائم رہی۔
جاڑوں کے ختم کے قریب گھوڑسوار گارد کی
یک رجمنٹ شہر میں تعینات کر دی گئی۔ صبح
کے وقت یہ سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر
جنوب مغربی جنگی مورچے سے بھاگ کر آنےوالے
سپاہیوں کی تلاش میں اسٹیشن پہنچ جاتے تھے۔
یہ گاردوالے بہت لحیم شحیم اور تنومند تھے۔
ن کے چہروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں
چنی غذا ملتی رہی ہے۔ ان کے بیشتر افسران
شہزادے اور بڑے بڑے کاؤنٹ تھے، ان کے
شانوں پر اب بھی سنہری پٹیاں اور برجسوں پر
نہری گوٹیں چمکتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے کبھی انقلاب آیا ہی نہ ہو۔
۱۹۱۷ء کا سال گذر گیا۔ پاویل، کلیمکا اور
سرگئی بروژاک کے لئے تو کوئی بھی تبدیلی نہ
ہوئی تھی۔ وہی مالک اب بھی بدستور قائم تھے۔
صرف نومبر میں جاکر کچھ غیرمعمولی واقعات کی
ابتدا ہوئی۔ اسٹیشن پر نئی قسم کے لوگ نظر آنے
لگے اور انہوں نے وہاں کے حالات میں کچھ جوش
ور حرکت پیدا کرنی شروع کی۔ ان میں سے زیادہ
تعداد ایسے سپاہیوں کی تھی جو سیدھے جنگ کے
مورچے سے آ رہے تھے اور ان کی تعداد مسلسل
بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ان کا نام بھی کچھ عجیب
سا تھا "بالشویک"۔

دوسرا باب

یہ اہم اور زبردست خبر آندھی کی طرح اس چھوٹے سے شہر میں پھیل گئی: ''زار کا تختہ الٹ دیا گیا!،،

شہر کے باشندوں کو اس خبر پر کسی طرح یقین ہی نہ آتا تھا۔

برفانی طوفان میں ایک ٹرین رینگتی ہوئی اسٹیشن میں داخل ہوئی اور اس پر سے دو طالب علم یونیفارم پہنے کندھوں پر رائفلیں لٹکائے ہوئے اترے۔ ان کے پیچھے انقلابی سپاہیوں کا، جن کے بازوؤں پر سرخ بلے لگے ہوئے تھے، ایک دستہ بےترتیبی سے پلیٹ فارم پر اتر پڑا اور ان لوگوں نے اسٹیشن پر تعینات پولیس والوں، ایک بوڑھے کرنل اور محافظ شہر فوج کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا۔ تب جاکر شہر والوں کو اس خبر پر یقین آیا۔ ہزاروں لوگ برف سے ڈھکی ہوئی سڑکوں کو پار کرتے ہوئے شہر کے چوک کی طرف چل پڑے۔

وہاں انہوں نے بڑے اشتیاق سے پہلی بار آزادی، مساوات اور اخوت کے الفاظ سنے، اتنے اشتیاق سے جیسے اپنی تشنگی بجھا رہے ہوں۔

اس واقعہ کے بعد کے دن بہت طوفانی تھے اور وہ جوش و خروش اور جشن و شادمانی کے دن بھی تھے۔ پھر اس کے بعد ایک سکوت طاری ہو گیا اور ٹاؤن ہال پر لہراتا ہوا سرخ پرچم اس تغیر

آنے لگی تھیں - اور وقت کاٹنے کے کسی زیادہ دلچسپ طریقے کی تلاش میں وہ اپنے دماغوں پر زور دے رہے تھے - اتنے میں انہیں پیچھے سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور انہوں نے دیکھا کہ ایک گھوڑسوار سرپٹ گھوڑا دوڑائے سڑک پر چلا آ رہا ہے - ایک ہی چھلانگ میں گھوڑا باغ کے نیچے سے احاطے اور سڑک کے بیچ کی کھائی کو پارکر گیا اور گھوڑسوار نے اپنا چابک پاویل اور کلیمکا کی طرف پھٹکارتے ہوئے کہا:

"اے لڑکو، ادھر آؤ!"

پاویل اور کلیمکا اچھل کر کھڑے ہو گئے اور باغ کی چہار دیواری کی طرف دوڑے - گھوڑ سوار گرد سے اٹا ہوا تھا - اس کی ٹوپی پر جسے اس نے سر کے پیچھے کی طرف سرکا رکھا تھا اور اس کی خاکی قمیص اور برجس پر گرد کی ایک موٹی سی تہہ جمی ہوئی تھی - اس کی بھاری سی فوجی پیٹی میں ایک ریوالور اور دو جرمن دستی بم لٹک رہے تھے -

"بچو! مجھے تھوڑا سا پانی پلا سکتے ہو؟"

گھوڑسوار نے ان سے پوچھا - پاویل پانی لینے کے لئے گھر کی طرف بھاگا - اس عرصہ میں گھوڑسوار سرگئی کی طرف مخاطب ہوا جو مسلسل اسے تکے جا رہا تھا: "اچھا بچے، یہ تو بتاؤ کہ تمہارے شہر میں کس کی حکومت ہے؟"

سرگئی نے ایک سانس میں تمام مقامی خبریں اس نووارد کو سنا ڈالیں:

"دو ہفتے سے تو کوئی بھی حکومت نہیں

اس بات کا کسی کو بھی علم نہ تھا کہ اس پرزور اور پراثر لفظ کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔

سورچے پر سے بھاگ کر آئے ہوئے سپاہیوں کو گرفتار کرکے رکھنا گاردوالوں کے لئے دن بدن زیادہ مشکل ہوتا گیا۔ اسٹیشن پر گولیاں چلنے اور کانچ ٹوٹنے کی آوازیں دن بدن زیادہ سنائی دینے لگیں۔ لوگ جنگ کے مورچوں پر سے ٹولیاں بنا کر آ رہے تھے اور جب انہیں روکا جاتا تھا تو وہ سنگینوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ دسمبر شروع ہوتے ہوتے وہ ریل گاڑیوں میں بھر بھر کر آنے لگے۔

ان سپاہیوں کو روکنے کی غرض سے گاردوالے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسٹیشن پر آئے۔ لیکن انہیں مشین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی کر دیا گیا۔ ریل کے ڈبوں سے جو سپاہی اترتے تھے انہیں موت کی ذرا بھی پروا نہ تھی۔

مورچوں پر سے لوٹنے والے سرمئی اوورکوٹ پہنے ہوئے سپاہی گاردوالوں کو کھدیڑ کر شہر کی طرف بھگا دیتے اور پھر اپنے سفر پر آگے بڑھ جاتے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنی ریل گاڑیاں گذر گئیں۔

۱۹۱۸ء کے موسم بہار کے ایک دن تین دوست سرگئی بروژاک کے گھر سے تاش کھیل کر نکلے اور کورچاگن کے باغ میں جا کر گھاس پر لیٹ گئے۔ وہ اکتا سے گئے تھے۔ وقت کاٹنے کی جتنی ترکیبیں انہیں معلوم تھیں سب بے کیف نظر

نہ ہوئی تھی کہ بڑی سڑک کی طرف سے پھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی جسے سن کر وہ تینوں پھر احاطے کی طرف بھاگے۔

دور ناظم جنگلات کے بنگلے کے پاس جو پیڑوں کے جھرسٹ میں ٹھیک سے دکھائی بھی نہ دیتا تھا انھوں نے بہت سے آدمیوں اور کئی گاڑیوں کو جنگل سے نکلتے دیکھا۔ اس قافلے سے کچھ آگے انہیں اپنے سے نسبتاً زیادہ قریب سڑک پر پندرہ بیس گھوڑسواروں کی ایک ٹکڑی نظر آئی جو اپنے گھوڑوں کی زین کے اگلے حصے پر اپنی رائفلیں رکھے ہوئے تھے۔ ان سواروں کے آگے آگے ادھیڑ عمر کا ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھا ہوا چلا آ رہا تھا۔ وہ خاکی کوٹ پہنے تھا اور افسروں جیسی پیٹی لگائے ہوئے تھا۔ اس کے سینے پر ایک دوربین ٹنگ رہی تھی۔ اس کے برابر وہی آدمی تھا جس سے ابھی ابھی ان لڑکوں نے بات کی تھی۔ ادھیڑ عمروالے اس آدمی کے سینے پر ایک سرخ پٹی لگی ہوئی تھی۔

"کیا کہا تھا میں نے؟" سرگئی نے پاویل کی پسلی میں کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "وہ سرخ پٹی دیکھی؟ چھاپہ‌مار ہیں۔ اگر نہ ہوں تو میں اپنا نام بدل دوں..." اور خوشی سے ناچتے ہوئے باڑ کو پھاندکر وہ سڑک پر جا کھڑا ہوا۔

باقی دونوں نے بھی ایسا ہی کیا اور تینوں سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر قریب آتے ہوئے سواروں کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔

ہے۔ اس وقت ہوم گارڈ کی حکومت ہے۔ تمام لوگ باری باری رات کو شہر میں پہرہ دیتے ہیں۔ لیکن آپ کون ہیں؟،، سرگئی نے پلٹ کر اس سے سوال کیا۔

''بس بس، بہت سیانے بچے وقت سے پہلے بوڑھے ہو جاتے ہیں،، گھوڑسوار مسکرایا۔

پاویل ایک برتن میں پانی لئے ہوئے گھر کی طرف سے بھاگتا ہوا آیا۔

سوار نے ایک ہی گھونٹ میں برتن خالی کرکے پاویل کو واپس کر دیا۔ اور پھر گھوڑے کی اگام کو جھٹکا دے کر وہ سرپٹ صنوبر کے جنگلوں کی طرف نکل گیا۔

''کون تھا؟،، پاویل نے کلیمکا سے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم؟،، کلیمکا نے کندھا جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

''معلوم ہوتا ہے شہر کی حکومت پھر بدلنے والی ہے۔ اسی لئے لیش چینسکی اپنے پورے کنبے کو لے کر کل ہی چلا گیا۔ اور اگر امیر لوگ بھاگ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھاپہ مار آنے والے ہیں،، سرگئی نے اس سیاسی مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں اعلان کیا۔

اس کے اس اعلان کی دلیل اس قدر قائل کر دینے والی تھی کہ پاویل اور کلیمکا دونوں نے فوراً اس کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔

ابھی اس سوال پر لڑکوں کی بحث ختم بھی

ٹکڑی شہر کے بیچ میں پہنچ کر رک نہیں گئی اور سپاھیوں کو لوگوں کے گھروں میں ٹھہرانے کی تیاریاں نہیں شروع ھو گئیں۔

اس دن شام کو چار آدمی لیش‌چینسکی کے لمبے چوڑے دیوان‌خانے میں نقشین پایوں‌والی بھاری میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو اس دستے کا کمانڈر کامریڈ بلگاکوف تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور اس کے بال کہیں کہیں سفید ھو چلے تھے۔ باقی تین آدمی اس دستے کی کمان کے افسر تھے۔

بلگاکوف نے میز پر اس صوبے کا ایک نقشہ کھول رکھا تھا اور اس وقت وہ اس پر اپنی انگلیاں دوڑا رہا تھا۔

''کامریڈ یرماچینکو، تمہارا کہنا ھے کہ ھمیں یہاں پر مورچہ جمانا چاھئے،، بلگاکوف نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو مخاطب کرکے کہا جس کے گالوں کی ھڈیاں بہت ابھری ہوئی اور دانت بہت مضبوط تھے۔ ''لیکن میرا خیال ھے کہ ھمیں یہاں سے صبح ھی چل دینا چاھئے۔ زیادہ اچھا تو یہی ہوتا کہ ھم لوگ رات ھی کو چل پڑتے۔ لیکن سپاھیوں کو آرام کرنے کی سخت ضرورت ھے۔ ھمارا کام یہ ھے کہ جرمنوں کے آنے سے پہلے ھٹ کر ھم کازاتن پہنچ جائیں۔ اس وقت ھمارے پاس جتنی طاقت ھے اسے لے کر مقابلہ کرنا بہت ھی مضحکہ‌خیز بات ہوگی۔ ایک توپ

جب سوار بالکل قریب آ گئے تب اس شخص نے جس سے وہ لڑکے پہلے مل چکے تھے، ان کو مخاطب کیا اور لیش چینسکی کے مکان کی طرف اپنے چابک سے اشارہ کرکے پوچھا:

''اس مکان میں کون رہتا ہے؟،،

پاویل اس کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتا ہوا چلنے لگا۔ اس کی مستقل کوشش یہی تھی کہ وہ پیچھے نہ رہ جائے۔

''اس میں لیش چینسکی وکیل رہتا تھا۔ وہ کل بھاگ گیا۔ شائد آپ ہی لوگوں کے ڈر سے بھاگا ہوگا...،،

''تمہیں کیسے معلوم کہ ہم لوگ کون ہیں؟،، اس ادھیڑ عمر کے آدمی نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ جو لگی ہے،، پاویل نے پٹی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''کوئی بھی بتلا سکتا ہے۔،،

شہر میں داخل ہونے والے اس فوجی دستے کو دیکھنے کےلئے بڑے اشتیاق سے لوگ گھروں سے نکل نکل کر سڑک پر جمع ہونے لگے۔ ہمارے تینوں نوعمر دوست بھی سڑک پر کھڑے ہوکر دھول سے اٹے اور تھکے ہوئے سرخ سپاہیوں کو ادھر سے گذرتے دیکھ رہے تھے۔ اور جب اس فوجی دستے کی واحد توپ اور مشین گنوں کی گاڑیاں سڑک کے پتھروں پر سے کھڑکھڑ کرتی ہوئی گذریں تو یہ لڑکے بھی چھاپہ ماروں کے ساتھ ہو لئے اور اس وقت تک گھر نہیں لوٹے جب تک کہ وہ

''بلگاکوف ٹھیک کہتے ہیں۔''
لیکن یرماچینکو، وہی شخص جس نے دن میں لڑکوں سے بات کی تھی اپنا سر ہلاتا رہا۔
''پھر آخر ہم نے یہ دستہ کس مقصد کے لئے منظم کیا تھا؟ بغیر مورچہ لئے جرمنوں کے حملوں کے سامنے پیچھے ہٹتے جانے کے لئے؟ جہاں تک میری رائے کا سوال ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہیں مورچہ جماکر دشمن سے ٹکر لینی چاہئے۔ میں پیچھے ہٹتے ہٹتے تھک گیا ہوں۔ بالکل اکتا گیا ہوں۔ اگر میرا بس چلتا تو میں بلاشبہ یہیں ان سے ٹکر لیتا...'' جھٹکے کے ساتھ اپنی کرسی پیچھے سرکاکر وہ اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔
بلگاکوف نے اسے ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔
''یرماچینکو، ہمیں عقل سے کام لینا چاہئے۔ ہم اپنے سپاہیوں کو ایسی لڑائی میں نہیں جھونک سکتے جس میں ہماری شکست اور تباہی یقینی ہو۔ یہ بہت ہی مضحکہ‌خیز بات ہوگی۔ ہمارے پیچھے ایک پوری ڈویژن آ رہی ہے جس کے پاس بڑی بڑی توپیں ہیں اور بکتربند موٹریں ہیں... یہ وقت اسکول کے لڑکوں کی طرح اونچی اونچی، پرشوکت باتیں کرنے کا نہیں ہے، کامریڈ یرماچینکو!..'' پھر دوسروں سے مخاطب ہوکر وہ کہتا رہا: ''تو یہ فیصلہ ہو گیا کہ ہم کل صبح اس جگہ کو چھوڑ دیں گے... اب دوسرا مسئلہ ہے یہاں کے لوگوں

ہے جس کے لئے تیس گولے ہیں۔ دو سو پیدل سپاہی اور ساٹھ سوار ہیں۔ کیا کہنے کتنی زبردست طاقت ہے۔ کیوں ہے نا! اور خصوصاً اس صورت میں جب کہ جرمن فوجیں پگھلے ہوئے فولاد کے سیلاب کی طرح آگے بڑھی آ رہی ہیں۔ نہیں، ہم اس وقت تک ٹکر نہیں لے سکتے جب تک کہ ہم پیچھے ہٹنےوالے دوسرے سرخ دستوں سے نہ جا ملیں۔ اس کے علاوہ کامریڈ، ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جرمنوں کے علاوہ ہمیں راستے میں طرح طرح کے متعدد انقلاب دشمن گروہوں سے بھی نمٹنا ہوگا۔ میری تجویز یہ ہے کہ اسٹیشن سے آگےوالا پل اڑا کر ہم لوگ صبح ہی یہاں سے چل پڑیں۔ پل کی مرمت کرنے میں جرمنوں کو دو تین دن لگ جائیںگے اور اتنے عرصے کےلئے ریل کے ذریعے ان کا آگے بڑھنا رکا رہےگا۔ کیوں ساتھیو، آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ فیصلہ تو ہمیں کو کرنا ہے...،، اس نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کی طرف مڑ کر کہا۔

استرژکوف نے جو بلگاکوف کے سامنے میز کے دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا، اپنے ہونٹ چوستے ہوئے پہلے نقشے پر نظر ڈالی اور پھر بلگاکوف پر۔

’’میں بلگاکوف سے اتفاق کرتا ہوں،، آخرکار وہ بولا۔

ان میں سے سب سے کم‌عمر شخص نے جو مزدوروں کی سی قمیص پہنے ہوئے تھا، بلگاکوف سے اتفاق کیا۔ وہ بولا:

4*



کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا،، بلگا کوف کہتا رہا ۔ ’’چونکہ ہم سب سے بعد میں یہاں سے جا رہے ہیں اس لئے جرمنوں کے عقب میں کام کی تنظیم کرنے کی ذمہ‌داری ہماری ہے ۔ یہ بہت بڑا ریلوے جنکشن ہے اور شہر میں دو اسٹیشن ہیں ۔ ہمیں اس بات کا انتظام کرنا ہے کہ ریلوے میں کام کرنے کےلئے کسی معتبر ساتھی کو مقرر کیا جائے ۔ ہمیں ابھی اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہاں کام شروع کرنے کےلئے کسے چھوڑا جائے ۔ تمہارے ذہن میں کوئی ہے؟،،

’’میرا خیال ہے کہ فیودور ژوخرائی کو یہاں رہنا چاہئے ۔ وہی جو ملاح ہے نا،، یرماچینکو نے میز کے قریب آکر کہا ۔ ’’پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ یہیں کا رہنےوالا ہے ۔ دوسرے، وہ فٹر اور مستری بھی ہے ۔ اس لئے اسے اسٹیشن پر کوئی کام بھی مل جائےگا اور فیودور کو کسی نے ہمارے دستے کے ساتھ دیکھا بھی نہیں ہے ۔ وہ رات سے پہلے یہاں پہنچےگا بھی نہیں ۔ بڑا سمجھدار آدمی ہے ۔ وہ سارا کام بخوبی سنبھال لےگا ۔ میری رائے میں تو اس کام کےلئے وہی سب سے مناسب آدمی ہے ۔،،

بلگاکوف نے سر ہلایا ۔

’’ٹھیک ہے ۔ یرماچینکو، میں تم سے متفق ہوں ۔ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے، ساتھیو؟،، اس نے دوسرے لوگوں سے پوچھا ۔ ’’کوئی نہیں نا؟ تو یہ فیصلہ رہا ۔ ہم لوگ ژوخرائی کے

پاس کچھ رقم چھوڑ جائیں گے اور اسے ایک سند بھی دے جائیں گے جس کی اسے اپنے کام کے سلسلے میں ضرورت پڑے گی۔ اچھا ساتھیو، اب رہا تیسرا اور آخری سوال۔ یہاں شہر میں جو اسلحے جمع ہیں ان کا کیا ہوگا؟ یہاں بہت کافی رائفلیں ہیں، کم سے کم بیس ہزار ہوں گی۔ وہ زارشاہی جنگ کے زمانے کی بچی ہوئی ہیں اور کسی کو ان کا خیال بھی نہیں ہے۔ وہ سب کی سب ایک کسان کے چھپر میں ڈھیر ہیں۔ مجھے یہ بات اس چھپر کے مالک سے معلوم ہوئی ہے۔ اور وہ ان سے چھٹکارا پانے کے لئے بےقرار ہے۔ ہم انہیں یہاں جرمنوں کے استعمال کے لئے تو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میری رائے میں تو انہیں جلا دینا چاہئے۔ اور یہ کام فوراً ہی کر ڈالنا چاہئے تاکہ صبح تک فرصت مل جائے۔ دشواری صرف یہ ہے کہ آس پاس کی جھونپڑیوں میں آگ پھیل جانے کا خطرہ ہے۔ وہ جگہ شہر کے سرے پر ہے جہاں غریب کسان رہتے ہیں۔"

استرژکوف اپنی کرسی میں کسمسایا۔ وہ بہت ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اس کی ڈاڑھی بڑھ کر کافی گھنی ہو گئی تھی۔ کئی دن سے حجامت بنانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

"رائفلوں کو جلایا کیوں جائے؟ میں تو انہیں یہاں کے لوگوں میں تقسیم کر دینے کے حق میں ہوں۔"

بلگاکوف نے پھرتی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

ں نوجوان مزدور نے بھی یرماچینکو اور استرژکوف
کی تائید کی۔
''اچھی بات ہے، تو یہ فیصلہ ہو گیا،،
بگاکوف بھی راضی ہو گیا۔ ''اب اور کچھ تو
رہا نہیں،، اس نے اپنی کرسی پر سے اٹھتے ہوئے
کہا۔ ''ہم صبح تک آرام کر سکتے ہیں۔ جب
زوخرائی آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔ مجھے
س سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یرماچینکو، تم
ذرا سنتریوں کی چوکیوں کا معائنہ کرلو۔،،
جب سب لوگ چلے گئے تو بلگاکوف دیوان‌خانے
سے ملے ہوئے سونے کے کمرے میں چلا گیا اور
گدے پر اپنا اوورکوٹ بچھا کر لیٹ گیا۔

دوسرے دن صبح پاویل بجلی گھر سے مکان
واپس آ رہا تھا۔ پچھلے سال بھر سے وہ وہاں بھٹی
جھونکنے‌والے کے مددگار کی حیثیت سے کام کر
رہا تھا۔
اس نے فوراً محسوس کر لیا کہ شہر میں کسی
غیرمعمولی ہیجان اور ہلچل کا دوردورہ ہے۔ وہ
جوں جوں آگے بڑھتا گیا اسے اور زیادہ لوگ ملتے گئے
جو ایک، دو اور کوئی کوئی تو تین تین رائفلیں
لئے چلے جا رہے تھے۔ اس کی کچھ بھی سمجھ میں
نہیں آیا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ اس لئے وہ بےتحاشہ
پوری رفتار سے گھر کی طرف لپکا۔ لیش‌چینسکی کے
باغ کے باھر اس نے دیکھا کہ کل جن لوگوں سے

''کیا کہا تقسیم کر دیا جائے؟''

''بہت عمدہ خیال ہے!'' یرماچینکو نے پرجوش تائید کی۔ ''انہیں مزدوروں کو دے دیا جائے اور اگر کوئی اور شخص چاہے تو اس کو بھی۔ جب جرمن ان لوگوں کی زندگی عذاب کر دیں گے تب ان کے پاس جوابی حملہ کرنے کےلئے کوئی چیز تو ہوگی۔ اس میں تو کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ جرمنوں کے مظالم کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اور جب حالات ناقابل برداشت ہو جائیں گے تو یہ لوگ ہتھیار لےکر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ استرژکوف کا کہنا ٹھیک ہے: رائفلیں بانٹ دینی چاہئیں۔ اگر کچھ رائفلیں دیہاتوں میں بھی پہنچا دی جائیں تو برا نہیں ہے۔ کسان انہیں حفاظت سے چھپاکر رکھیں گے اور جب جرمن ان کی ہر چیز ضبط کرنا شروع کریں گے تو اس وقت رائفلیں بہت مفید ثابت ہوں گی۔''

بلگاکوف ایک دبی ہوئی ہنسی ہنس پڑا۔

''یہ تو درست ہے لیکن جرمن یقیناً تمام ہتھیار واپس کرنے کا حکم دیں گے اور ہر شخص ان کے اس حکم کی تعمیل کرےگا۔''

''ہر شخص نہیں کرےگا'' یرماچینکو نے اعتراض کیا۔ ''کچھ لوگ کریں گے لیکن باقی لوگ نہیں کریں گے۔''

بلگاکوف نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''میں رائفلیں بانٹ دینے کے حق میں ہوں''

لیکن سرگئی کی بکی ماں کی بات ابھی پوری
نہی نہ ہوئی تھی کہ پاویل سڑک پر پہنچ چکا
تھا اور سرپٹ بھاگا چلا جا رہا تھا۔

بڑی سڑک پر اسے ایک شخص ملا جو دونوں
کندھوں پر ایک ایک رائفل لئے چلا آ رہا تھا۔
پاویل بھاگ کر اس کے پاس پہنچا۔

"چچا، ذرا بتانا تو کہ یہ کہاں ملی ہیں؟"

"وہاں ورخووینا میں لوگ بانٹ رہے ہیں۔"

پاویل جتنا تیز ہو سکتا تھا بھاگا۔ دو سڑکیں
پار کرنے کے بعد وہ ایک لڑکے سے ٹکرا گیا جو
ایک بھاری سی پیدل سپاہیوں‌والی رائفل گھسیٹتا
ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس پر سنگین بھی لگی ہوئی
تھی۔ پاویل نے اس لڑکے کو روک کر پوچھا:

"تمہیں یہ بندوق کہاں سے ملی؟"

"وہاں اسکول کے سامنے فوجی بانٹ رہے تھے۔
لیکن اب ایک بھی نہیں رہ گئی ہے۔ سب بٹ گئیں۔
ساری رات بانٹی ہیں انہوں نے۔ اب تو بس خالی
بکسے رہ گئے ہیں۔ یہ تو میں دوسری لئے جا رہا
ہوں" لڑکے نے بڑے فخر کے ساتھ اعلان کیا۔

یہ خبر سن کر پاویل کے بالکل چھکے چھوٹ
گئے۔

"لعنت ہے۔ مجھے سیدھے وہیں جانا تھا"
پاویل نے مایوس ہوکر سوچا۔ "میں کیسے اتنی
غفلت کر گیا؟"

دفعتاً اسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ پھرتی
کے ساتھ مڑا اور دو ہی تین چھلانگوں میں اس

اس کی جان پہچان ہوئی تھی وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

پاویل بھاگا بھاگا گھر میں گیا اور اس نے جلدی جلدی منھ ہاتھ دھویا۔ جب اسے اپنی ماں سے یہ معلوم ہوا کہ آرتیم ابھی تک گھر واپس نہیں آیا ہے تو وہ فوراً باہر بھاگا اور اس نے سیدھے سرگئی بروژاک کے گھر کا رخ کیا۔ سرگئی شہر کے دوسرے حصے میں رہتا تھا۔

سرگئی کا باپ ریل کے انجن ڈرائیور کے نیچے کام کرتا تھا۔ اس کا اپنا ایک چھوٹا سا گھر تھا اور تھوڑی سی زمین بھی۔

سرگئی کہیں گیا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے جو ایک موٹی سی زرد رو عورت تھی بہت جھنجھلاہٹ کے ساتھ پاویل پر نظر ڈالی۔

"خدا جانے کہاں چلا گیا ہے! آنکھ کھلتے ہی گھر سے نکل گیا، بالکل دیوانوں کی طرح۔ کہتا تھا کہ کہیں رائفلیں بٹ رہی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں وہیں گیا ہوگا۔ تم سب نکٹھے سپاہیوں کو ضرورت اس بات کی ہے کہ تمہاری ذرا اچھی طرح ٹھکائی کی جائے۔ تم لوگ بالکل ہاتھ سے نکل گئے ہو۔ ابھی دودھ کے دانت تو ٹوٹے نہیں اور چلے ہیں رائفلوں کے پیچھے۔ کہہ دینا اس بدمعاش سے کہ اگر میرے گھر میں ایک کارتوس بھی لایا تو چمڑی ادھیڑ دوں گی۔ نہ جانے گھر میں کیا اٹھا لائے گا اور پھر بھگتنا پڑے گا مجھے۔ تم تو وہاں نہیں جا رہے ہو نا؟"

ڈھیروں پر، غرض ھر جگه آپ کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں یا جوڑوں میں نوجوان لوگ بیٹھے ھوئے مل جائیں گے ۔ ان کے شوخ و شنگ قہقہے اور نغمے شام کی خاموشی میں گونجتے رھتے ھیں ۔

فضا پھولوں کی خوشبو سے لدی ھوئی اور عطربار رھتی ھے ۔ آسمان کی نیلگوں گہرائیوں میں مدھم ستارے جھلملاتے رھتے ھیں اور نقرئی آوازیں فضا کی لہروں پر تیرتی ھوئی دور، بہت دور، پہنچ جاتی ھیں...

پاویل کو اپنے اکارڈین باجے سے بہت محبت تھی ۔ وہ اس سریلے باجے کو بڑی شفقت‌آمیز احتیاط کے ساتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتا اور اپنی سبک انگلیوں کو بہت روانی کے ساتھ پردوں کی دوھری قطار پر اوپر نیچے دوڑانے لگتا ۔ نیچے مدھم سروں میں آہ بھرنے کی سی آواز آتی اور پھر پرکیف نغمے کا ایک طوفان ابل پڑتا ۔

جب اکارڈین کی لہردار دھونکنیاں چلتی ھیں اور ساز کے گرم سانسوں کے ساتھ دل کو موہ لینے والی تانیں لرزنے لگتی ھیں تو کوئی کیسے خاموش رہ سکتا ھے ۔ آپ کو پته بھی نہیں چلتا اور آپ کے پاؤں سنگیت کی اس پرالتجا دعوت کو قبول کر لیتے ھیں ۔ زندگی بھی کیا ھی پرلطف چیز ھے!

لیکن آج کی شام خاص طور سے خوشی میں ڈوبی ھوئی ھے ۔ پاویل کے گھر کے باھر شہتیروں کے ڈھیر پر سرخوش نوجوانوں کی ایک بھیڑ جمع ھو گئی ھے ۔ اور سب سے زیادہ مگن تو گلینا ھے،

لڑکے کے پاس جا پہنچا جو مخالف سمت میں جا رہا تھا اور اس نے اس کے ھاتھ سے رائفل چھین لی۔

''تمہارے لئے ایک کافی ھے۔ یہ اب میری ھو گئی،، اس نے قطعی اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

دن دھاڑے اس لوٹ پر وہ لڑکا آگ بگولا ھو گیا اور پاویل پر جھپٹا لیکن پاویل چھٹک کر پیچھے ھٹ گیا اور اس نے رائفل کی سنگین اپنے حریف کی طرف تان دی۔

''خبردار! نہیں تو میں نہیں جانتا۔ چوٹ کھا جاؤ گے،، پاویل نے چلا کر کہا۔

کھسیاھٹ کے مارے وہ لڑکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور بےبسی کے غصہ میں گالیاں بکتا ھوا بھاگ گیا۔ پاویل اپنی کامیابی پر بےانتہا خوش ھوتا ھوا گھر کی طرف چل دیا۔ باغ کے جنگلے کو پھاند کر وہ بھاگا بھاگا سائبان میں پہنچا اور وھاں اس نے اپنے مال غنیمت کو کھپریل میں چھپا دیا اور خوشی سے مگن ھو کر سیٹی بجاتا ھوا گھر میں داخل ھوا۔

بہت ھی حسین ھوتی ھیں یوکرین کی گرمیوں کی شامیں! یوکرین کے شیپیتوفکا جیسے چھوٹے شہروں میں جو اپنے آس پاس کے گاؤں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ھیں۔ گرمیوں کی پرسکون راتوں کی کشش تمام نوجوانوں کو گھروں سے باھر کھینچ لاتی ھے۔ برساتیوں میں، مکانوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں یا سڑک کے کنارے پڑے ھوئے لکڑی کے

لوگوں کے قہقہے معمولاً پرسکوت گلی کی خاموشی میں گونج اٹھے۔

''ذرا کھسک کے بیٹھو، مجھے بجانے بھر کی جگہ تو دو،، پاویل نے اس کے کندھے کو ہلکے سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

اس پر ایک قہقہہ اور لگا۔ لوگ فقرےبازی کرنے لگے اور آوازے کسنے لگے۔

ماروسیا نے پاویل کی جان چھڑائی:

''پاویل، کوئی غم کا گیت سناؤ جسے سن کر دل کے تار جھنجھنا اٹھیں۔،،

رفتہ رفتہ اکارڈین کی دھونکنیاں چلنے لگیں۔ پاویل کی انگلیاں ساز کے پردوں پر تھرکنے لگیں اور ایک مشہور اور سب کا محبوب نغمہ فضا میں گونج اٹھا۔ گانے میں سب سے پہلے گلینا شریک ہوئی، پھر ماروسیا، پھر باقی لوگ:

اپنی اپنی جھونپڑیوں میں
مانجھی سارے جمع ہوئے ہیں
صبح سکارے
کتنا میٹھا!
کتنا سندر!
مل کر گاتے دکھ کے مارے...

گانےوالوں کی لرزتی ہوئی کم سن آوازیں فضا میں گونجتی ہوئی دور جنگل کی گہرائیوں تک پہنچ گئیں۔

''پاویل!،، یہ آرتیم کی آواز تھی۔

یہ سنگتراش کی بیٹی جو پاویل کے پڑوس میں رہتی ھے۔ گلینا لڑکوں کے ساتھ ناچنے گانے پر جان دیتی ھے۔ اس کی باریک مخملی آواز میں بڑی گہرائی ھے۔

پاویل اس سے کچھ ڈرتا بھی ھے کیوں کہ گلینا زبان کی بہت تیز ھے۔ وہ پاویل کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کے گلے میں باھیں ڈال کر کھل کھلا کر ھنس پڑی۔

''اکارڈین بجاتے ھوئے تم کتنے پیارے لگتے ھو!،، اس نے کہا۔ ''افسوس تو اس بات کا ھے کہ تم بہت چھوٹے ھو، نہیں تو میں تم سے شادی کر لیتی۔ بہت ھی اچھی رھتی ھماری جوڑی۔ جو مرد اکارڈین بجا لیتے ھیں ان پر تو میں جان چھڑکتی ھوں۔ ان پر تو میں بالکل لٹو ھوں۔،،

مارے شرم کے پاویل کے کانوں کی لویں تک سرخ ھو گئیں۔ لیکن اس کی خوش قسمتی سے رات کی تاریکی میں کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس چنچل چھوکری سے جتنا ھی دور ھٹنے کی وہ کوشش کرتا اتنا ھی وہ اس سے اور چمٹتی جاتی۔

''اچھا، میری جان، تم مجھ کو چھوڑ کر بھاگ تو نہیں جاؤگے؟ کیوں، بولو نا؟ تم کتنے پیارے ھو!،، یہ کہہ کر وہ کھل کھلا کر ھنس پڑی۔

اس کا گداز سینہ پاویل کے کندھے سے چھو گیا اور بے اختیار پاویل کے دل میں ایک عجیب سا ھیجان پیدا ھو گیا۔ وھاں پر بیٹھے ھوئے

تم یه دریافت کر آؤ کہ ان لوگوں کو اس کی جگہ کسی ھوشیار آدمی کی ضرورت تو نہیں ھے۔ اگر ھو تو آکر ھمیں اطلاع دینا۔،،

اجنبی بیچ میں بول اٹھا:

''یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ھے۔ اس سے اچھا تو یہ ھے کہ میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا اور خود ھی بڑے صاحب سے بات کر لوں گا۔،،

''ضرورت تو ھے انہیں ایک آدمی کی۔ آج بجلی گھر صرف اس لئے ٹھپ پڑا رھا کہ استانکووچ بیمار تھا۔ بڑے صاحب نے دو چکر بھی لگائے۔ انہیں اس کی جگہ کام کرنے کے لئے کسی آدمی کی سخت تلاش تھی۔ لیکن کوئی ملا ھی نہیں۔ اور صرف ایک بھٹی جھونکنے والے کی مدد سے انجن چالو کرتے ھوئے انہیں ڈر لگتا تھا۔ بجلی کے مستری کو ٹائی فس ھو گیا ھے۔،،

''تب تو بات پکی ھے،، اس اجنبی نے کہا۔ ''میں کل تمہارے پاس آؤں گا اور پھر ھم دونوں وھاں ساتھ چلیں گے،، اس نے پاویل سے مخاطب ھو کر کہا۔

''اچھی بات ھے۔،،

پاویل کی نظریں اجنبی کی پرسکون بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اجنبی بڑے غور سے اس کا جائزہ لے رھا تھا۔ اس کی جمی ھوئی نظروں کے مسلسل، پرغور جائزے سے پاویل کچھ بوکھلا سا گیا۔ وہ نووارد اجنبی سرمئی رنگ کا کوٹ پہنے ھوئے تھا جس کے اوپر سے لے کر نیچے تک تمام بٹن بند

پاویل نے اپنے اکارڈین کی دھونکنی بند کر دی اور تسمہ لگا دیا۔

''مجھے گھر میں بلا رہے ھیں۔ میں اب چلوں گا۔''

''ارے تھوڑی دیر اور بجاؤ۔ جلدی کیا ھے ایسی؟'' ماروسیا نے خوشامد کے ساتھ اسے روکتے ھوئے کہا۔

لیکن پاویل اپنی ضد پر اڑا رہا۔

''میں نہیں رک سکتا۔ کل پھر گائیں گے۔ لیکن اس وقت تو مجھے جانا ھی پڑے گا۔ آرتیم نے پکارا ھے۔'' اتنا کہہ کر وہ سڑک پار کر کے بھاگتا ھوا سامنے والے چھوٹے سے گھر میں گھس گیا۔

اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ کمرے میں آرتیم کے علاوہ دو آدمی اور بیٹھے ھیں۔ ایک تو آرتیم کا دوست رسان تھا اور دوسرا کوئی اجنبی۔ وہ تینوں میز کے گرد بیٹھے تھے۔

''تم نے مجھے بلایا ھے؟'' پاویل نے پوچھا۔

آرتیم نے سر ھلایا اور اس اجنبی سے مخاطب ھوا:

''یہی ھے میرا وہ بھائی جس کے بارے میں ھم لوگ باتیں کر رہے تھے۔''

اجنبی نے اپنا کھردرا گٹےدار ھاتھ پاویل کی طرف بڑھا دیا۔

''بات یہ ھے، پاویل'' آرتیم نے اپنے بھائی سے کہا۔ ''تم کہہ رہے تھے نا کہ بجلی گھر کا کوئی مستری بیمار ھے۔ میں چاھتا ھوں کہ کل

کے اندر ھی سے جھانکتے رہے۔ خوف کے مارے سڑک پر نکلنے کی ان کی جرأت نہ ھوتی تھی۔

جرمن فوجیں سڑک کے دونوں طرف اکہری قطار میں مارچ کرتی ھوئی شہر میں داخل ھوئیں۔ ان سپاھیوں کے جسموں پر زیتونی رنگ کی وردیاں تھیں اور وہ اپنی بندوقیں تانے چل رہے تھے۔ ان کی رائفلوں پر چوڑی چاقو کی قسم کی سنگینیں لگی ھوئی تھیں۔ ان کے سروں پر فولاد کے وزنی خود اور پیٹھ پر بڑے بڑے تھیلے تھے۔ اسٹیشن سے شہر تک سپاھیوں کا ایک تانتا بندھا ھوا تھا۔ وہ بہت چوکنے تھے اور ھر لمحہ کسی بھی حملے کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے حالانکہ ان پر حملہ کرنے کی بات کسی نے خواب میں بھی نہ سوچی تھی۔

ان کے آگے دو افسر تھے جن کے ھاتھوں میں ماؤزر پستولیں تھیں۔ سڑک کے بیچ میں ترجمان چلا آ رھا تھا۔ وہ ھیٹ‌سین کے تابع کام کرنےوالا سارجنٹ میجر تھا۔ وہ نیلے رنگ کا یوکرینی کوٹ اور اونچی سی سمور کی ٹوپی پہنے ھوئے تھا۔

جرمن سپاھی شہر کے بیچ‌والے بڑے چوک میں صفیں باندھ کر کھڑے ھو گئے۔ نقارے بج رہے تھے۔ نسبتاً زیادہ باھمت شہریوں کا ایک چھوٹا سا مجمع وھاں پر لگ گیا۔ ھیٹ‌سین کا وہ ملازم جو یوکرینی کوٹ پہنے ھوئے تھا دواؤں کی دوکان کی برساتی پر چڑھ گیا اور وھاں سے اس نے بہ‌آواز بلند کمانڈانٹ میجر کارف کا جاری‌کردہ حکم پڑھ کر سنایا:

تھے۔ دیکھنے سے صاف معلوم ھوتا تھا کہ کوٹ اس کے لئے چھوٹا ھے کیونکہ اس کی مضبوط چوڑی پیٹھ پر کوٹ کی سیون ادھڑی جارھی تھی۔ اس کے سر اور کندھوں کے درمیان بیل کی سی ایک مضبوط سوٹی گردن تھی۔ اس کے پورے جسم کو دیکھ کر شاہ بلوط کے کسی پرانے تناور درخت کا خیال آتا تھا۔

''خدا حافظ، ژوخرائی،، آرتیم نے اسے دروازے تک پہنچا کر کہا۔ ''تو کل تم میرے بھائی کے ساتھ چلے جانا اور وھاں نوکری کی بات پکی کر لینا۔ امید تو ھے کہ ضرور کامیابی ھوگی۔،،

اس دستے کے چلے جانے کے تین دن بعد جرمن فوجیں شہر میں داخل ھوئیں۔ ان کے آنے کی خبر اسٹیشن پر انجن کی سیٹی بجنے سے ملی کیونکہ ادھر پچھلے کچھ دنوں سے تو اسٹیشن بالکل ویران پڑا تھا۔

''جرمن آ رھے ھیں،، سارے شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔

شہر بھر میں اس طرح کھلبلی مچ گئی جیسے کسی نے چیونٹیوں کے بل کو چھیڑ دیا ھو۔ حالانکہ شہروالوں کو کچھ دن پہلے سے یہ معلوم تو تھا کہ جرمن آنےوالے ھیں لیکن انہوں نے کسی وجہ سے اس بات پر یقین نہ کیا تھا۔ اور اب یہ خونخوار جرمن کہیں راستے میں نہیں تھے بلکہ یہیں عین ان کے شہر میں پہنچ گئے تھے۔

شہر کے باشندے اپنے گھروں کے سامنےوالے باغیچوں کی چہار دیواری اور چھوٹے چھوٹے پھاٹکوں

واپس ملنےوالے هتھیار جمع کرنے کی جگه بنائی گئی تھی۔

گولی سے اڑا دئیے جانے کی دھمکی سے ڈرکر تمام دن شہر کے باشندے هتھیار لالاکر جمع کرتے رهے۔ بالغ لوگ تو آئے نہیں۔ انہوں نے لڑکوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے هاتھ هتھیار بھجوا دئیے۔ جرمنوں نے کسی کو گرفتار نہیں کیا۔

جو لوگ وهاں خود نہیں جانا چاهتے تھے انہوں نے رات کے وقت اپنے هتھیار سڑکوں پر پھینک دئیے اور صبح کو جرمنوں کی ایک گشتی ٹکڑی نے تمام هتھیار جمع کرکے ایک فوجی گاڑی میں بھرکر کمان کے دفتر پہنچا دئیے۔

دو پہر کے ایک بجے جب هتھیار واپس کرنے کی میعاد معینه ختم هو گئی تو جرمن سپاهیوں نے مال غنیمت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کل ملاکر چودہ هزار رائفلیں واپس آئی تھیں۔ اس کا مطلب یه تھا که چھه هزار رائفلیں واپس نہیں کی گئی تھیں۔ جرمنوں نے گھر گھر جو تلاشیاں لیں ان میں زیادہ کچھ برآمد نه هوا۔

ان دو ریلوے مزدوروں کو جن کے گھروں سے چھپی هوئی رائفلیں برآمد هوئی تھیں دوسرے دن علی الصباح شہر کے باهر لے جاکر یہودیوں کے پرانے قبرستان میں گولی مار دی گئی۔

آرتیم کو جوں هی کمانڈانٹ کے حکم کی خبر ملی وہ بھاگا هوا گھر آیا۔ صحن هی میں پاویل کی

میں حکم دیتا ہوں کہ :
شہر کے تمام باشندے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تمام اسلحہ‌جات اور دوسرے مہلک ھتھیار جو ان کے پاس ہوں یہاں داخل کر دیں۔ اس فرمان کی حکم عدولی کرنےوالے کو سزا کے طور پر گولی سے اڑا دیا جائےگا۔

(۲)

شہر میں مارشل‌لا نافذ کر دیا گیا ھے اور شہریوں کو رات کے آٹھ بجے کے بعد سڑک پر نکلنے کی قطعی ممانعت ھے۔

میجر کارف، ٹاؤن کمانڈانٹ

جرمن کمان نے اپنا دفتر اسی عمارت میں قائم کر لیا جو پہلے شہری نظام حکومت کے استعمال میں تھی اور جہاں انقلاب کے بعد مزدوروں کے نمائندوں کی سوویت کا دفتر تھا۔ عمارت کے صدر پھاٹک پر ایک سنتری تعینات کر دیا گیا۔ اس کے سر پر پریڈ کرتے وقت پہننے کا خود تھا جس پر ایک بڑا سا عقاب کی شکل کا شاھی نشان بنا ہوا تھا۔ اسی عمارت کے پیچھےوالے صحن میں شہریوں سے

مجھے گولی مار دی جائے گی۔ تم کو تو بچہ سمجھ کر کوئی ھاتھ نہیں لگائے گا۔ زمانہ بہت خطرناک ہے، سمجھے!،،

پاویل نے وعدہ کر لیا۔

جس وقت دونوں بھائی صحن پار کرکے گھر میں داخل ھو رہے تھے اسی وقت ایک گاڑی لیش چینسکی کے پھاٹک کے سامنے آ کر رکی اور اس میں سے وکیل، اس کی بیوی اور دو بچے نیلی اور ویکتر اترے۔

''اچھا تو یہ چڑیاں پھر اپنے گھونسلے میں واپس آ گئیں،، آرتیم غصے سے بڑبڑایا۔ ''اب ان کے عیش ھیں۔ خدا غارت کرے ان کو!،، اور یہ کہتا ھوا وہ مکان میں داخل ھو گیا۔

سارا دن پاویل بڑی مایوسی کے ساتھ رائفل کے بارے میں سوچتا رھا۔ اسی عرصہ میں اس کا دوست سرگئی ایک پرانے ویران سائبان میں، دیوار کے پاس زمین میں گڑھا کھودنے میں مصروف تھا۔ آخرکار گڑھا تیار ھو گیا۔ سرگئی نے تین بالکل نئی رائفلیں اچھی طرح سے چیتھڑوں میں لپیٹ کر گڑھے کے حوالے کر دیں۔ سرخ فوج کے اس دستے نے جب عوام میں ھتھیار تقسیم کئے تھے اسی وقت اس نے یہ رائفلیں حاصل کی تھیں۔ اور انہیں جرمنوں کے حوالے کر دینے کا اس کا قطعی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے ساری رات اس بات کی جان توڑ کوشش کی تھی کہ رائفلوں کو حفاظت کے ساتھ کہیں چھپا دیا جائے۔

اس نے گڑھے کو پاٹ کر مٹی کو اپنے پاؤں سے روند دیا اور اس کے اوپر کوڑے کرکٹ کا

اس سے سڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے پاویل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت دھیرے سے لیکن سختی کے ساتھ پوچھا:

"تم گھر کوئی ہتھیار لائے تھے؟"

پاویل نے طے تو یہی کیا تھا کہ وہ رائفل کے بارے میں کسی کو نہ بتائے لیکن وہ اپنے بھائی سے جھوٹ نہ بول سکا اور اس لئے اس نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔

وہ دونوں ساتھ سائبان میں گئے۔ آرتیم نے کھپریل میں چھپی ہوئی رائفل اتار کر اس کا توڑا اور سنگین نکالی اور پھر رائفل کی نلی پکڑ کر اسے پوری طاقت کے ساتھ گھما کر ایک باڑ کے کھمبے پر دے مارا۔ رائفل کا کندہ پرخچے پرخچے ہو گیا۔ جو کچھ بچا وہ باغیچے کے پار کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا۔ سنگین اور توڑے کو آرتیم نے غلاظت کے گڑھے میں ڈال دیا۔

یہ کام ختم کر چکنے کے بعد آرتیم اپنے بھائی سے مخاطب ہوا:

"دیکھو، پاویل، اب تم بچے نہیں رہے اور تمہیں اتنا سمجھنا چاہئے کہ بندوق کھیلنے کی چیز نہیں ہے۔ دیکھو خبردار، گھر میں کوئی ایسی ویسی چیز مت لانا۔ یہ بہت ہی سنگین اور خطرناک بات ہے۔ آج کل اس قسم کی حرکتوں سے جان جوکھوں میں پڑ سکتی ہے۔ اس طرح کی حرکتیں چھوڑ دو کیوں کہ اگر تم اس قسم کی کوئی چیز گھر لائے اور وہ یہاں پکڑی گئی تو سب سے پہلے

ایک دن پاویل بجلی گھر کے صحن میں ایندھن کے اونچے اونچے انباروں کے بیچ میں سے ہوکر گذر رہا تھا کہ اتنے میں ژوخرائی نے اسے روکا۔

''تمہاری ماں مجھ سے کہتی تھی کہ تمہیں لڑائی جھگڑے کا بڑا شوق ہے،، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے بارے میں وہ کہہ رہی تھی کہ بالکل لڑاکو مرغوں جیسا ہے،، ژوخرائی اتنا کہہ کر اپنے ہونٹ بھینچ کر پسندیدگی سے ہنس پڑا۔ ''دراصل لڑنا کوئی بری بات نہیں ہے بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ کس سے لڑنا ہے اور کیوں۔،،

پاویل صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ژوخرائی مذاق کر رہا ہے یا سنجیدگی سے بات کر رہا ہے۔

''میں بلاوجہ نہیں لڑتا،، اس نے جواب دیا۔ ''میں ہمیشہ حق اور انصاف کی بات کےلئے لڑتا ہوں۔،،

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ٹھیک طرح لڑنا سکھا دوں؟،، ژوخرائی نے اس سے یہ غیرمتوقع سوال کیا۔

''ٹھیک طرح لڑنے کا کیا مطلب؟،، پاویل نے اسے تعجب سے دیکھا۔

''تمہیں خود ہی معلوم ہو جائےگا۔،،

اور اس دن پاویل کو مکے بازی کے فن کی بابت ایک مختصر ابتدائی لکچر دیا گیا۔

اس فن میں پاویل کو آسانی سے مہارت نہ حاصل ہو سکی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ژوخرائی کا مکا کھا کر وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور زمین

ڈھیر لگا دیا۔ اپنی کوششوں کے نتیجے پر ایک تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ کام قابل اطمینان طور پر پورا ہو گیا ہے تو اس نے اپنی ٹوپی اتار کر ماتھے کا پسینہ پونچھ ڈالا۔

''اب ڈھونڈھنے دو سالوں کو۔ اور اگر انہیں مل بھی گئی تو عمر بھر انہیں اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ ان کو یہاں کس نے چھپایا ہے۔ کیوں کہ یہ سائبان تو کسی کا بھی نہیں ہے۔''

رفتہ رفتہ پاویل اور اس سنجیدہ چہرے والے بجلی کے مستری میں دوستی پیدا ہو گئی۔ اسے بجلی گھر میں کام کرتے ہوئے اب پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا۔

ژوخرائی نے بھٹی جھونکنے والے کی مدد کرنے والے اس لڑکے کو سمجھایا کہ برقی رو پیدا کرنے والی مشین کس طرح بنتی ہے اور اسے کیسے چلایا جاتا ہے۔

وہ ملاح اس ہوشیار لڑکے کو بہت پسند کرنے لگا تھا۔ چھٹیوں کے دن وہ اکثر آرتیم کے یہاں جاتا اور اس کی ماں سے گرہستی کی جھنجھٹوں اور مصیبتوں کا دکھڑا سنتا۔ جب وہ اپنے بیٹے پاویل کی شرارتوں کے بارے میں شکایت کرتی تو خصوصاً وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ سنتا۔ ژوخرائی بہت سنجیدہ اور سمجھدار آدمی تھا۔ ماریا یاکوولیونا کو اس کی وجہ سے بہت اطمینان ہوتا اور اس کی بہت سی فکریں دور ہو جاتیں۔ جب وہ وہاں ہوتا تو وہ اپنی پریشانیاں بھول جاتی اور زیادہ خوش نظر آتی۔

تھا۔ اس کا قد پستہ اور چہرے کا رنگ بالکل چقندر کی طرح سرخ تھا۔ وہ چھوٹی ترشی ہوئی مونچھیں رکھے ہوئے تھا، بغیر کمانی کا چشمہ پہنتا تھا اور اس کی ٹوپی کے آگے چھجا سا نکلا ہوا تھا جس پر چمک‌دار لاکھ لگا ہوا تھا۔ پاویل یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بغلی کمرے میں رهتا ھے جس کی کھڑکی باغ میں کھلتی تھی اور سائبان کی چھت پر سے دکھائی دیتی تھی۔

اس وقت لفٹیننٹ میز پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا لکھا ہوا کاغذ اٹھایا اور کمرے سے باھر چلا گیا۔ کاغذ اردلی کو دے کر وہ اس راستہ پر چل دیا جو باغ سے ہوکر پھاٹک کی طرف جاتا تھا۔ سمرھاؤس کے قریب رک کر وہ اندر کسی سے باتیں کرنے لگا۔ ایک لمحہ بعد نیلی نیش‌چینسکی باھر نکلی۔ لفٹیننٹ نے اس کے ھاتھ میں ھاتھ ڈال دیا اور وہ دونوں پھاٹک کے باھر سڑک پر نکل گئے۔

پاویل اپنی بڑھیا جگہ سے یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ یک‌بیک اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ اور وہ آنکھیں بند کرکے سونے ھی کو تھا کہ اس نے اردلی کو لفٹیننٹ کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ اردلی نے وردی کھونٹی پر ٹانگ دی، باغ کی طرف‌والی کھڑکی کھولدی اور کمرے کی ھر چیز سلیقے کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر رکھ دی۔ اس کے بعد باھر آکر اس نے دروازہ بند کر

پر لوٹنے لگا۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے وہ بہت محنتی اور مستقل مزاج شاگرد ثابت ہوا۔

گرمیوں کے دن تھے۔ کلیمکا کے یہاں سے واپس آکر پاویل ایک دن اپنے کمرے میں تھوڑی دیر ادھر ادھر پہلو بدلتا رہا کیونکہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرکے وقت گذاری کرے۔ آخرکار پاویل نے اپنی پسندیدہ جگہ پر جاکر، بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے مکان کے پیچھے باغ کے ایک کونے میں ایک سائبان پڑا ہوا تھا۔ اسی کی چھت اس کی محبوب جگہ تھی۔ مکان کے پیچھے والا صحن پار کرکے وہ باغ میں داخل ہوا اور باغ میں سے ہوتا ہوا تختوں کے بنے ہوئے اس سائبان کے پاس جا پہنچا اور اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ سائبان کے اوپر جھکی ہوئی چیری کے درختوں کی گھنی شاخوں کے بیچ میں سے راستہ بناتا ہوا وہ چھت کے بیچوں بیچ پہنچ گیا اور دھوپ کھانے کے لئے لیٹ گیا۔

سائبان کا ایک حصہ لیش چینسکی کے باغ کی طرف نکلا ہوا تھا اور چھت کے سرے پر سے اس کا پورا باغ اور گھر کا ایک حصہ دکھائی دیتا تھا۔ چھت کی کگر سے آگے اپنا سر نکال کر پاویل کو صحن کا بھی ایک حصہ دکھائی دینے لگا۔ اس نے صحن میں ایک گاڑی کھڑی دیکھی۔ لیش چینسکی کے ساتھ جو جرمن لفٹیننٹ رہتا تھا اس کا اردلی اپنے مالک کے کپڑوں کو برش سے صاف کر رہا تھا۔

پاویل نے اس لفٹیننٹ کو اکثر اس پھاٹک پر دیکھا تھا جس سے ہوکر صحن میں جانے کا راستہ

پہنچ گیا۔ بندروں جیسی پھرتی کے ساتھ وہ چھت پر چڑھ گیا اور وہاں دم لےکر اس نے پیچھے نظر ڈالی۔ اردلی ابھی تک سائیس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ باغ میں خاموشی اور سناٹا تھا۔ پاویل جلدی سے چھت کے دوسری طرف اترا اور گھر کی طرف بھاگا۔

اس کی ماں باورچی‌خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ اس لئے اس نے پاویل کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

پاویل نے صندوق کے پیچھے سے ایک پرانا کپڑا نکال‌کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور پھر سب کی نظریں بچاکر وہ بھاگ‌کر صحن کے پار ہو گیا اور جنگلہ پھاندکر جنگل کی طرف جانےوالی سڑک پر آ نکلا۔ وہ اپنی جیب میں رکھے ہوئے اس بھاری پستول کو پکڑے ہوئے تھا تاکہ وہ اس کی ران سے نہ ٹکرائے، وہ بےتحاشہ اپنی پوری رفتار سے بھاگتا ہوا پاس‌والے اینٹوں کے بھٹے کے قریب پہنچ گیا۔ یہ بھٹا اب کام نہیں کرتا تھا اور ٹوٹ پھوٹ کر بالکل کھنڈر ہو چکا تھا۔ بھاگتے وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے پاؤں زمین پر پڑ ھی نہ رہے ہوں۔ ھوا اس کے کان کے پاس سے سنسناتی ہوئی گذر رھی تھی۔

اینٹوں کے اس پرانے بھٹے کے آس پاس مکمل خاموشی تھی۔ وہاں کا منظر بہت ھی مایوس‌کن تھا۔ لکڑی کی چھت جگہ جگہ سے گر گئی تھی۔ چاروں طرف ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے انبار لگے تھے اور

دیا ۔ دوسرے لمحے پاویل نے اسے اصطبل کے پاس دیکھا جہاں گھوڑے بندھے تھے ۔

کھلی ہوئی کھڑکی میں سے پاویل نے پورے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا ۔ میز پر چمڑے کی ایک پیٹی اور کوئی چمکدار چیز پڑی تھی ۔

بے اختیار اس کے دل میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوا جس پر قابو پانا اس کے لئے ناممکن تھا ۔ اس جذبے کے تحت پاویل انتہائی خاموشی کے ساتھ چھت پر سے چیری کے درخت پر آیا اور لیش چینسکی کے باغ میں اتر گیا ۔ جھکے جھکے وہ بھاگ کر باغ کو پار کر گیا اور اس نے کھڑکی سے کمرے کے اندر جھانک کر دیکھا ۔ اس کے سامنے میز پر چمڑے کی ایک پیٹی پڑی ہوئی تھی جس میں کندھے سے لٹکانے کے لئے ایک تسمہ بھی تھا ۔ اسی پیٹی میں پستول رکھنے کا چمڑے کا ایک خول لگا ہوا تھا جس کے اندر ایک نہایت عمدہ بارہ کارتوسوں والا مین لیکر پستول رکھا ہوا تھا ۔

پاویل نے اپنا دم سادھ لیا ۔ چند سکنڈ تک تو وہ ایک اندرونی کشمکش میں مبتلا رہا لیکن جان ہتھیلی پر رکھ کر جرأت کرنے کا جذبہ آخرکار اس پر غالب آ گیا اور کمرے میں داخل ہو کر اس نے پستول کا خول اٹھایا اور اس میں سے وہ نیا نیلگوں فولاد کا ہتھیار نکال کر کھڑکی سے باہر کود گیا ۔ چاروں طرف پھرتی سے نظر ڈال کر اس نے بڑی احتیاط سے پستول کو اپنی جیب میں ڈالا اور بجلی کی طرح باغ کو پار کرکے چیری کے درخت کے پاس

سے پہلے ھی بجلی گھر پہنچ گیا۔ اس نے چوکیدار سے چابی لی اور پاور ھاؤس میں داخل ھونےوالے چوڑے دروازے کھول دئے۔ راکھ کا گڑھا صاف کرتے ھوئے، بوائلر میں پانی بھرتے ھوئے اور آگ سلگاتے ھوئے وہ مسلسل یہی سوچ رھا تھا کہ نیش چینسکی کے گھر پر کیا ھو رھا ھوگا۔

گیارہ بجے کے قریب ژوخرائی نے آکر پاویل کو باھر بلایا۔

''آج تمہارے گھر پر تلاشی کیوں ھوئی تھی؟،، اس نے دھیرے سے پوچھا۔

پاویل چونک پڑا۔

''تلاشی؟،،

''مجھے تو اس بات سے بڑی تشویش ھو گئی ھے،، ژوخرائی نے تھوڑی دیر رک کر کہا۔ ''تمہیں تو نہیں معلوم وہ کس چیز کی تلاش میں آئے تھے؟،،

پاویل کو بخوبی معلوم تھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں آئے تھے۔ لیکن وہ ژوخرائی کو پستول کی چوری کی بابت بتانے کا خطرہ نہیں سول لے سکتا تھا۔ اس کا سارا بدن اندیشے کی وجہ سے کانپ رھا تھا۔ اس نے پوچھا:

''انہوں نے آرتیم کو گرفتار تو نہیں کیا؟،،

''گرفتار تو کسی کو نہیں کیا لیکن گھر کی ایک ایک چیز الٹ پلٹ کردی۔،،

اس بات سے پاویل کو کچھ تھوڑی سی تسلی ھوئی حالانکہ اس کی پریشانی ابھی پوری طرح دور نہ ھوئی تھی۔ چند سنٹ تک وہ اور ژوخرائی دونوں

اینٹیں پکانے کی بھٹیاں بھی ٹوٹ کر گر چکی تھیں۔ اس جگہ چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ تھا۔ پاویل اور اس کے دوستوں کو چھوڑ کر وہاں کبھی کوئی اور نہ جاتا تھا۔ وہ لوگ کبھی کبھی یہاں کھیلنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ پاویل کو وہاں کئی ایسی خفیہ جگہیں معلوم تھیں جہاں اس کا یہ چرایا ہوا خزانہ چھپایا جا سکتا تھا۔

وہ ایک بھٹی کی درز میں سے ہو کر اوپر چڑھ گیا اور بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ صرف صنوبر کے درختوں سے دھیمی سائیں سائیں کی آواز آ رہی تھی اور ہوا کے ہلکے جھونکوں سے سڑک پر کبھی کبھی تھوڑی سی گرد اڑ جاتی تھی۔ فضا میں رال کی تیز خوشبو بسی ہوئی تھی۔

پاویل نے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا پستول بھٹی کے فرش کے ایک کونے میں رکھ دیا اور اس کے اوپر پرانی اینٹوں کا ایک چھوٹا سا ٹیلہ سا بنا دیا۔ باہر نکلتے وقت اس نے اس پرانی بھٹی کے منھ کو اینٹوں سے بند کر دیا اور اس جگہ کو جہاں اس نے پستول چھپایا تھا بڑے غور سے ذہن نشین کر لیا۔ اور پھر دھیرے دھیرے وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کے پاؤں بری طرح کانپ رہے تھے۔

''اس سب کا کیا انجام ہوگا؟،، اس نے سوچا اور اس کا دل ایک نامعلوم اندیشے کے بوجھ سے دبنے سا لگا۔

وہ گھر نہیں جانا چاہتا تھا اس لئے وہ معمول

ہوا اور اس نے لفٹیننٹ سے اس بات کی معافی مانگی کہ
س قسم کی واردات اس کے گھر میں ہوئی تھی۔
ویکتر لیش چینسکی نے اپنے باپ کو سمجھایا
کہ ممکن ہے پستول پڑوسیوں نے چرایا ہو اور
خصوصاً اس بدمعاش چھوکرے پاویل کورچاگن نے۔
ب نے بلاتامل اپنے بیٹے کا قیاس لفٹیننٹ کے کانوں
تک پہنچا دیا۔ اور اس نے فوراً تلاشی کا حکم
دے دیا۔

تلاشی سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور گم‌شدہ
پستول کے واقعہ سے پاویل کا یہ یقین اور بھی پختہ
ہو گیا کہ اس قسم کی پرخطر حرکتیں بھی کبھی
نہیں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

تیسرا باب

تونیا کھلی ہوئی کھڑکی میں کھڑی خیالات
میں ڈوبی ہوئی اس جانے پہچانے باغ کا جائزہ لے رہی
تھی جس کے چاروں طرف لگے ہوئے حور کے تناور
درخت ہوا کے ہلکے جھونکوں سے دھیرے دھیرے
جھوم رہے تھے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ
اس جگہ جہاں اس نے اپنا سارا بچپن گذارا تھا پورے
سال بھر بعد آئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے
وہ کل ہی یہاں سے گئی ہو اور صبح کی گاڑی
سے لوٹ آئی ہو۔

وہاں کی کوئی چیز بھی تبدیل نہ ہوئی تھی۔

اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے کھڑے رہے ۔ ان میں سے ایک بخوبی جانتا تھا کہ تلاشی کس لئے ہوئی تھی اور اس کے انجام کا تصور کرکے پریشان ہو رہا تھا ۔ دوسرا اس بات کو نہیں جانتا تھا ۔ اس لئے محتاط اور چوکنا تھا ۔

''خدا انہیں غارت کرے ۔ شائد انہیں کسی طرح میرے بارے میں کچھ بھنک مل گئی ہے،، ژوخرائی نے سوچا ۔ ''آرتیم تو میرے بارے میں کچھ جانتا نہیں ہے ۔ پھر انہوں نے اس کے گھر کی تلاشی کیوں لی ۔ اب مجھے زیادہ محتاط رہنا پڑے گا ۔ ،،

وہ دونوں کچھ کہے بغیر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور اپنے اپنے کام پر واپس چلے گئے ۔

لیش چینسکی کے گھر پر ایک ھنگامہ مچا ہوا تھا ۔

لفٹیننٹ کو جب پتہ چلا کہ پستول غائب ہے تو اس نے اپنے اردلی کو طلب کیا ۔ اردلی نے بڑی معصومیت سے کہہ دیا کہ کسی نے چرا لیا ہوگا ۔ اس پر افسر آپے سے باھر ہو گیا، ضبط و اعتدال نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس نے اردلی کی کنپٹی پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کر دیا ۔ طمانچہ پڑتے ھی اردلی کی آنکھوں کے آگے زمین گھوم گئی ۔ لیکن وہ تنا ھوا اٹنشن کی حالت میں کھڑا رہا ۔ وہ اپنی آنکھیں مچمچا رہا تھا اور انتہائی فرمانبرداری کے ساتھ اگلے اقدام کا انتظار کر رہا تھا ۔

جب وکیل کو اس حادثے کی تشریح کے لئے بلایا گیا تو وہ چوری کی خبر سن کر بہت چراغ پا

اس نے بید مجنوں کے درخت کے ایک ٹیڑھے
میڑھے اینٹھے ہوئے تنے پر جھک کر اس کی شاخوں
کو ھٹا کر جھانکا تو اسے ایک لڑکا نظر آیا۔ اس
لڑکے کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے اور اس نے اپنے
پتلون کے پائنچے گھٹنوں کے اوپر چڑھا رکھے تھے۔
سورج کی تپش سے اس کا رنگ سنولا گیا تھا۔ اس کے
قریب ھی ٹین کا ایک زنگ خوردہ ڈبہ رکھا تھا جس
میں بنسی میں چارہ لگانے کےلئے کچھ کیڑے رکھے
تھے۔ لڑکا اپنے کام میں اتنا محو تھا کہ اس نے
لڑکی کو بھی نہ دیکھا۔

''کیا سچ مچ یہاں مچھلیاں پکڑی جا سکتی ھیں؟،،

پاویل نے غصے سے پیچھے کی طرف گردن
گھما کر دیکھا۔

بید کے درخت کا سہارا لئے ہوئے پانی کے
اوپر جھکی ہوئی ایک لڑکی وھاں کھڑی تھی جسے
پاویل نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ملاحوں
جیسا سفید رنگ کا بلاؤز جس پر نیلے رنگ کا دھاری‌دار
کالر تھا اور ھلکے سرمئی رنگ کا چھوٹا سا سایہ
پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سڈول پاؤں پر جو دھوپ
سے سنولا گئے تھے چھوٹے موزے منڈھے ہوئے تھے
اور ان موزوں کے کنارے پر رنگین دھاری تھی۔
اس کے سرخی مائل بھورے بال ایک موٹی سی چوٹی
کی شکل میں گندھے ہوئے تھے۔

پاویل کا بنسی‌والا ھاتھ کانپ گیا اور اس کے
ساتھ ھی بنسی کی ڈور میں بندھا ہوا بطخ کا پر

رس بھری کی جھاڑیاں ہمیشہ کی طرح بڑے ستھرے طریقے سے کٹی ہوئی تھیں اور باغ کے راستے بھی ہمیشہ کی طرح نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ راستوں کے دونوں طرف فرنگی بنفشے کی روشیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ پھول اس کی ماں کو سب سے زیادہ پسند تھے۔ باغ کی ہر چیز صاف ستھری اور خوشنما تھی۔ ہر چیز پر ایک ایسی چھاپ تھی جیسے کسی ماھر باغبان نے کتابوں سے حاصل کیا ھوا اپنا سارا علم اس باغ کو ترتیب دینے میں صرف کر دیا ھو۔ ان صاف ستھرے اور نپے تلے راستوں کو دیکھتے تونیا اکتا گئی تھی۔

اس نے اپنا ناول اٹھا لیا جسے وہ پڑھ رہی تھی اور برآمدے میں آنے کا دروازہ کھول کر زینے سے اترتی ہوئی باغ میں چلی گئی۔ پھر اس نے پھاٹک کی چھوٹی سی چور کھڑکی کھولی جو روغن سے چمک رہی تھی اور خراماں خراماں اسٹیشن کے پمپ ھاؤس کے پاس والے تالاب کی طرف روانہ ہوئی۔

پل پار کرکے وہ سڑک پر نکل آئی جس کے دونوں طرف درخت لگے ہوئے تھے۔ اس کی دائیں طرف تالاب تھا جس کے گرد بید مجنوں اور دوسری قسم کے بید کے درخت تھے۔ بائیں جانب جنگل کا سلسلہ شروع ھو جاتا تھا۔

وہ پتھروں کی پرانی کان کے پاس والے تالابوں کی طرف جا رہی تھی کہ اتنے میں پانی کی سطح پر مچھلی پکڑنے کی ایک بنسی کو اوپر نیچے ھوتا دیکھ کر وہ ٹھہر گئی۔

پاویل نے اب تک شرافت سے پیش آنے کی حتی‌الامکان کوشش کی تھی لیکن اب اور ضبط کرنا اس کےلئے ناممکن تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی ٹوپی آنکھوں پر سرکا لی۔ طیش میں آنے پر وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔

''بہت اچھا ہو، میم صاحبہ، اگر آپ یہاں سے اپنا راستہ ناپیں،، اس نے دانت پیس کر کہا۔ وہ اپنے جذبات اس سے زیادہ شائستہ الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا تھا۔

تونیا کی آنکھیں کچھ سکڑ گئیں اور ان میں مسکراھٹ ناچنے لگی۔

''کیا میں سچ‌سچ تمہارے کام میں رکاوٹ ڈال رہی ہوں؟،،

اس کے لہجے میں اب چھیڑخانی کا انداز نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کی بجائے ایک صلح‌جویانہ اور دوستانہ رویہ پیدا ہو گیا تھا۔ پاویل اپنے آپ کو اس کےلئے پوری طرح تیار کر چکا تھا کہ وہ ان ''میم صاحبہ،، کو جو نہ جانے کہاں سے آ ٹپکی تھیں دو چار کھری کھری باتیں سنا دےگا۔ لیکن اس کے اس رویہ کے سامنے وہ بالکل بےبس ہو گیا۔

''تمہارا جی چاہے تو چپ چاپ بیٹھ کر دیکھ سکتی ہو۔ میرا کیا جاتا ہے،، اس نے بادل ناخواستہ کہا اور دوبارہ بنسی کی ڈور میں لگے ہوئے بطخ کے پر کی طرف متوجہ ہوا لیکن وہ پھر اس خاردار جھگڑے میں الجھ گیا تھا اور اس میں کوئی شبہہ

بھی ھل گیا جس کی وجہ سے پانی کی ساکت سطح پر گول گول دائرے سے پھیلنے لگے۔

''دیکھو، دیکھو، مچھلی پھنس گئی!،، پاویل کے پیچھے سے ایک پرجوش آواز آئی۔

یہ سن کر پاویل اپنا سکون اور دل‌جمعی بالکل ھی کھو بیٹھا اور اس نے بنسی کو اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ مچھلی پکڑنے کا کانٹا اور اس کے سرے پر لگا ھوا کیڑا اچھل کر پانی کے باھر آ گئے۔

''لعنت ھے! بھلا اب مچھلی کا شکار کیے خاک ھو سکے گا! نہ جانے اسے یہاں آنے کی کیا پڑی تھی،، پاویل نے جھنجھلا کر اپنے دل میں سوچا اور اپنی جھنجھلاھٹ کو چھپانے کےلئے اس نے اب کی بار کانٹے کو اور دور پھینکا۔ لیکن کانٹا ایسی جگہ پر جا کر گرا جو اس کےلئے سب سے زیادہ ناموزوں تھی کیوں‌کہ اس جگہ پر دو خاردار پودے تھے جن میں ڈور کے بڑی آسانی سے پھنس جانے کا خطرہ تھا۔

پاویل کو فوراً احساس ھوا کہ کیا حادثہ پیش آیا ھے اور بغیر مڑے ھی اس نے شی شی کرکے لڑکی کو خاموش کرنے کی کوشش کی جو نسبتاً اونچائی پر تالاب کے کنارے بیٹھی ھوئی تھی۔

''تم سے چپ نہیں بیٹھا جاتا؟ اس طرح تو ساری مچھلیاں ڈر کے بھاگ جائیں گی۔،،

اوپر کی طرف سے ایک تضحیک آمیز آواز آئی:

''مچھلیاں تو تمہاری صورت دیکھ کر پہلے ھی بھاگ گئی ھیں اور بھلا تیسرے پہر کے وقت کوئی شریف آدمی مچھلی پکڑتا ھے؟،،



نہیں تھا کہ کانٹا بھی اسی پودے کی جڑ میں پھنس گیا تھا۔ پاویل کو اسے کھینچتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ اگر کہیں پھنس گیا تو چھڑانا دشوار ہو جائے گا۔ اور پھر اس بات پر وہ لڑکی یقیناً ہنس دے گی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ وہاں سے چلی جائے۔

لیکن تونیا بید کے درخت کے ہلکے ہلکے جھومتے ہوئے تنے پر اور بھی اطمینان کے ساتھ جم کر بیٹھ گئی تھی۔ اور گھٹنوں پر اپنی کتاب رکھے ہوئے وہ اس دھوپ میں سنولائے ہوئے، کالی آنکھوں والے اکھڑ لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس نے اتنے روکھے پن سے اس کا استقبال کیا تھا اور اب جان بوجھ کر اس کی طرف بے نیازی کا رویہ اختیار کئے ہوئے تھا۔

پاویل کو تالاب کے پانی کی آئینے جیسی شفاف سطح پر اس لڑکی کا عکس صاف نظر آ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کتاب پڑھنے میں کافی محو ہے تو احتیاط کے ساتھ اس نے جڑوں میں پھنسی ہوئی ڈور کو کھینچا۔ ڈور سے بندھا ہوا بطخ کا پر بھی پانی کی سطح کے نیچے چلا گیا اور ڈور اور بھی تن گئی۔

”لاحول و لاقوت۔ الجھ گئی نا!“ یک بیک اس کے دماغ میں یہ خیال دوڑ گیا اور ساتھ ہی اس نے کنکھیوں سے دیکھا کہ پانی کے اندر سے اس لڑکی کا ہنستا ہوا چہرہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اتنے میں پمپ ہاؤس کے پل پر سے دو نوجوان

تے ہوئے دکھائی پڑے۔ دونوں ثانوی مدرسے کی
ساتویں جماعت کے طالب‌علم تھے۔ ان میں ایک
ریلوے یارڈ کے سب سے بڑے افسر، انجینیر سخارکو
کا بیٹا تھا۔ اس کی عمر تقریباً سترہ سال کی ہوگی۔
اس کا جسم بھدا اور بےڈول اور بال سنہری رنگ
کے تھے۔ اس کے چہرے پر جھائیاں پڑی ہوئی
تھیں۔ وہ صورت سے بالکل لاابالی معلوم ہوتا تھا۔
سکول میں اس کے ساتھیوں نے اس کا نام "چیچک‌رو
سورا" رکھ چھوڑا تھا۔ وہ ہاتھ میں ایک بہت
ہی شاندار بنسی لئے تھا اور اس کے منھ کے کونے
سے سگریٹ لٹک رہی تھی۔ اس کے ساتھ ویکتر
میش‌چینسکی تھا۔ ویکتر لمبے قد کا زنانہ سا نوجوان
تھا۔

"یار، یہ لونڈیا تو بڑی پٹاخہ ہے۔ سارے
علاقے میں اس کی ٹکر کی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں"
سخارکو نے بڑے معنی‌خیز انداز میں آنکھ مار کر
اپنے دوست کی طرف جھک کر کہا۔ "ارے مجھ
سے پوچھو، میں جانتا ہوں۔ سر سے پاؤں تک
رومان اور چنچلتا میں ڈوبی ہوئی۔ چھٹی جماعت
میں کیئف کے کسی اسکول میں پڑھتی ہے۔ آج کل
یہاں گرمیوں کی چھٹیاں بتانے اپنے باپ کے پاس
آئی ہے۔ اس کا باپ یہاں کا ناظم جنگلات ہے۔
میری بہن لیزا اسے جانتی ہے۔ ایک بار میں نے
اسے ایک جذباتی سا خط بھی لکھا تھا۔ تم تو
جانتے ہو کچھ اسی قسم کی باتیں کہ "میں تمہارے
عشق میں پاگل ہوں اور بڑی بےقراری سے تمہارے

''اچھا، یہ نہ ظاہر کرو کہ تم اتنے پاک‌باز ہو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کیسی کیسی حرکتوں کو پسند کرتے ہو۔''

ویکتر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''اچھا، اس پٹاخے سے میرا تعارف نہیں کراؤگے؟''

''کیوں نہیں۔ آؤ جلدی چلیں، نہیں تو وہ نکل جائےگی۔ کل صبح وہ بھی مچھلی کا شکار کرنے گئی تھی۔''

جب دونوں دوست تونیا کے پاس پہنچے تو سخارکو نے اپنے منھ سے سگریٹ نکالی اور بڑی عاشقانہ نیازمندی کے ساتھ جھک کر اس کو تعظیم دی:

''مادیموآزیل تمانووا، آپ کا مزاج کیسا ہے؟ کیا آپ بھی مچھلی کے شکار کو آئی ہیں؟''

''نہیں، میں تو صرف دیکھ رہی ہوں'' تونیا نے جواب دیا۔

''آپ لوگوں کا تعارف تو نہیں ہے۔ یا ہے؟'' سخارکو نے ویکتر کا ہاتھ پکڑکر جلدی سے کہا۔ ''یہ ہیں میرے دوست ویکتر لیش‌چینسکی۔''

ویکتر نے کچھ بوکھلاکر تونیا کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

''لیکن آج آپ مچھلی کا شکار کیوں نہیں کر رہی ہیں؟'' سخارکو نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کی غرض سے کہا۔

جواب کا انتظار کروں گا،،۔ یہاں تک کہ میں نے خط میں نادسن کے کچھ حسب حال شعر بھی ٹکا دئیے تھے۔،،

''اچھا، تو پھر نتیجہ کیا نکلا؟،، ویکتر نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''ارے، اس کے تو مزاج ھی نہیں ملتے تھے۔ بڑے نخرے کئیے،، سخارکو نے ذرا جھینپ کر دھیرے سے کہا۔ ''مجھ سے کہنے لگی، خط لکھنے میں کیوں بیکار کاغذ ضائع کرتے ھو۔ اور اسی قسم کی نہ جانے کیا کیا باتیں۔ لیکن شروع شروع میں تو سب کا یہی حال ھوتا ھے۔ میں تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی ھوں۔ اصل بات تو یہ ھے کہ میں تو اس روینٹک خرافات کا قائل ھی نہیں ھوں کہ برسوں بیٹھے چاند کو تک رھے ھیں اور سرد آھیں بھر رھے ھیں۔ اس سے کہیں زیادہ آسان یہ بات ھے کہ شام کو نکلے اور ٹہلتے ھوئے مستریوں کی بارکوں کی طرف چلے گئے، وھاں تین روبل میں ایسی حسینہ مل جاتی ھے کہ منھ میں پانی آ جائے اور کوئی جھنجھٹ بھی نہیں۔ میں تو وھاں والکا تیخونوف کے ساتھ اکثر جایا کرتا تھا۔ جانتے ھو نا اسے؟ وہ ریلوے فورمین کا بیٹا ھے۔،،

ویکتر حقارت سے ناک بھوں سکیڑنے لگا۔

''شورا، تمہارے کہنے کا یہ مطلب ھے کہ تم اس قسم کی گندگی میں بھی حصہ لیتے ھو؟،،

شورا نے اپنی سگریٹ چبا کر زور سے زمین پر تھوکا اور منھ بنا کر بولا:

پاویل نے سر اٹھا کر سخارکو کو ایسی نظروں سے دیکھا جن میں یہ انداز صاف جھلک رہا تھا کہ اس کا ارادہ کچھ نیک نہیں ہے۔

''میں کہتا ہوں چپ رہو۔ خبردار جو اب کچھ کہا!،،

''کیا کہا؟،، سخارکو برس پڑا۔ ''تیری یہ مجال کہ مجھ سے زبان درازی کرتا ہے، دو کوڑی کا چھوکرا! بھاگ جا یہاں سے!،، اتنا کہہ کر اس نے کیڑوں والے ڈبے پر ایک زور کی ٹھوکر لگائی اور ڈبہ ہوا میں چکر کھاتا ہوا جا کر تالاب میں گرا جس سے پانی اچھل کر تونیا کے چہرے پر جا پڑا۔

''سخارکو، شرم نہیں آتی تمہیں!،، اس نے چلا کر کہا۔

پاویل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سخارکو ریلوے یارڈ کے سب سے بڑے افسر کا بیٹا تھا اور آرتیم وہیں کام کرتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس نے اس کے سکروہ چوہے جیسے تھوبڑے پر ایک مکا رسید کر دیا تو وہ جا کر اپنے باپ سے شکایت کر دے گا اور پھر آرتیم مصیبت میں پھنس جائے گا۔ صرف اسی بات کا خیال کرکے وہ رک گیا ورنہ وہ تو مسئلے کو وہیں کا وہیں حل کر دیتا۔

یہ دیکھ کر کہ پاویل اس پر کسی بھی لمحے حملہ کر دے گا سخارکو آگے جھپٹا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پر زور کا دھکا مارا۔

"میں آج اپنی بنسی بھول آئی"، تونیا نے جواب دیا۔

"میں آپ کے لئے ابھی دوسری لئے آتا ہوں" سخارکو نے کہا۔ "تب تک آپ یہ استعمال کر سکتی ہیں۔ میں ابھی ایک منٹ میں آیا۔"

ویکتر سے اس لڑکی کا تعارف کرا دینے کا اس نے جو وعدہ کیا تھا وہ اس نے پورا کردیا تھا۔ اور اب وہ ان دونوں کو اکیلا چھوڑ دینے کی جلدی میں تھا۔

"نہیں جانے دیجئے۔ ہم لوگ بلاوجہ کسی کی راہ میں رکاوٹ کیوں ڈالیں۔ آج تو یہاں ایک اور صاحب شکار کر رہے ہیں"، تونیا نے کہا۔

"رکاوٹ کس کی راہ میں؟"، سخارکو نے پوچھا۔ "اچھا آپ کا مطلب ان حضرت سے ہے؟"، اب تک اس کی نظر پاویل پر نہیں پڑی تھی کیونکہ وہ ایک جھاڑی کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ "ارے انہیں تو میں ابھی دو دھکوں میں یہاں سے کھسکائے دیتا ہوں۔"

قبل اس کے کہ تونیا اسے روکتی وہ لپک کر اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں پاویل بیٹھا ہوا اپنی بنسی اور کانٹے سے الجھ رہا تھا۔

"اپنی بنسی لے کر اب یہاں سے رفوچکر ہو جاؤ"، سخارکو نے پاویل سے کہا۔ جب پاویل خاموشی کے ساتھ مچھلی کے شکار میں مصروف رہا تو سخارکو نے پھر کہا: "جلدی کرو، کھسکو یہاں سے..."

داھنی ٹانگ سخت رکھو اور داھنا گھٹنا جھکا لو۔ مکا مارتے وقت اپنے جسم کا پورا زور اس میں لگا دو اور اوپر کی طرف ٹھوڑی پر وار کرو۔،،

کھٹاک!..

دفعتاً دانتوں کے ٹکرانے کی ایک کرخت آواز ھوئی اور سخارکو کو ایسا محسوس ھوا کہ جیسے اس کی ٹھوڑی میں کسی نے چھرا بھونک دیا ھو۔ دانتوں کے بیچ آکر اس کی زبان بھی کٹ گئی تھی۔ درد کے مارے وہ تلملا اٹھا۔ اپنے دونوں ھاتھ پھیلاکر اس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اوندھے منھ پانی میں جا گرا اور اس کے گرتے ھی ایک زور کا چھپاکا ھوا۔

تالاب کے کنارے کھڑی ھوئی تونیا کا ھنسی کے مارے برا حال تھا۔

”شاباش، شاباش!،، اس نے تالی بجاتے ھوئے کہا۔ ”کیا ھاتھ مارا ھے!،،

جڑوں میں الجھی ھوئی اپنی بنسی کو پکڑکر پاویل نے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ یہ ٹوٹ گئی اور وہ چل دیا۔

پاویل نے جاتے جاتے ویکٹر کو تونیا سے کہتے سنا: ”یہ پاویل کورچاگن ھے۔ اس کا ایسا بدمعاش کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گا۔،،

اسٹیشن پر کسی ھنگامے کے آثار نظر آ رھے تھے۔ افواہ تھی کہ اس ریلوے لائن پر کام کرنےوالے مزدور ھڑتال کرنےوالے تھے۔ اس اسٹیشن کے بعدوالے

پاویل پانی کے بالکل کنارے کھڑا تھا، دھکا لگتے ھی وہ بری طرح لڑکھڑا گیا لیکن کسی طرح ھاتھ پاؤں مارکر وہ سنبھلا اور اس نے اپنے آپ کو تالاب میں گرنے سے بچا لیا۔

سخارکو عمر میں پاویل سے دو برس بڑا تھا اور چھٹا ھوا فسادی اور غنڈہ تھا۔

سینے پر مکا کھاکر پاویل غصے کے مارے آپے سے باھر ھوگیا۔

''اچھا، تو یہ چاھتے ھو تم! تو یہ لو!،، اور یہ کہہ کر اس نے اپنے بازو کی ایک مختصر سی جنبش سے سخارکو کے منھ پر ایک زناٹے کا طمانچہ رسید کر دیا۔ جب تک سخارکو سنبھلے سنبھلے پاویل نے اس کا گریبان مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے دبوچ کر پانی میں گھسیٹ لایا۔

سخارکو تالاب میں گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا پوری طاقت سے اپنے آپ کو پاویل کی آھنی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رھا تھا۔ اس کی پتلون اور چمک‌دار جوتے بالکل تربتر ھو گئے تھے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد پاویل کود کر کنارے پر آکھڑا ھوا۔ سخارکو نے غصے سے بیتاب ھوکر پاویل پر حملہ کیا۔ اسے اتنا غصہ آ رھا تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ پاویل کی بوٹی بوٹی اڑا دیتا۔

جس وقت اپنے حریف کا مقابلہ کرنے کےلئے پاویل پھرتی سے مڑا اس وقت اسے یاد آیا:

''اپنے جسم کا بوجھ اپنے بائیں پاؤں پر رکھو،

میں کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے،، اس لحیم شحیم جسم‌والے مستری نے جواب دیا تھا۔ ،،لیکن اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو تم ہر قسم کے کام کےلئے مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔،،

فیودور کو اطمینان ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آرتیم کچا آدمی نہیں ہے اور وہ اپنی بات کا دھنی بھی ہے۔ ،،جہاں تک پارٹی کا تعلق ہے وہ ابھی اس کے لائق نہیں ہے۔ خیر، کوئی بات نہیں ہے،، اس نے سوچا۔ ،،ایسے زمانے میں وہ بہت جلد خود ھی سب کچھ سمجھنے لگےگا۔،،

فیودور بجلی گھر چھوڑکر ریلوے یارڈ میں کام کرنے لگا تھا۔ وھاں رہ‌کر وہ اپنا کام زیادہ آسانی سے کر سکتا تھا۔ بجلی گھر میں کام کرنے سے ریلوے مزدوروں کے ساتھ اس کا کوئی بھی تعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

ریلوں کی آمدورفت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جرمن فوجیں یوکرین کا مال لوٹ لوٹ‌کر جرمنی بھیج رہی تھیں۔ ہزاروں گاڑیوں میں مال ڈھو ڈھوکر جرمنی پہنچایا جا رہا تھا — رئی، گیہوں، مویشی...

ایک دن ھیٹ‌مین کے سنتریوں نے اسٹیشن کے تاربابو پونوسارینکو کو گرفتار کر لیا۔ اس حملے کا پہلے سے کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ اسے فوجی حوالات میں لے جاکر بےرحمی سے پیٹا گیا۔

بڑے اسٹیشن کے یارڈ کے مزدوروں نے تو ایک زبردست تحریک شروع بھی کر دی تھی۔ پرچے بانٹنے کے شبہے میں جرمنوں نے دو انجن ڈرائیوروں کو گرفتار بھی کیا تھا۔ جن مزدوروں کا تعلق ابھی تک دیہات سے قائم تھا ان میں بڑی کھلبلی تھی کیونکہ ان کی چیزیں ضبط کی جا رہی تھیں اور بڑے بڑے زمین‌داروں کو زمینیں واپس دی جا رہی تھیں۔

کسانوں کی پیٹھوں پر ہیٹ‌مین کے سپاهیوں کے کوڑوں کے زخم پڑے تھے۔ صوبے میں چھاپہ‌مار تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ بالشویک اسوقت تک تقریباً ایک درجن چھاپہ‌مار دستے منظم کر چکے تھے۔

ان دنوں ژوخرائی کو دم مارنے کی فرصت نہیں تھی۔ شہر میں اپنے قیام کے دوران میں اس نے بہت کافی کام کر لیا تھا۔ ریلوے میں کام کرنے‌والے بہت سے مزدوروں کے ساتھ اس نے ربط ضبط پیدا کر لیا تھا۔ اس نے نوجوانوں کے کئی جلسوں میں بھی شرکت کی تھی۔ اور ریلوے یارڈ کے مستریوں اور لکڑی چیرنے کے کارخانے کے مزدوروں میں اس نے ایک کافی مضبوط ٹولی منظم کر لی تھی۔ وہ جاننا چاهتا تھا کہ آرتیم کتنے پانی میں ھے اسی لئے اس نے ایک بار اس سے پوچھا بھی تھا کہ بالشویک پارٹی اور اس کے نصب‌العین کے بارے میں اس کا کیا خیال ھے۔

”فیودور، سجھے ان پارٹیوں وارٹیوں کے بارے

ایک نے جو بھرے ہوئے جسم کا ناٹا سا آدمی تھا کندھے پر سے اپنی رائفل اتار لی جس کے سرے پر چوڑے پھل والی سنگین لگی ہوئی تھی اور پھر بڑی مستعدی کے ساتھ اس نے رائفل کا گھوڑا چڑھا دیا۔

''ہالٹ!،، وہ کتے کی طرح بھونکا۔ وہ ذرا سی جنبش پر گولی چلا دینے کو تیار تھا۔

وہ لحیم شحیم طاقت‌ور سستری پدی بھر کے اس سپاھی کے سامنے بےبس کھڑا رہا۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

رسان اور آرتیم دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ آرتیم کو تو گھنٹے بھر بعد چھوڑ دیا گیا۔ لیکن رسان کو تہ‌خانے میں سامان رکھنے کی ایک کوٹھری میں بندکر دیا گیا۔

گرفتاری کے دس منٹ کے اندر اندر تمام لوگوں نے کام روک دیا۔ ریلوے یارڈ کے تمام مزدور اسٹیشن کے پارک میں جمع ہو گئے۔ سوئچ‌مین اور سپلائی کے گوداموں میں کام کرنےوالے لوگ بھی آکر ان میں مل گئے۔ لوگوں میں بےحد غم و غصہ تھا۔ کسی نے اس مطالبہ کا ایک تحریری مسودہ پیش کیا کہ رسان اور پونوسارینکو کو فوراً رہا کیا جائے۔

لوگوں کا غصہ اور بھی زیادہ تیز ہو گیا جب نائب کمانڈانٹ سنتریوں کی ایک ٹکڑی لےکر، پستول چمکاتا ہوا پارک میں آیا اور چلانے لگا:
''کام پر واپس جاؤ، نہیں تو میں ایک ایک

ظاہر ہے کہ آرتیم کے دوست رمان سدورینکو کے بارے میں تمام باتیں اسی نے قبول دی ہوں گی۔

کارخانے میں کام کے دوران ہی میں دو جرمن سپاہی اور ہیٹ‌مین کا ایک گارد جو اسٹیشن کمانڈانٹ کا نائب تھا، رمان کی تلاش میں آئے۔ ایک لفظ کہے بغیر ہی نائب کمانڈانٹ اس جگہ پہنچ گیا جہاں رمان کام کر رہا تھا اور اس نے رمان کے منھ پر گھوڑے کا چابک مارکر اسے لہولہان کر دیا۔

''ادھر چل، حرام‌زادے!،، اس نے کہا۔ ''ہمیں تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں،، انتہائی غصہ اور حقارت کی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر اس نے اس مستری کا ہاتھ پکڑکر زور سے موڑ دیا۔ ''ابھی تجھے سزا چکھائے دیتے ہیں مزدوروں کے بھڑکانے کا!،،

آرتیم نے، جو رمان کے پاس ہی کھڑا کام کر رہا تھا، اپنے ہاتھ کی ریتی وہیں ڈال دی اور نائب کمانڈانٹ کے پاس آیا۔ اس وقت اس کا لحیم شحیم جثہ بہت بھیانک دکھائی دے رہا تھا، جیسے وہ کوئی خطرناک کام کرنے کےلئے پر تول رہا ہو۔

''خبردار جو اس پر ہاتھ اٹھایا، حرامی!،، اپنے غصے پر قابو پانے کی پوری کوشش کے باوجود آرتیم نے کرخت لہجے میں کہا۔

نائب کمانڈانٹ پیچھے ہٹ گیا اور ساتھ ہی اس نے اپنا پستول نکال لیا۔ جرمن سپاہیوں میں سے

ایک بڑے سے سائبان میں بھیڑوں کی طرح ٹھونس دیا گیا اور ان کے سامنے یہ دو صورتیں رکھی گئیں کہ یا تو وہ کام پر واپس جائیں یا کورٹ مارشل کا سامنا کریں۔

ساری ریلوے لائن پر تقریباً تمام مزدور ہڑتال پر تھے۔ مکمل ایک دن اور ایک رات تک ادھر سے ہوکر ایک بھی گاڑی نہیں گذری۔ وہاں سے تقریباً پچھتر میل کے فاصلے پر چھاپہ ماروں کے ایک بہت بڑے دستے کے ساتھ زبردست لڑائی ہو رہی تھی۔ چھاپہ ماروں نے ریلوے لائن کاٹ دی تھی اور پل اڑا دئے تھے۔

رات کے وقت جرمن سپاہیوں سے بھری ہوئی ایک گاڑی اسٹیشن پر آئی لیکن وہاں سے آگے نہ جا سکی کیوں کہ انجن ڈرائیور، اس کا مددگار اور فائرمین انجن چھوڑکر بھاگ گئے تھے۔ اسٹیشن کی بغلی پٹریوں پر دو گاڑیاں اور بھی آگے جانے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

مال گودام کے سائبان کا جنگی سا پھاٹک کھلا اور اسٹیشن کمانڈانٹ ایک جرمن لفٹیننٹ، اس کا نائب اور دوسرے جرمن سپاہیوں کی ایک ٹکڑی اندر داخل ہوئی۔

”کورچاگن، پولین توفسکی، بروزاک“، نائب کمانڈانٹ نے یہ تین نام پکارے۔ ”تم لوگوں کو انجن پر کام کرنا ہے اور ایک گاڑی لے کر فوراً آگے جانا ہے۔ اگر تم انکار کروگے تو تمہیں یہیں گولی مار دی جائے گی۔ بولو، کیا کہتے ہو؟“

کو گرفتار کر لوں گا۔ اور کچھ کو ابھی گولی سے اڑا دوں گا!،،

غصے سے بےقابو مزدوروں نے اس کا اتنا گرج کر جواب دیا کہ اسے پناہ لینے کےلئے اسٹیشن کی طرف بھاگتے ھی بن پڑا۔ لیکن اسی اثنا میں اسٹیشن کمانڈانٹ نے شہر سے جرمن فوجیں بلوا لی تھیں۔ اور کئی ٹرکیں متعدد جرمن سپاھیوں کو لادے ہوئے اسٹیشن کی طرف جانےوالی سڑک پر روانہ ہو چکی تھیں۔

سزدور تتربتر ھوکر جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔ ایک شخص بھی حتیٰ کہ اسٹیشن ماسٹر تک اپنے کام پر موجود نہیں تھا۔ ژوخرائی کے کام کا اثر نظر آنے لگا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسٹیشن کے سزدوروں نے کوئی اجتماعی قدم اٹھایا تھا۔

جرمنوں نے پلیٹ‌فارم پر ایک بھاری مشین گن لگا دی۔ وہ مشین گن وھاں پر اس طرح لگی ہوئی تھی جیسے شکار کا پتہ لگانےوالا کتا شکار کو دیکھ‌کر منھ اوپر اٹھاکے کھڑا ھو جاتا ھے۔ مشین گن کے پاس ایک جرمن کارپورل اس کو چلانےوالی موٹھ پر ھاتھ رکھے بیٹھا تھا۔

اسٹیشن پر الو بولنے لگا۔

رات کے وقت گرفتاریاں شروع ھوئیں۔ گرفتار کئے جانےوالوں میں آرتیم بھی تھا۔ اس رات کو گھر واپس نہ جانے کی وجہ سے ژوخرائی بچ گیا۔

تمام گرفتارشدہ لوگوں کو سال گودام کے

کنکھیوں سے اس جرمن سپاهی کی طرف دیکھا جو پیچھے کوئلہ والے ڈبے پر بیٹھا هوا تھا۔

''میرا بھی یہی خیال ھے،، آرتیم نے چپکے سے کہا۔ ''بس همارے پیچھے جو یہ چنڈول بیٹھا ھے اسی کی وجہ سے ساری دقت ھے۔،،

''سو تو ھے،، بروژاک نے کھڑکی کے باھر سر نکال کر کہا۔ اس کے لہجے سے یہ واضح نہیں تھا کہ وہ کس بات کے حق میں ھے۔

پواین توفسکی کھسک کر آرتیم کے قریب آ گیا۔

''هم لوگ یہ گاڑی منزل تک نہیں لے جا سکتے، سمجھے؟،، اس نے اس کے کان میں کہا۔ ''آگے لڑائی چل رهی ھے۔ همارے ساتھیوں نے ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی هیں۔ ایسی حالت میں کیا هم لوگ ان سوروں کو لے جا کر وهاں پہنچا دیں گے کہ یہ انہیں گولیوں سے بھون ڈالیں؟ بیٹا، تمہیں شائد نہیں معلوم کہ زار کے زمانے میں بھی میں نے هڑتال کے دوران میں کبھی کوئی انجن نہیں چلایا اور نہ آج چلاؤں گا۔ اگر هم اپنے هی ساتھیوں کی تباهی کا باعث بنیں تو عمر بھر کے لئے همارے منھ پر کالک لگ جائے گی۔ جو لوگ اس انجن کو هم سے پہلے چلا رهے تھے آخر وہ بھی تو بھاگ گئے، کیوں ھے نا؟ انہوں نے اپنی جان خطرہ میں ڈال دی لیکن اپنا مقصد پورا کرکے دکھا دیا۔ هم کسی بھی حالت میں اس گاڑی کو اس کی منزل تک نہیں لے جا سکتے۔ تمہارا کیا خیال ھے؟،،

تینوں مزدوروں نے خاموشی سے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ پہرے میں انہیں وہاں سے باہر نکالا گیا اور نائب کمانڈانٹ دوسری گاڑی کےلئے انجن ڈرائیور، اس کے مددگار اور فائرمین کے نام پکارنے لگا۔

انجن نے ایک خراٹا سا بھرا جیسے بہت خفا ہو اور اس کی چمنی میں سے جھنڈ کی جھنڈ چنگاریاں نکل کر فضا میں بکھر گئیں۔ گہرے سانس لیتا ہوا انجن اپنے سامنے کے اندھیرے کو چیرتا ہوا پٹری پر رات کی تاریک گہرائیوں میں آگے بڑھا۔ آرتیم نے انجن کی بھٹی میں کوئلہ جھونک کر پاؤں کی ٹھوکر سے اس کا دروازہ بند کر دیا اور اوزاروں کے بکس پر رکھی ہوئی چھوٹی ٹونٹی‌والی کیتلی سے پانی کا ایک گھونٹ پی کر وہ بوڑھے انجن ڈرائیور پولین‌توفسکی سے مخاطب ہوا:

”اچھا بابا، تو کیا ہم اسے منزل تک پہنچا ہی دیں گے؟“

پولین‌توفسکی کی آنکھیں اس کی گھنی، لٹکی ہوئی بھنوؤں کے نیچے جھنجھلاہٹ کے مارے تیزی سے جھپکنے لگیں۔

”ایسی حالت میں جب کہ تمہارے پیچھے ایک آدمی مسلسل سنگین لئے کھڑا ہو اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔“

”ہم لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانے کی کوشش کیوں نہ کریں“ بروژاک نے

آرتیم چونک پڑا۔ پولین توفسکی نے بھنچے ہوئے دانتوں سے کہا:

''اور کوئی راستہ ھی نہیں ھے۔ پہلے ھم اس کی کھوپڑی توڑکر اس کا کام تمام کر دیں گے اور پھر بخارے اور بیرم کو بھٹی میں پھینک کر بھاپ بند کرکے ھم لوگ بھاگ لیں گے۔،،

آرتیم کو ایسا محسوس ھوا جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ ھٹ گیا ھو، وہ بولا:

''ٹھیک ھے!،،

پھر بروژاک کی طرف جھک کر اس نے اپنا فیصلہ اسے بتا دیا۔

بروژاک نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لوگ ایک بہت بڑا خطرہ مول رھے تھے۔ ان میں سے ھر ایک کو اپنے کنبے کی فکر تھی۔ پولین توفسکی کا کنبہ سب سے بڑا تھا، وہ نو آدمیوں کا پیٹ پالتا تھا۔ لیکن وہ تینوں اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ یہ گاڑی منزل تک نہیں پہنچا سکتے۔

''اچھی بات ھے، میں تم لوگوں کے ساتھ ھوں،، بروژاک نے کہا۔ ''لیکن اس موذی کا کیا کروگے؟ اسے کون؟..،، اس نے اپنی بات پوری نہیں کی۔ لیکن آرتیم اسکا مطلب بخوبی سمجھ گیا۔

آرتیم نے پولین توفسکی کی طرف دیکھا جو اس وقت بخارے کے ساتھ کچھ کر رھا تھا۔ آرتیم نے سر ھلاکر اس پر یہ ظاھر کر دیا کہ بروژاک بھی ان سے متفق ھے لیکن ایک مسئلہ اسے بہت

''بابا، کہتے تو تم ٹھیک ہو مگر اس کا کیا کروگے؟،، اس نے آنکھ سے اس سپاہی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

ڈرائیور نے بھی اپنی بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔ پھر اس نے ایک چیتھڑے سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور خونی آنکھوں سے انجن کے پریشر گیج کو گھورنے لگا جیسے اس میں وہ اس سوال کا جواب تلاش کر رہا ہو جو اُسے مستقل پریشان کر رہا تھا۔ پھر غصے اور لاچاری سے وہ گالیاں بکنے لگا۔

آرتیم نے کیتلی میں سے پھر تھوڑا سا پانی پیا۔ وہ دونوں ایک ہی بات کے بارے میں سوچ رہے تھے لیکن کسی کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس گہرے سکوت کو توڑے۔ آرتیم کو ژوخرائی کا سوال یاد آیا کہ ''اچھا بھائی، یہ تو بتاؤ کہ بالشویک پارٹی اور کمیونسٹ نظریے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟،، اور اپنا جواب بھی کہ ''میں ہمیشہ مدد کرنے کے لئے تیار ہوں، تم مجھ پر پورا بھروسہ کر سکتے ہو...،،

''اچھی مدد کر رہا ہوں،، اس نے سوچا۔ ''دشمن کے سپاہیوں کو اپنے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے لے جا رہا ہوں...،،

اس وقت پولین توفسکی آرتیم کے برابر اوزاروں کے بکس پر جھکا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

''اس شخص کو ہمیں ٹھکانے لگانا ہے، سمجھے؟،،

ئنے میں پولین توفسکی نے اس کے کان میں دھیرے
ے کہا:
''نہیں، میں ھی کروں گا۔ زیادہ ٹھیک رہے گا۔
م بیلچہ لے کر اوپر چڑھ جاؤ اور یہ ظاھر کرو
کہ تم کوئلہ گرانے آئے ھو۔ اگر ضرورت پڑے
ئو ایک بیلچہ تم بھی جڑ دینا۔ میں یہ ظاھر
کروں گا کہ میں کوئلے کو سبل سے کرید رھا
ھوں۔''

بروژاک نے ان کی بات سنی اور اپنا سرھلا
دیا۔ ''بوڑھا ٹھیک کہتا ھے'' اس نے کہا اور
بخارے کے پاس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ھو گیا۔

جرمن سپاھی اپنے دونوں پیروں کے بیچ میں
ئفل تھامے کوئلےوالے ڈبے کی کگر پر بیٹھا
سگر پی رھا تھا۔ اس کے سر پر ایک کشتی دار
وجی ٹوپی تھی جس کے چاروں طرف ایک سرخ فیتہ
لگ ھوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ انجن چلانےوالوں
پر جو اپنی اپنی جگہوں پر کام میں مصروف تھے
یک نظر ڈال لیتا تھا۔

جس وقت آرتیم کوئلے کے ڈھیر پر چڑھا
سنتری نے اس کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔
پھر جب پولین توفسکی نے یہ ظاھر کرتے ھوئے کہ
وہ کوئلےوالے ڈبے میں ایک طرف کو پڑے ھوئے
بڑے بڑے ٹکڑے نکالنا چاھتا ھے، اس سپاھی سے
یک طرف ھٹ جانے کےلئے اشارہ کیا تو جرمن
سپاھی بلا کسی عذر کے انجن میں داخل ھونےوالے
دروازے کی طرف سرک آیا۔

پریشان کر رہا تھا جس کا ابھی تک کوئی حل نہیں نکلا تھا۔ وہ اس بوڑھے کے اور قریب آ گیا۔

''لیکن یہ سب کچھ کریں گے کیسے؟''

پولین توفسکی نے آرتیم کی طرف دیکھا۔

''پہلا وار تمہیں کرو۔ تمہیں سب سے زیادہ طاقت‌ور ہو۔ پھر ہم سبل سے اس کا کام تمام کر دیں گے، باقی سب ٹھیک ہو جائے گا'' بوڑھا بہت مشتعل ہو گیا تھا۔

آرتیم نے بھنویں سکیڑ کر کہا:

''مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ میں نہیں کر سکتا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس آدمی کا قصور کیا ہے؟ اسے بھی تو سنگین کی نوک کے سہارے اس کام میں گھسیٹا گیا ہے۔''

پولین توفسکی کی آنکھیں شرارے برسانے لگیں۔

''کیا کہا تم نے اس کا کوئی قصور نہیں۔ ہمیں جو یہ کام کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے تو اس میں ہمارا ہی کیا قصور ہے۔ لیکن تم یہ بھولتے ہو کہ ہم لوگ دشمن کے سپاہیوں کی گاڑی لئے جا رہے ہیں جو کہ ہمارے ساتھیوں کو مارنے جا رہے ہیں۔ تمہارے یہ بھولے بھالے معصوم سپاہی چھاپہ‌ماروں پر گولی چلانے جا رہے ہیں۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ سارا قصور ان چھاپہ‌ماروں کا ہے؟ نہیں میرے بچے، تم میں طاقت تو بہت ہے مگر عقل اتنی ہی کم ہے۔''

''اچھی بات ہے، اچھی بات ہے'' آرتیم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس نے سبل اٹھا لیا لیکن

میں غائب ہو جاتے۔ انجن کے آگے لگی ہوئی تیز
بتی رات کی سیاہ تاریکیوں کا کفن چیرنے کی شدید
کوشش کر رہی تھی۔ لیکن بارہ تیرہ گز سے زیادہ
دور تک اندھیرے کو چیرنا اس کے لئے ممکن نہ
تھا۔ انجن کا اکھڑتا ہوا سانس رفتہ رفتہ بالکل دھیما
پڑنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی رہی سہی
طاقت بھی ختم ہو چکی ہے۔

''کود جاؤ، بیٹا!،، آرتیم کو پیچھے سے
پولین توفسکی کی آواز سنائی دی۔ اور اس نے انجن
کے دروازے کے باہر لگی ہوئی لوہے کی چھڑ کو
جسے وہ پکڑے ہوئے تھا چھوڑ دیا۔ گاڑی کی رفتار
کی وجہ سے اس کا تنومند جسم ایک جھٹکے کے ساتھ
لڑکھڑاتا ہوا آگے کی طرف گرا۔ لیکن ایک ہی
لمحے میں اس کے پاؤں زمین سے آ لگے۔ اسے ایسا
محسوس ہوا جیسے زمین خود اوپر اٹھ کر اس کے
پاؤں سے آ لگی ہو۔ وہ ایک دو قدم آگے کی طرف
بھاگا، پھر قلابازی کھا کر دھم سے منھ کے بل گر
پڑا۔

اس کے بعد دو اور سائے انجن سے باہر
کودے۔ ایک انجن کے ایک طرف سے اور دوسرا
دوسری طرف سے۔

بروزاک کے گھر پر سوگ طاری تھا۔ سرگئی
کی ماں آنتونینا واسیلیونا پچھلے چار دنوں سے رو رو کر
اپنا کلیجہ نکالے دے رہی تھی۔ اسے اپنے شوہر
کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی، صرف اتنا معلوم

دفعتاً اس جرمن سپاھی کی کھوپڑی کے چٹخنے کی آواز سن کر آرتیم اور بروژاک دونوں اچھل پڑے جیسے دھکتے ھوئے انگاروں پر ان کا پاؤں پڑ گیا ھو ۔ سبل کے ایک ھی وار میں اس جرمن سپاھی کی کھوپڑی پچی ھو گئی اور اس کی لاش لڑھکتی پڑھکتی انجن میں جانے والے گلیارے میں آگری ۔

سرمئی رنگ کی اونی کشتی‌دار ٹوپی میں سے رس رس کر خون بڑی تیزی سے بہہ نکلا اور اس کی رائفل ایک کرخت جھنجھناھٹ پیدا کرتی ھوئی کوئلےوالے ڈبے کی لوھے کی دیوار سے ٹکرائی ۔

''ختم ھو گیا،، پولین توفسکی نے سبل کو فرش پر ڈالتے ھوئے دھیرے سے کہا ۔ ''اب ھمارے لئے پیچھے ھٹنے کا کوئی سوال نہیں ھے،، اس نے اضافہ کیا، اس کا چہرہ بےاختیار پھڑک رھا تھا ۔

اس کی آواز ٹوٹ گئی اور پھر ان تینوں آدمیوں پر جو گہرا سکوت طاری ھو گیا تھا اسے توڑتے ھوئے ایک بیک چیخ میں تبدیل ھو گئی ۔

''بخارہ کھول دو ، جلدی کرو !،، اس نے چلا کر کہا ۔

دس منٹ کے اندر سارا کام پورا ھو گیا ۔ انجن کو قابو میں رکھنےوالا اب کوئی بھی پرزہ کام نہیں کر رھا تھا اور اس کی رفتار دھیرے دھیرے کم ھوتی جا رھی تھی ۔

انجن کی آس پاس کی روشنی کے دائرے میں راستے کے پیڑ ایک لمحے کے لئے سیاہ افسردہ شکلوں میں نمودار ھوتے اور پھر پیچھے گھٹاٹوپ اندھیرے

عورتوں کو اپنی اپنی جگہ پر یہ امید تھی کہ دوسری کو کچھ اطلاع ہوگی۔ لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی ان کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔

رات کو کورچاگن کے گھر پر بھی تلاشی ہوئی تھی۔ سپاہی آرتیم کی تلاش میں آئے تھے ور چلتے چلتے ماریا یاکوولیونا کو ہدایت دے گئے تھے کہ آرتیم جیسے ہی گھر واپس آئے فوراً کمان کے صدر دفتر میں اطلاع دی جائے۔

سنتریوں کے آتے ہی مارے ڈر کے آرتیم کی ماں کے حواس گم ہو گئے تھے۔ وہ گھر پر اکیلی ہی تھی کیوں کہ پاویل رات کی پالی میں کام کرنے بجلی گھر گیا ہوا تھا۔

جب پاویل صبح سویرے کام پر سے گھر واپس لوٹا اور اسے اپنی ماں سے تلاشی کی بابت معلوم ہوا تو وہ اپنے بھائی کی خیریت کی فکر سے بےقرار ہو گیا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کا دل کھرچ رہا ہے۔ حالانکہ ان دونوں بھائیوں کے مزاج بہت مختلف تھے اور آرتیم اس کے ساتھ بظاہر بڑی رکھائی سے پیش آتا تھا لیکن پھر بھی دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے بڑی محبت تھی۔ ان کی محبت بہت ہی غیرجذباتی قسم کی تھی اور وہ اس کا بہت زیادہ اظہار بھی نہیں کرتے تھے لیکن پاویل جانتا تھا کہ کوئی بھی قربانی ایسی نہیں تھی جو وہ اپنے بھائی کی خاطر کرنے کو تیار نہ ہو۔

ہو سکا تھا کہ جرمنوں نے اسے زبردستی کورچاگن اور پولین‌توفسکی کے ساتھ انجن چلانے کےلئے بھیج دیا تھا اور کل ہیٹ‌مین کے تین سنتریوں نے آکر اس سے بڑی بدتمیزی اور گالی گفتار کے ساتھ سوال جواب کیا تھا۔

ان کی باتوں سے اسے کچھ یہ اندازہ ہوا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔ ان سپاہیوں کے جاتے ہی وہ شدید بےچینی کے عالم میں سر پر جلدی سے رومال باندھ کر اس امید میں ماریا یاکووایونا کے گھر چل پڑی تھی کہ شائد وہاں اسے اپنے شوہر کے بارے میں کوئی خبر مل سکے۔

اس کی سب سے بڑی بیٹی والیا نے جو باورچی خانہ صاف کر رہی تھی اسے چپکے سے گھر سے باہر جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''ماں، کہاں جا رہی ہو؟،، بیٹی نے پوچھا۔

''کورچاگن کے ہاں،، آنتونینا واسیلیونا نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اپنی بیٹی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''شائد ان لوگوں کو تمہارے باپ کی کوئی خبر ہو۔ اگر سرگئی آئے تو اس سے کہنا کہ وہ اسٹیشن جاکر ذرا پولین‌توفسکی کے گھر پر بھی پتہ لگا آئے۔،،

والیا نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''ماں، تم فکر نہ کرو،، بیٹی نے ماں کو دروازے پر رخصت کرتے ہوئے کہا۔

ماریا یاکوولیونا نے حسب معمول بڑی گرمجوشی کے ساتھ آنتونینا واسیلیونا کا استقبال کیا۔ ان دونوں

''نہیں، باھر گئی ھوئی ھیں۔''
''کہاں گئی ھیں؟''
''میرے خیال میں کورچاگن کے ھاں گئی ھیں۔'' کلیمکا جوں ھی باھر بھاگنے کےلئے مڑا والیا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''ماں سے تمہیں کیا لینا دینا؟''

کلیمکا نے جھجھکتے ھوئے سر اٹھا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

''مجھے ان سے ایک ضروری کام سے ملنا ھے''، اس نے جرأت کرکے کہا۔

''آخر کیا کام ھے؟''، والیا اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ ''بتانا کیا کام ھے، لال سروالا بھالو کہیں کا۔ بتاتا کیوں نہیں؟ مجھے بلاوجہ دگدھا میں کیوں ڈال رکھا ھے''، لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ژوخرائی کی تنبیہات اور سخت ھدایات کو فراموش کرکے کہ پرچہ آنتونینا واسیلیونا کے علاوہ اور کسی کے ھاتھ میں نہ دیا جائے کلیمکا نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک میلا سا ٹکڑا نکالا اور اس لڑکی کے حوالے کر دیا۔ وہ سرگئی کی اس خوبصورت، سنہری بالوں‌والی بہن کی کوئی بات نہیں ٹال سکتا تھا کیوں‌کہ حقیقت یہ تھی کہ اس کے دل میں اس کے لئے ایک لطیف جذبہ پیدا ھو گیا تھا۔ لیکن وہ جھینپو اتنا تھا کہ خود اپنے آپ سے بھی اس بات کا اقرار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ والیا

ایک لمحے کو بھی آرام کرنے کےلئے رکے بغیر وہ بھاگا بھاگا ژوخرائی کی تلاش میں اسٹیشن پہنچ گیا لیکن وہ وہاں کہیں نہیں ملا اور دوسرے مزدور بھی جنہیں وہ جانتا تھا اسے ان بھاگے ہوئے آدمیوں کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ انجن ڈرائیور پولین توفسکی کے گھروالے بھی بالکل لاعلم تھے۔ پولین توفسکی کے سب سے چھوٹے بیٹے بورس سے اتنا معلوم ہو سکا کہ اس کے گھر کی بھی تلاشی لی گئی تھی۔ سپاهی اس کے گھر پولین توفسکی کو ڈھونڈھتے ہوئے آئے تھے۔

پاویل بغیر کوئی اطلاع حاصل کئے اپنی ماں کے پاس واپس آ گیا۔ وہ تھک کر بالکل چور ہو گیا تھا اس لئے وہ پلنگ پر لیٹ گیا اور لیٹتے هی فوراً سو گیا لیکن اس کی نیند بہت بےچین تھی۔

دروازے پر کسی کی دستک سن کر والیا نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کون ھے؟،، اس نے چٹخنی کھولتے ہوئے پوچھا۔

کھلے ہوئے دروازے میں کلیمکا مارچن کو ک سرخ الجھے ہوئے بالوں والا سر نظر آیا۔ اس کی صورت سے صاف ظاهر تھا کہ وہ بھاگتا ھوا آیا تھا کیوں کہ اس کا دم پھول رہا تھا اور سخت محنت کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ھو رہا تھا۔

''تمہاری ماں گھر پر ھیں؟،، اس نے والیا سے پوچھا۔

کی طرح بھاگ کر پاویل کے یہاں چلے جاؤ - ماں تمہیں وهیں مل جائیں گی - ،، اتنا کہہ کر اس نے لڑکے کی پیٹھ کو هلکا سا دهکا دے دیا -

ایک سکنڈ میں کلیمکا کا سرخ بالوں والا سر باغیچے کے پھاٹک کے باهر نظروں سے گم هو گیا -

ان تینوں ریلوے مزدوروں میں سے کوئی بھی گھر واپس نہیں آیا - ژوخرائی شام کے وقت کورچاگن کے هاں گیا اور وهاں اس نے ماریا یاکوولیونا کو گاڑی کا پورا واقعہ سنایا - اس نے آرتیم کی دهشت زدہ ماں کو تسلی دینے کی حتی الامکان کوشش کی اور اسے یقین دلایا کہ وہ تینوں بروزاک کے چچا کے هاں، جو دور کے کسی گاؤں میں رهتا تھا، بالکل محفوظ هیں - اس نے یہ بھی کہا کہ اس وقت تو ان کا آنا ممکن نہیں هے لیکن ساتھ هی یہ بھی اطلاع دی کہ جرمن بڑی مشکل میں پھنس گئے هیں اور حالات کسی وقت بھی بدل سکتے هیں -

ان تینوں آدمیوں کے فرار هو جانے کے بعد سے ان کے گھروالے ایک دوسرے سے پہلے سے بھی زیادہ قریب هو گئے - ان لوگوں کے پاس سے جو نادر رقعے آتے تھے انہیں بڑی مسرت کے ساتھ پڑھا جاتا تھا لیکن ان لوگوں کے بغیر گھر سونے اور ویران معلوم هوتے تھے -

ایک دن ژوخرائی پولین تونسکی کے گھر گیا جیسے یوں هی اس کی بیوی سے ملنے چلا آیا هو اور اس نے پولین تونسکی کی بیوی کو کچھ پیسے دئے -

''تمہارے شوهر نے گھر کے خرچ کے لئے

کو پسند کرتا ہے۔ لڑکی نے وہ پرچہ جلدی سے پڑھا جو کلیمکا نے اسے دیا تھا۔ پرچے میں لکھا تھا:

''پیاری آنتونینا! پریشان مت ہونا۔ سب خیریت ہے۔ ہم لوگ بالکل محفوظ ہیں۔ جلد ہی تمہیں ہمارے بارے میں مزید اطلاع ملےگی۔ دوسروں کو بھی خبر کر دینا کہ سب لوگ خیریت سے ہیں، وہ لوگ فکر نہ کریں۔ اس پرچے کو پڑھ کر ضائع کر دینا۔ زاخار۔''

والیا لپک کر کلیمکا کے اور قریب آگئی۔ ''اچھا میرے ننھے لال بھالو، یہ تو بتاؤ، یہ پرچہ تمہیں کہاں ملا؟ کس نے دیا تمہیں؟'' اور اتنا کہہ کر اس نے کلیمکا کو اتنے زور سے جھنجھوڑا کہ اس کے ہوش گم ہو گئے۔ اور قبل اس کے کہ اس کے حواس درست ہوتے وہ دوسری غلطی کر چکا تھا۔

''مجھے اسٹیشن پر ژوخرائی نے دیا تھا۔'' پھر یک بیک اسے خیال آیا کہ اسے یہ نہیں بتانا چاہئے تھا۔ اور اس لئے اس نے لڑکی سے کہا: ''لیکن اس نے مجھے منع کر دیا تھا کہ میں اس پرچے کو تمہاری ماں کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں نہ دوں۔''

''کوئی بات نہیں'' والیا نے ہنس کر کہا۔ ''میں کسی سے کہوں‌گی نہیں۔ اب تم اچھے بچوں

آرتیم چھت کے شہتیر سے لٹکی ہوئی دھونکنیاں چلا رہا تھا۔

''ھوشیار مزدوروں کےلئے آجکل گاؤں میں کوئی دقت نہیں ھے۔ جتنا چاھو کام مل سکتا ھے،، بوڑھے انجن ڈرائیور نے خوش مزاجی کے ساتھ اپنی ڈاڑھی کے اندر سے مسکراتے ھوئے کہا۔ ''اگر ایک دو ھفتے اسی طرح گذر گئے تو ھم لوگ اپنے گھر کھانے کےلئے کچھ آٹا اور گوشت بھیج سکیں‌گے۔ بیٹا، بات یہ ھے کہ کسان ھمیشہ لوھار کی بڑی عزت کرتا ھے۔ تم دیکھنا، ھم لوگ دھیرے دھیرے کھا پی کر سرمایہ‌داروں جیسے موٹے ھو جائیں‌گے۔ زاخار ھم لوگوں سے ذرا مختلف ھے، وہ کسانوں کے ساتھ بھی چپکا ھوا ھے۔ اپنے چچا کی وجہ سے اس کی جڑیں ابھی تک کھیتی باڑی ھی میں جمی ھوئی ھیں۔ خیر میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس میں اسکا کوئی قصور ھے۔ لیکن آرتیم، ھماری بات اور ھے۔ ھمارے پاس تو جیسے کہتے ھیں کہ نہ زمین ھے نہ جائیداد۔ لے دے کے کچھ ھے تو بس یہی دو ھاتھ ھیں اور بوجھ ڈھونے کےلئے یہ مضبوط پیٹھ، اصل مزدور اور کسے کہتے ھیں — ھمیں لوگوں کو نا۔ ھا۔ ھا۔ لیکن زاخار کے ایسے لوگوں کی حالت کچھ آدھا تیتر، آدھا بٹیر جیسی ھوتی ھے۔ ایک پاؤں ریل کے انجن میں ھے اور دوسرا گاؤں میں۔،، اس نے چمٹے سے لوھا کا دھکتا ھوا ٹکڑا پلٹ دیا اور زیادہ سنجیدہ لہجے میں اپنی تقریر جاری رکھتے ھوئے

بھیجے ہیں،، اس نے کہا ۔ ’’لیکن دیکھو، کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا ۔،،

بڑھیا نے انتہائی تشکر کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا ۔

’’بہت بہت شکریہ ۔ بڑی سخت ضرورت تھی ہمیں ۔ بچوں کے کھانے کےلئے گھر میں کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا ۔،،

یہ پیسے دراصل اسی رقم میں سے دئیے گئے تھے جو بلگاکوف چھوڑ گیا تھا ۔

اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے ژوخرائی نے دل ہی دل میں کہا : ’’خیر اب دیکھیں کیا ہوتا ہے ۔ اگر گولی سے اڑا دینے کی دھمکی دے کر ہڑتال توڑ بھی دی گئی، اور مزدور کام پر واپس چلے بھی گئے تب بھی کم سے کم اتنا تو ہو ہی گیا ہے کہ چنگاری بھڑک اٹھی ہے اور اب اسے بجھایا نہیں جا سکتا ۔ ان تینوں نے تو کمال ہی کر دیا ۔ بڑے جانباز نکلے، سچے مزدور،، اس کا دل فخر و مسرت سے بھر گیا ۔

وارویپووا بالکا ناسی گاؤں کے سرے پر ایک چھوٹی سی لوہار کی دکان تھی جس کا دروازہ سڑک پر کھلتا تھا اور کلونس سے بالکل سیاہ ہو گیا تھا ۔ اسی دکان میں دھکتی ہوئی بھٹی کے سامنے پولین توفسکی کھڑا تھا ۔ شعلوں کی چمک کی وجہ سے اس کی آنکھیں آدھی مچی ہوئی تھیں ۔ اس نے ایک لمبے دستےوالے چمٹے کی مدد سے لوہے کے ایک دھکتے ہوئے ٹکڑے کو پلٹ دیا ۔

اتنی فرمانبرداری کے ساتھ چپٹا ہوتا گیا جیسے وہ موم کا نرم ٹکڑا ہو۔

لوہار کی دکان کے کھلے ہوئے دروازے سے تاریک رات کے گرم گرم سانس اندر آ رہے تھے۔

نیچے جھیل اپنی تاریک اور بے کنار وسعت کے ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جھیل کے گرد صنوبر کے درخت کھڑے اپنی بلند کلغیاں ہلا رہے تھے۔

''بالکل جان‌دار معلوم ہوتے ہیں،، تونیا نے پیڑوں کی طرف دیکھ کر سوچا۔ وہ جھیل کے پتھریلے کنارے پر ایک نشیبی سے حصے میں لیٹی ہوئی تھی جہاں پر ہری ہری دوب کا قدرتی غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ اس سے اوپر کی طرف وادی کے پار جنگل کا سرا دکھائی دیتا تھا اور اس اونچے سے کنارے کے عین نیچے جھیل شروع ہو جاتی تھی۔ جھاڑیوں کے سایوں نے جھیل کو اس طرح اپنی آغوش میں لے رکھا تھا کہ معلوم ہوتا تھا گویا پانی کے گہرے رنگ کی چادر پر ایک اور زیادہ گہرے رنگ کی گوٹ لگی ہے۔

پتھر کی یہ پرانی کان جو اسٹیشن سے بہت دور نہیں تھی تونیا کی محبوب‌ترین جگہ تھی۔ کان کے گہرے کھدے ہوئے حصوں میں جہاں بہت عرصے سے کھدائی کا کام بند کر دیا گیا تھا چشمے پھوٹ نکلے تھے اور اب وہاں پر تین جھیلیں بن گئی تھیں۔ ساحل کی طرف سے ایک چھپا کے

بولا: ”بیٹا، جہاں تک ہمارا تعلق ہے، آثار بہت برے نظر آتے ہیں۔ اگر جرمنوں کو بہت جلد شکست نہ دی گئی تو ہمیں بھاگ کر یکاترینوسلاف یا روستوف چلا جانا ہوگا۔ ورنہ ہمیں پکڑ کر پھانسی دے دیں گے۔“

”یہ تو ٹھیک ہی کہتے ہو“ آرتیم نے دبی آواز میں کہا۔

”کاش مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ہمارے گھروالوں پر کیا گذر رہی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ درندے انہیں چین بھی لینے دیتے ہوں گے یا نہیں۔“

”ہاں بابا، ہم لوگ پھنسے تو بہت برے ہیں۔ ہمیں تو اب گھر واپس جانے کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہئے۔“

انجن ڈرائیور نے اس دھکتے ہوئے نیلگوں دھات کے گرم ٹکڑے کو بھٹی میں سے نکال لیا اور بڑی مشاقی کے ساتھ اسے نہائی پر رکھ دیا۔

”ہاں بیٹا، ذرا لگاؤ تو چوٹ!“

آرتیم نے ایک وزنی ہتھوڑا اٹھا لیا اور اسے سر پر سے گھما کر نہائی پر چوٹ لگانے لگا۔ ایک ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ تابناک چنگاریوں کا ایک فوارہ سا چاروں طرف بکھر گیا اور ایک لمحے کے لئے لوہار کی دکان کا تاریک ترین گوشہ بھی روشن ہو اٹھا۔

پولین توفسکی دھکتے ہوئے ٹکڑے کو ہتھوڑے کی کاری ضربوں کے نیچے الٹتا پلٹتا رہا اور لوہا

خود بھی اس غیرمتوقع ملاقات سے سٹپٹا گیا تھا۔ اس لئے بوکھلاھٹ میں وہ واپس جانے کےلئے مڑا۔

''شائد یہی ہوگا جسے میں نے ابھی پانی میں تیرتے دیکھا تھا،، تونیا نے اس کے گیلے بالوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا۔

''کیا تم مجھے دیکھ کر ڈر گئیں؟ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں ہو،، پاویل نے چٹان کی کگر پر اپنا ھاتھ جماتے ہوئے کہا۔ وہ تونیا کو پہچان گیا تھا۔

''نہیں، تم کسی طرح بھی میرے کام میں مخل نہیں ہو۔ اگر جی چاھے تو تھوڑی دیر بیٹھ کر میرے ساتھ باتیں کرو۔،،

پاویل نے تعجب سے تونیا کو دیکھا۔

''ہم کیا باتیں کر سکتے ہیں؟،،

تونیا مسکرا دی۔

''آخر تم بیٹھ کیوں نہیں جاتے۔ آؤ، یہاں بیٹھ جاؤ،، یہ کہہ کر اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ ''اچھا، تمہارا نام کیا ھے؟،،

''پاویل کورچاگن۔،،

''میرا نام تونیا ھے۔ اچھا، اب تو ھمارا تعارف ہو گیا نا۔،،

پاویل الجھن اور پریشانی کے مارے ھاتھ میں اپنی ٹوپی لئے اسے مروڑتا رہا۔

تونیا نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا:

''پاویل، کیا یہاں تم اکثر آتے ہو؟..،، وہ اس کے آگے کہنا چاھتی تھی ''تیرنے کےلئے،، لیکن

کی آواز سن کر تونیا نے درخت کی شاخ ایک طرف ہٹا کر دیکھا کہ جہاں سے آواز آرہی تھی وہاں دھوپ سے سنولایا ہوا ایک پھرتیلا جسم لمبے لمبے ہاتھ مارتا ہوا ساحل سے جھیل کے اندر کی طرف تیرتا ہوا جا رہا تھا۔ تونیا کو تیرنے والے کی گندمی رنگ کی پیٹھ اور کالا سر نظر آ رہے تھے۔ وہ دریائی گھوڑے کی طرح پھنکار پھنکارکر پانی کی کلیاں کر رہا تھا اور بڑی پھرتی سے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ تیرتے تیرتے کبھی کبھی وہ پہلو بدلتا اور قلابازی کھاکر غوطہ لگا جاتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنی پیٹھ کے بل تیرنے لگا۔ سورج کی تیز روشنی سے اسکی آنکھیں چندھیائی جا رہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور اس کا جسم خفیف سا جھکا ہوا تھا۔

تونیا نے درخت کی شاخ چھوڑ دی۔ ”کسی کو تیرتا ہوا دیکھنا خلاف تہذیب حرکت ہے،، تونیا نے مسکرا کر اپنے دل میں کہا اور پھر اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔

لیش چینسکی نے اسے جو کتاب دی تھی اسے پڑھنے میں وہ اتنی محو تھی کہ اس نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ وادی اور صنوبر کے جنگلوں کے درمیان والی پتھر کی چٹانوں پر چڑھ کر کوئی اوپر آ رہا ہے۔ شائد اس بن بلائے مہمان کے پیر کی ٹھوکر لگ کر ایک کنکری لڑھکتی ہوئی جب اس کی کتاب پر آکر گری تب اس نے چونک کر اوپر دیکھا کہ سامنے پاویل کورچاگن کھڑا ہے۔ وہ

''کون کہتا ہے؟'' پاویل کے کان کھڑے ہو گئے۔

''ارے ویکتر لیش چینسکی کا تو کہنا ہے کہ لڑنا ہی تمہارا پیشہ ہے۔''

پاویل کے چہرے پر غصہ کے بادل چھا گئے۔

''ویکتر بزدل اور بدمعاش ہے۔ اسے شکر کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ بچ گیا۔ میں نے اس دن سنا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔ لیکن میں اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''پاویل، ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے'' تونیا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

پاویل یہ سن کر تلملا اٹھا۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر اس بیوقوف لڑکی سے بات کرنے کی مجھے کیا مصیبت پڑی تھی؟ بیٹھی بیٹھی مجھ پر حکم چلا رہی ہے، میرے بات کرنے کے انداز پر اعتراض کر رہی ہے۔

''لیش چینسکی نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' تونیا نے پوچھا۔

''وہ بزدل ہے، بالکل بودا! ذرا بھی دم نہیں ہے اس میں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر میری انگلیاں کلبلانے لگتی ہیں۔ جب دیکھو رعب ہی جھاڑنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ سمجھتا ہے بڑے باپ کا بیٹا ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کے پیسے کی رتی بھر بھی پرواہ نہیں ہے۔ مجھ سے ذرا بھی چھیڑ چھاڑ کی تو بس مزا ہی چکھا

چونکہ وہ اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس نے اسے تیرتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے اس کی بجائے ''ٹہلنے کے لئے،، کا فقرہ جوڑ دیا۔

''نہیں، اکثر تو نہیں۔ بس جب چھٹی ہوتی ھے تبھی آتا ہوں،، پاویل نے جواب دیا۔

''اچھا، تو تم کہیں کام بھی کرتے ہو؟،، تونیا نے اس سے مزید سوال دیا۔

''ھاں، بجلی گھر میں بھٹی میں کوئلہ جھونکنے کا کام کرتا ہوں۔،،

''اچھا، یہ تو بتاؤ، تم نے اتنا اچھا لڑنا کہاں سیکھا؟،، تونیا اچانک پوچھ بیٹھی۔

''تمہیں میرے لڑنے سے کیا لینا ھے؟،، پاویل بےارادہ بول پڑا۔

''اچھا، کورچاگن، خفا نہ ہو،، تونیا نے یہ دیکھ کر کہ وہ اس کے سوال پر جھنجھلا گیا ھے جلدی سے کہا۔ ''بس یوں ھی جاننا چاہتی ہوں اور کیا؟ تم نے کیا گھونسہ مارا تھا! لیکن تمہیں اتنی بےرحمی سے نہیں مارنا چاہئے تھا،، اتنا کہہ کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''تمہیں اس لڑکے پر بڑا ترس آتا ھے، ہوں؟،، پاویل نے پوچھا۔

''نہیں نہیں، ذرا بھی نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف میں تو خود یہ سمجھتی ہوں کہ سخارکو کو اس کے کئے کی سزا ملی۔ مجھے تو بڑا مزا آیا تھا۔ میں نے سنا ھے کہ تم اکثر لوگوں سے لڑ بیٹھتے ہو۔،،

شروع میں پاویل کو جو جھجھک محسوس ہو رھی تھی وہ رفتہ رفتہ غائب ہو گئی اور تھوڑی ھی دیر بعد وہ تونیا کے ساتھ اس طرح باتیں کر رھا تھا جیسے اس کے ساتھ پرانی جان پہچان ھو۔ مختلف باتوں کے دوران میں اس نے اسے اپنے بھائی کے فرار ھو جانے کے بارے میں بھی بتایا۔ وہ دونوں اس نشیبی حصے میں بیٹھے ھوئے دوستانہ باتیں کرنے میں اتنے محو تھے کہ دونوں میں سے کسی کو یہ احساس نہیں ھوا کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے کتنے گھنٹے گذر گئے تھے۔ آخرکار پاویل اچھل کر کھڑا ھو گیا۔

''ارے اس وقت تو مجھے کام پر پہنچ جانا چاھئے تھا۔ یہاں بیٹھ کر باتیں بنانے کی بجائے مجھے اس وقت بوائلر کے نیچے آگ سلگاتے ھونا چاھئے تھا۔ اب دانیلو یقیناً ھنگامہ کرے گا،، کچھ سٹ پٹا کر اس نے چلتے چلتے کہا۔ ''اچھا خدا حافظ، مجھے تو اب بھاگ کر شہر پہنچنا ھے۔،،

تونیا اچھل کر کھڑی ھو گئی اور اپنا جیکٹ پہننے لگی۔

''مجھے بھی جانا ھے، چلو ساتھ چلیں گے۔،،

''نہیں نہیں، یہ ممکن نہیں ھے۔ مجھے بھاگ کر جانا ھوگا۔،،

''اچھی بات ھے۔ میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاؤں گی۔ دیکھیں کون پہلے پہنچتا ھے وھاں۔،،

پاویل نے اس کی طرف حقارت کی نظروں سے دیکھا۔

دوں گا۔ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ ایسے لوگوں کا علاج تو بس یہی ہے کہ منھ پر ایک گھونسہ جڑ دو، ساری شیخی بھول جاتے ہیں،، پاویل طیش میں آ کر بول رہا تھا۔

تونیا کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے ناحق لیش چینسکی کا ذکر چھیڑا۔ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ اس نوعمر لڑکے کو اسکول میں پڑھنے والے اس چھیلا قسم کے چھوکرے سے پرانا بغض تھا۔ گفتگو کو زیادہ نرم اور پرسکون بنانے کے لئے وہ پاویل سے اس کے گھروالوں اور اس کے کام کے بارے میں پوچھنے لگی۔

پاویل کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا اور یہ بھول کر کہ وہ چلا جانا چاہتا تھا اس لڑکی کے سوالوں کا جواب بڑی تفصیل سے دینے لگا۔

''تم نے پڑھائی کیوں چھوڑ دی؟،، تونیا نے پوچھا۔

''مجھے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔،،

''کیوں؟،،

پاویل شرم سے سرخ ہو گیا۔

''میں نے پادری کے کیک کے خمیر میں تھوڑا سا تمباکو ملا دیا تھا۔ اسی لئے مجھے اسکول سے نکال دیا گیا۔ بڑا کمینہ تھا وہ پادری، جس سے ناراض ہو جاتا اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتا۔،، اور پھر پاویل نے اسے پورا قصہ سنایا۔

تونیا بڑی دلچسپی سے بیٹھی سنتی رہی۔ شروع

وہ دونوں وهاں کھڑے هانپ رہے تھے۔ دونوں کی نبضوں کی رفتار تیز هو گئی تھی۔ اس زناٹے کی دوڑ سے تونیا بالکل شل هو گئی تھی۔ بڑی نزاکت کے ساتھ جھک کر اس نے پاویل کے جسم کا سہارا لے لیا۔ کتنا حسین تھا لطیف بےتکلفی کا وہ ایک مختصر سا لمحه که پاویل آسانی سے اسے نه بھول سکتا تھا۔

''آج تک مجھے دوڑ میں کوئی نہیں پکڑ پایا تھا،، تونیا نے اس سے الگ هوتے هوئے کہا۔

اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے رخصت هوئے اور پاویل اپنی ٹوپی هلاکر اسے الوداع کہتا هوا شہر کی طرف بھاگا۔

جب پاویل نے دھکا دےکر بوائلر روم کا دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا که بھٹی میں کوئله جھونکنےوالا مزدور دانیلو پہلے هی سے بوائلر کے نیچے آگ سلگانے میں مصروف تھا۔

''تم کیوں اتنی دیر میں آئے؟،، اس نے غرا کر کہا۔ ''تمہارا خیال ہے که تمہارا کام میں هی کروں گا، کیوں؟،،

پاویل نے اپنے ساتھی کا غصه ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کا کندھا تھپ تھپایا۔

''ارے بڑے میاں، ناراض کیوں هوتے هو۔ ابھی چٹکی بجاتے آگ دھکائے دیتا هوں،، اس نے خوش مزاجی سے کہا اور ایندھن جھونکنے میں جٹ گیا۔

آدھی رات کے قریب جب دانیلو ایندھن کے ڈھیر پر لیٹا مزے سے خراٹے لے رہا تھا تو پاویل

''مجھ سے دوڑ میں مقابلہ کروگی؟ عمر بھر نہیں جیت سکتیں!''

''خیر دیکھا جائے گا۔ پہلے یہاں سے تو نکلو ۔''

پاویل چٹان کی کگر پر سے کود گیا اور پھر اس نے تونیا کو اپنے ھاتھ کا سہارا دے کر اتار لیا۔ اس کے بعد دونوں بھاگتے ھوئے اس چوڑی ھموار سڑک پر پہنچ گئے جو جنگل میں سے ھوتی ھوئی اسٹیشن کی طرف جاتی تھی۔

تونیا سڑک کے بیچ میں رک گئی۔

''اچھا تو آؤ ۔ ایک، دو، تین! دوڑو! کوشش کرکے مجھے پکڑو تو سہی!'' وہ آندھی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔ اس کے جوتوں کے تلے چمک رھے تھے اور اس کے نیلے جیکٹ کا پیچھے والا حصہ ھوا میں اڑ رھا تھا۔

پاویل اس کے پیچھے بھاگا۔

پاویل نے اس اڑتے ھوئے جیکٹ کا پیچھا کرتے ھوئے سوچا: ''ارے دو چھلانگوں میں اسے پکڑ لوں گا۔'' لیکن اسٹیشن کے بالکل قریب پہنچ کر گلی کے ٹھیک نکڑ پر وہ اسے پکڑ پایا۔ ایک آخری زور لگاکر وہ اس کے برابر پہنچ گیا اور اس نے اپنے مضبوط ھاتھوں سے اس کا شانہ پکڑ لیا۔

''وہ سارا، چھو لیا!'' وہ خوش ھوکر چلایا۔ تکان سے اس کا دم پھول رھا تھا۔

''مجھے چھوڑ دو، میرا کندھا دکھ رھا ھے'' یہ کہتے ھوئے تونیا نے اپنا کندھا چھڑانے کی کوشش کی۔

راستے بوائلر روم کے باھر نکل گئی۔ ایک بیرم کھینچ کر پاویل نے پہیے کو چلانےوالا پٹه پمپ کی گھرنی پر چڑھا دیا۔

اس نے کنکھیوں سے دانیلو کی طرف دیکھا لیکن وہ گہری نیند میں سو رھا تھا۔ اس کا منھ کھلا ھوا تھا اوز اس کی ناک سے خوفناک آوازیں نکل رھی تھیں۔

آدھے منٹ کے اندر ھی بھاپ کا دباؤ بتانےوالی گھڑی کی سوئی اپنی مناسب جگه پر آ گئی تھی۔

پاویل سے رخصت ھوکر تونیا اپنے گھر کی طرف روانه ھوئی۔ وہ اس کالی آنکھوںوالے نوجوان کے ساتھ اپنی ملاقات کے بارے میں سوچ رھی تھی۔ حالانکه اسے خود بھی اس بات کا احساس نہیں تھا لیکن اس سے ملاقات ھو جانے پر وہ بہت خوش تھی۔

''کیسا جیوٹ کا آدمی ھے۔ کتنی زندہ دلی ھے اس میں اور میں نے اسے جس قسم کا لفنگا تصور کیا تھا ویسا بالکل بھی نہیں ھے۔ کچھ بھی ھو وہ اسکول کے ان بیوقوف چھوکروں سے بالکل مختلف ھے...''

پاویل کسی اور ھی سانچے میں ڈھلا ھوا تھا۔ وہ ایسے ماحول سے آیا تھا جس سے تونیا قطعی ناواقف تھی۔

''لیکن اسے راہ راست پر لایا جا سکتا ھے'' تونیا نے سوچا۔ ''بڑا دلچسپ دوست رھےگا۔''

گھر کے قریب پہنچ کر اس نے لیزا سخارکو،

نے انجن میں تیل دیا، چیتھڑے سے اپنے ہاتھ صاف کئے، اوزاروں کے بکس میں سے ''جیوسپ گیری بالڈی'' کی باسٹھویں قسط نکالی اور ذرا سی دیر میں نیپلس کے ''لال کرتے والوں'' کے بےحد مشہور رهنما کے متعدد بہادرانہ کارناموں کی دلچسپ داستان پڑھنے میں محو ہو گیا۔

''وہ ڈیوک کو اپنی خوبصورت نیلگوں آنکھوں سے تکنے لگی...''

''اس کی بھی تو آنکھیں نیلی ہیں'' پاویل نے سوچا۔ ''اور وہ دوسروں سے کتنی مختلف ہے۔ اس میں رئیسوں جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ اور دوڑتی کتنا تیز ہے، بالکل طوفانی رفتار سے۔''

دن میں تونیا کے ساتھ اپنی ملاقات کی یادوں میں پاویل اتنا کھو گیا تھا کہ اسے انجن کی رفتہ رفتہ بڑھتی ہوئی غوں غوں کی آواز بالکل سنائی ہی نہ دی۔ بھاپ کی کثرت سے انجن پر ضرورت سے زیادہ زور پڑ رہا تھا۔ انجن کا دیوھیکل فلائی وھیل تیزی سے گھوم رہا تھا اور سیمنٹ کا چبوترہ جس پر انجن لگا ہوا تھا کانپ رہا تھا۔

بھاپ کا دباؤ بتانے والی گھڑی پر نظر ڈالتے ہی پاویل نے دیکھا کہ اس کی سوئی خطرے کی سرخ لکیر سے کئی درجہ آگے نکل چکی تھی۔

''لعنت ہے!'' پاویل اچھل کر زائد بھاپ نکالنے والے والو کے پاس پہنچا، جلدی سے اسے دوبار گھمایا۔ اور سوں سوں کی تیز آواز کرتی ہوئی بھاپ دریا میں جا کر کھلنے والے نکاسی کے نل کے

''تونیا، اپنے دوستوں کو اندر بلا لو ۔ چائے لگ گئی ھے،، تونیا کی ماں نے برآمدے پر سے پکار کر کہا ۔

دونوں لڑکیوں کا ھاتھ پکڑ کر تونیا انہیں گھر کی طرف لے چلی ۔ ان کے پیچھے پیچھے آتے ھوئے ویکتر تونیا کے الفاظ پر حیرت سے غور کر رھا تھا ۔ لیکن وہ ان کا کچھ بھی مطلب نہیں سمجھ پا رھا تھا ۔

اس عجیب و غریب نئے احساس نے، جو غیرمعلوم طریقے پر پاویل کے اوپر غالب آ گیا تھا، اس کے دل میں ایک موھوم سی اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی جسے وہ بیان نہیں کر سکتا تھا ۔ وہ اسے سمجھنے سے بھی قاصر تھا اور اس کی باغی روح میں ایک تلاطم سا برپا تھا ۔

تونیا کا باپ وھاں کا ناظم جنگلات تھا ۔ اور جہاں تک پاویل کا تعلق تھا اس کے نزدیک محض اس ایک بات کی بنیاد پر وہ بھی اسی طبقے کا فرد تھا جس کا کہ لیشچینسکی تھا ۔

پاویل نے غریبی اور مفلسی میں پرورش پائی تھی اور وہ ھر اس آدمی کو اپنا دشمن گردانتا تھا جسے وہ امیر سمجھتا تھا ۔ اس لئے تونیا کےلئے اس کے دل میں جو جذبات پیدا ھوئے تھے ان میں اندیشے اور تشویش کی بھی آمیزش تھی ۔ تونیا اس کے اپنے طبقے کی لڑکی نہیں تھی ۔ مثال کے طور پر نہ تو وہ سنگتراش کی بیٹی گلینا کی اتنی سادہ

نیلی اور ویکٹر لیش‌چینسکی کو باغ میں دیکھا۔ ویکٹر کچھ پڑھ رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ لوگ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

سب ایک دوسرے کا خیرمقدم کر چکے تو تونیا بھی ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ بے‌معنی کھوکھلی گفتگو کے دوران میں ویکٹر آکر اسکے پاس بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا:

''میں نے تمہیں جو ناول دیا تھا وہ تم نے پڑھ ڈالا؟،،

''ناول؟،، تونیا نے اوپر دیکھا۔ ''ارے هاں، میں...،، اس کے منھ سے یہ بات نکلتے نکلتے رہ گئی کہ اس کتاب کو تو وہ جھیل کے کنارے ھی بھول آئی تھی۔

''کیا تمہیں وہ محبت کی داستان پسند آئی؟،، ویکٹر نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

تونیا ایک لمحے کےلئے اپنے خیالات میں گم ہو گئی۔ پھر باغیچے کے راستے کی بجری پر اپنے جوتے کی نوک سے ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچتے ھوئے اس نے اپنا سر اٹھاکر ویکٹر کی طرف دیکھا۔

''نہیں، میں نے ایک اس سے بھی زیادہ دلچسپ محبت کی داستان شروع کردی ھے۔،،

''سچ؟،، ویکٹر نے قدرے جھلاکر اپنی آواز کو کھینچ کر پوچھا۔ ''کس کی لکھی ھوئی ھے؟،،

تونیا نے اپنی چمکدار مسکراتی ھوئی آنکھوں سے دیکھا۔

''لکھی ھوئی تو کسی کی بھی نہیں...،،

اسے لینے وہاں گئی۔ میں نے سوچا تھا کہ شائد
تم بھی وہاں ہوگے۔ اندر آ جاؤ نا۔،،

پاویل نے اپنا سر ہلا دیا۔

''نہیں۔،،

''کیوں نہیں؟،، اس نے تعجب سے اپنی بھنویں
چڑھا کر پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ تمہارے پاپا کو یہ
بات ناگوار ہوگی۔ شائد میرے جیسے آوارہ لڑکے
کو باغ میں لانے کی وجہ سے وہ تمہیں بہت کچھ
لعنت ملامت بھی کریں۔،،

''کیا بکواس کر رہے ہو، پاویل،، تونیا
نے غصے ہوکر کہا۔ ''میں کہتی ہوں، فوراً اندر
آؤ۔ میرے پاپا کبھی بھی اس قسم کی بات نہیں
کہیں گے۔ تم خود دیکھ لینا۔ اچھا اب اندر آ
جاؤ۔،،

وہ اس کے لئے پھاٹک کھولنے کو بھاگی اور
پاویل ھچکچاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

جب وہ دونوں باغ میں پڑی ہوئی ایک گول
میز کے قریب جاکر بیٹھ گئے تو تونیا نے اس سے
پوچھا: ''تمہیں کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟،،

''بہت زیادہ،، پاویل نے بڑے جوش اور
اشتیاق سے جواب دیا۔

''تمہیں کون سی کتاب سب سے زیادہ پسند
ہے؟،،

پاویل چند لمحوں تک اس سوال پر غور کرتا
رہا۔ پھر اس نے جواب دیا: ''جی زیپی گاری بالڈی۔،،

تھی اور نہ اسے سمجھنا ہی اتنا آسان تھا۔ تونیا کے ساتھ وہ محتاط رہتا تھا، اس بات کےلئے تیار رہتا تھا کہ اگر اس کی کسی بھی بات میں تضحیک یا حقارت کی جھلک دکھائی دے تو وہ اس کا منھ توڑ جواب دے کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ تونیا جیسی حسین اور تربیت‌یافتہ لڑکی اس جیسے بھٹی‌میں کوئلہ جھونکنےوالے ادنی شخص کی طرف اس قسم کا رویہ اختیار کر سکتی ہے۔

وہ ہفتے بھر سے اس سے نہیں ملا تھا، اس لئے آج اس نے جھیل کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جان بوجھ کر وہ راستہ پسند کیا جو تونیا کے گھر کے سامنے سے ہوکر جاتا تھا۔ اسے امید تھی کہ شائد وہ وھیں کہیں مل جائے۔ جب وہ چہاردیواری کے پاس سے چہل قدمی کرتا ہوا جا رہا تھا تو اسے باغیچے کے دوسرے سرے پر وہی جانا پہچانا ملاحوں جیسا بلاؤز نظر آیا۔ اس نے سڑک پر پڑا ہوا ایک صنوبر کا پھل اٹھا لیا اور سفید بلاؤز کا نشانہ تاک کر اسے زور سے اس طرف پھینکا۔ تونیا پھرتی کے ساتھ مڑی اور بھاگ کر اس کے پاس آ پہنچی، اس نے نہایت تپاک سے مسکرا کر چہاردیواری کے پار اپنا ھاتھ بڑھا دیا۔

''آخرکار تم آ گئے،، اس نے کہا، اس کے لہجے میں مسرت بھری ہوئی تھی۔ ''اتنے دن سے کہاں تھے؟ میں اپنی کتاب جھیل کے پاس بھول آئی تھی،

ماں یا تمھارے پاپا مجھے باھر نہیں نکال دیں گے؟،،

''اگر تم نے اس قسم کی باتیں کرنا بند نہ کیا تو میں سچ سچ خفا ھو جاؤں گی،، تونیا اس پر برس پڑی۔

''خیر لیش چینسکی تو ھمارے ایسے لوگوں کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دیتا۔ ھمیشہ ھم سے باورچی خانے ھی میں بات کرتا ھے۔ ایک بار ان لوگوں کے یہاں کسی کام سے گیا تھا تو نیلی نے مجھے کمرے میں گھسنے تک نہیں دیا۔ شائد اسے یہ ڈر ھوگا کہ میں اس کا قالین یا کوئی دوسری چیز خراب کر دوں گا،، پاویل نے کھسیانی ھنسی ھنستے ھوئے کہا۔

''آؤ چلو نا،، تونیا نے اس کا کندھا پکڑ لیا اور دوستانہ انداز میں اسے دھیرے سے برآمدے کی طرف ٹھیلتے ھوئے اصرار کے ساتھ کہا۔

کھانے کے کمرے سے ھوتی ھوئی وہ اسے ایک اور کمرے میں لے گئی جہاں شاہ بلوط کی لکڑی کی بنی ھوئی کتابوں کی ایک بہت بڑی الماری رکھی تھی۔ جب اس نے الماری کا دروازہ کھولا تو پاویل نے دیکھا کہ سینکڑوں کتابیں بہت سلیقے کے ساتھ کئی قطاروں میں سجی ھوئی ھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنا بڑا ذخیرہ نہیں دیکھا تھا۔

''اچھا میں تمھارے لئے کوئی دلچسپ سی کتاب ڈھونڈھتی ھوں لیکن وعدہ کرو کہ تم اور کتابیں لینے کے لئے پابندی کے ساتھ آیا کروگے۔ بولو آؤگے نا؟،،

''جیوسپ گیری بالڈی،، تونیا نے اس کا تلفظ درست کرتے ہوئے کہا۔ ''تو تمہیں وہ کتاب خاص طور پر پسند ہے؟،،

''ہاں، میں نے اس کی اڑسٹھوں قسطیں پڑھ ڈالی ہیں۔ ہر مہینے تنخواہ کے دن میں اس کی پانچ قسطیں خرید لاتا ہوں۔ گیری بالڈی بھی کیا آدمی تھا!،، پاویل نے جوش کے ساتھ کہا۔ ''اصلی ہیرو تھا وہ! میں ایسے ہی آدمی کا قائل ہوں۔ کیا کیا لڑائیاں لڑنی پڑیں اسے۔ اور ہمیشہ ہر لڑائی میں فتح اسی کی ہوئی۔ وہ تمام دنیا میں گھوما پھرا تھا۔ اگر وہ آج زندہ ہوتا تو میں یقیناً اس کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ضرور اس کی فوج میں بھرتی ہو جاتا۔ وہ نوجوان مزدوروں کو اپنے گروہ میں شامل کرتا تھا۔ اور وہ سب مل کر غریبوں کے لئے لڑتے تھے۔،،

''چلو تمہیں اپنی لائبریری دکھلائیں،، اتنا کہہ کر تونیا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں نہیں، میں گھر کے اندر نہیں جاؤں گا،، پاویل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

''آخر تم اتنے ضدی کیوں ہو؟ بھلا اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے؟،،

پاویل نے ایک نظر اپنے ننگے پاؤں پر ڈالی جو کچھ بہت زیادہ صاف نہیں تھے اور پھر اپنی گدی کھجلانے لگا۔

''کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ تمہاری

9*

پھر اس نے پاویل کی بدرنگ بھوری قمیص اور اسکے بدنما پتلون پر ایک تنقیدی نظر ڈالی، لیکن کچھ کہا نہیں۔

پاویل نے اس کی نظر کو دیکھا اور اپنے کپڑوں پر شرمندہ سا ہو گیا۔

رخصت ہوتے وقت اسے تونیا نے پھر آنے کی دعوت دی۔ اس نے پاویل سے وعدہ لے لیا کہ وہ دو دن کے اندر آئے گا اور اس کے ساتھ مچھلی کے شکار کو جائے گا۔

پاویل نے گھر سے باہر ہو جانے کے لئے کھڑکی سے کود جانے کا مختصر راستہ اختیار کیا۔ اس نے دوسرے کمروں میں سے ہو کر جانے اور تونیا کی ماں سے دوبارہ ملاقات کرنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔

آرتیم کے چلے جانے سے کورچاگن کے کنبے کی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی۔ پاویل کی مزدوری گھر کے خرچ کے لئے ناکافی تھی۔

ماریا یاکوولیونا نے تجویز پیش کی کہ وہ دوبارہ کام کرنے کے لئے جانے لگے خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ لیش چینسکی کے یہاں کھانا پکانے والے کسی آدمی کی بہت ضرورت تھی۔ لیکن پاویل اس کے سخت خلاف تھا۔

''نہیں ماں، میں تھوڑا سا کام اور ڈھونڈھ لوں گا۔ سنا ہے کہ لکڑی چیرنے کے کارخانے میں شہتیر ڈھونے کے لئے کچھ آدمیوں کی ضرورت ہے۔

پاویل نے خوش ہوکر سر ہلا دیا۔

''کتابوں کا تو میں دیوانہ ہوں،، اس نے کہا۔

اس دن انہوں نے کئی گھنٹے بہت خوشگوار طریقے سے ساتھ گذارے۔ تونیا نے اپنی ماں سے پاویل کا تعارف بھی کر دیا۔ یہ کچھ اتنی سخت اور ہیبت‌ناک آزمائش تو نہیں ثابت ہوئی جتنا کہ اسے ڈر تھا۔ دراصل تونیا کی ماں اسے بہت اچھی لگی۔

تونیا نے پاویل کو اپنے کمرے میں لے جا کر اسے اپنی کتابیں دکھائیں۔

وہاں سنگارمیز پر ایک چھوٹا سا آئینہ رکھا ہوا تھا۔ تونیا پاویل کا ہاتھ پکڑکر اسے وہاں لے گئی اور پھر ہلکے سے ہنس کر بولی:

''آخر تم اپنے بال اس طرح کیوں بڑھائے رکھتے ہو؟ کبھی نہیں کٹواتے یا ان میں کنگھی کیوں نہیں کرتے؟،،

''جب بہت بڑھ جاتے ہیں تو بالکل منڈوا دیتا ہوں۔ اور ان کا کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟،، پاویل نے سٹ‌پٹا کر کہا۔

تونیا ہنس پڑی اور اس نے سنگار میز پر سے ایک کنگھی اٹھا کر کئی بار جلدی جلدی پاویل کی الجھی ہوئی لٹوں میں پھیر دی۔

''دیکھو نا، اب پہلے سے کتنے بہتر معلوم ہوتے ہیں،، اس نے اپنی فن‌کاری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''بالوں کو سلیقے سے کٹوا کر رکھنا چاہئے۔ بھلا کوئی ایسے گنواروں کی طرح پھرتا ہے۔،،

میرے پاس پار سال تھی، تمہیں یاد ہے نا؟ اس میں میری آدھی رقم خرچ تو ضرور ہو جائےگی لیکن تم فکر نہ کرنا، میں اور پیسے کما کر لے آؤں گا۔ میری یہ قمیص بہت ہی بھدی ہو گئی ہے،، اس نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا، جیسے کہ وہ اپنی اس فرمائش کےلئے معذرت پیش کر رہا ہو۔

’’کیوں نہیں، میں ضرور خرید دوں گی،، اس کی ماں نے کہا۔ ’’پاویل، میں آج ہی کپڑا لے آؤں گی اور کل سی دوں گی۔ تمہیں سچ مچ نئی قمیص کی ضرورت ہے،، یہ کہہ کر اس نے بڑی ماستا کے ساتھ اپنے بیٹے کو دیکھا۔

حجام کی دکان کے سامنے پہنچ کر پاویل ٹھہر گیا اور اپنی جیب میں پڑے ہوئے روبل کو ٹٹولنے کے بعد دروازہ کھول کر دکان میں داخل ہوا۔

حجام نے جو ایک بہت ہی چست قسم کا نوجوان سا آدمی تھا اسے داخل ہوتے دیکھا اور اپنے سر سے خالی کرسی کی طرف اشارہ کر دیا۔

’’اب آپ آئیے، صاحب۔،،

نرم لچکدار کرسی میں بیٹھ کر پاویل نے اپنے سامنےوالے آئینے میں ایک مبہوت گھبرائی ہوئی سی شکل دیکھی۔

’’مشین پھیرنا ہے؟،، حجام نے پوچھا۔

’’ہاں، نہیں، میرا مطلب ہے — دیکھو، میں بال کٹوانا چاہتا ہوں۔ کیا کہتے ہیں اسے؟،، پاویل کو جب اپنی بات سمجھانے کےلئے الفاظ نہیں

میں آدھے دن وہاں کام کر لیا کروں گا۔ بس پھر خرچ بھر کےلئے کافی ہو جائےگا۔ میں تمہیں کام کرنے کےلئے نہیں جانے دوں گا۔ نہیں تو آرتیم مجھ پر ناراض ہوگا کہ میں اس کے بغیر کام نہیں چلا پایا۔،،

اس کی ماں نے بہت زور دیا لیکن پاویل اپنی ضد پر اڑا رہا۔

دوسرے ہی دن سے پاویل لکڑی چیرنے کے کارخانے میں کام کرنے لگا۔ اس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ تازہ چیرے ہوئے تختوں کو سوکھنے کےلئے ڈھیر لگاکر رکھ دے۔ وہاں اس کی ملاقات کئی ایسے لڑکوں سے ہوئی جنہیں وہ پہلے سے جانتا تھا۔ مثلاً میشا لیوچکوف جو اس کے ساتھ اسکول میں پڑھتا تھا اور وانیا کلیشوف۔ اس کی اور میشا کی جوڑی تھی اور انہیں ان کے کام کے حساب سے مزدوری ملتی تھی۔ اس طرح وہ کافی کما لیتے تھے۔ پاویل دن میں لکڑی چیرنے کے کارخانے میں کام کرتا تھا اور شام کے وقت بجلی گھر میں اپنے کام پر جاتا تھا۔

کام شروع کرنے کے دسویں دن شام کو اس نے اپنی کمائی لاکر ماں کو دی۔

ماں کو پیسے دینے کے بعد وہ کچھ عجیب سی اضطرابی کیفیت کے تحت پہلو بدلتا رہا، پھر آخرکار اس نے شرماتے ہوئے کہا:

،،ماں، ایک بات کہوں۔ مجھے ایک ساٹن کی قمیص خرید دو، نیلے رنگ کی، ویسی ہی جیسی

والی تھی کہ اس کی ماں نے کمرے میں جھانک کر کہا :
''کوئی تم سے ملنے آیا ہے، تونیا۔ اندر بھیج دوں؟''

پاویل دروازے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ اتنا تبدیل ہو گیا تھا کہ پہلے تو تونیا اسے پہچان بھی نہ پائی۔

وہ نیلے رنگ کی ایک بالکل نئی ساٹن کی قمیص اور کالے رنگ کا پتلون پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بوٹ بھی پالش سے خوب چمک رہے تھے اور اس کے بال بھی کٹے ہوئے تھے۔ اس بات کو تونیا نے فوراً دیکھ لیا تھا۔ کوئلہ جھونکنےوالے اس میلے کچیلے لڑکے کی بالکل کایاپلٹ ہی ہو گئی تھی۔

تونیا اپنے تعجب کا اظہار کرنے ہی والی تھی کہ اس نے بروقت اپنے آپ کو روک لیا کیوں‌کہ وہ اس لڑکے کو الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی، وہ یوں ہی بہت کافی سٹ‌پٹایا ہوا تھا۔ اس لئے تونیا نے یہ ظاہر کیا کہ اس نے پاویل کے حلیے میں پیدا ہونےوالی اس حیرت‌انگیز تبدیلی کو دیکھا ہی نہیں اور اس لئے اسے لعنت ملامت کرنے لگی۔

''تم اس دن مچھلی کا شکار کرنے کیوں نہیں آئے؟ شرم نہیں آتی تم کو! اس طرح اپنا وعدہ پورا کرتے ہو تم؟''

''ادھر کچھ دنوں سے میں لکڑی چیرنے کے کارخانے میں کام کرنے لگا ہوں۔ وہاں سے فرصت ہی نہیں ملی۔''

ملے تو اس نے ہاتھ ہلا کر اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔

''سمجھ گیا، سمجھ گیا،، حجام نے مسکرا کر کہا۔

پندرہ منٹ کی اس اذیت کے بعد پاویل تھکا ہوا پسینے میں تربتر حجام کی دکان سے باہر نکلا لیکن اس کے بال بہت سلیقے کے ساتھ کٹے ہوئے تھے اور کنگھی سے انہیں سنوار بھی دیا گیا تھا۔ حجام کو اس کے وحشیانہ بالوں کے ساتھ کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ لیکن آخرکار پانی اور کنگھی کے زور سے اس کے بال قابو میں آ گئے تھے اور پہلے جو بال کھڑے ہوئے تھے وہ اب قاعدے سے اپنی جگہ پر جم گئے تھے۔

سڑک پر آکر پاویل نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی ٹوپی آنکھوں کے سامنے سرکا لی۔

''ماں مجھے دیکھ کر کیا کہے گی؟،، اس نے سوچا۔

اس کے ساتھ مچھلی کے شکار کے لئے جانے کا وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے تونیا پاویل پر بہت جھنجھلائی ہوئی تھی۔

''وہ کوئلہ جھونکنے والا لڑکا میرا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھتا،، اس نے اپنی جھنجھلاہٹ میں سوچا لیکن جب کئی دن اور بیت گئے اور پاویل پھر بھی نہ آیا تو وہ اس کی ملاقات کے لئے بے قرار رہنے لگی۔

ایک دن وہ گھومنے کے لئے باہر نکلنے ہی

تھے اور ہر نئے تصادم کے ساتھ نئے لڑنے والے میدان میں آتے تھے۔

سیدھے سادے لوگوں کے لئے امن اور سکون کے دن ختم ہو چکے تھے۔

چھوٹے چھوٹے گرے پڑے مکان توپوں کی گھن گرج سے کانپ جاتے تھے اور لوگ خوف‌زدہ ہوکر اپنے تہ‌خانوں کی دیواروں کے پاس دبک جاتے تھے یا پھر اپنے مکانوں کے پیچھے بنی ہوئی خندقوں میں پناہ لیتے تھے۔

ہر رنگ اور ہر طرح کے پیتلورا گروہ اس صوبے میں طوفان کی طرح چھائے ہوئے تھے اور متعدد چھوٹے بڑے سردار جن میں گولب، ارخانگل، آنگل اور گوردیوس کی قسم کے، اور متعدد دوسری قسم کے لٹیرے تھے ان گروہوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

زار کی فوج کے سابق افسران، دائیں اور بائیں بازو کے ''یوکرینی سوشلسٹ انقلابی،، غرض یہ کہ جس منچلے نے بھی قاتلوں کا ایک گروہ جمع کر لیا وہی اتامان بن بیٹھا۔ کچھ نے پیتلورا کا زرد اور نیلے رنگ کا پرچم اپنا لیا اور اپنی طاقت اور امکانات کے مطابق جو بھی جتنے علاقے پر قبضہ کر پایا اس نے اسی پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

ان مختلف گروہوں کی مدد سے جنہیں کولاکوں (امیر کسانوں) کی پشت پناہی حاصل تھی اور اتامان کونووالیتس کی محاصرہ کرنے والی فوج کی گلیشیائی رجمنٹ کی مدد سے ''اتامان اعلی،، پیتلورا نے اپنی

وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اپنے واسطے یہ پتلون اور قمیص خریدنے کےلئے وہ پچھلے کئی دنوں سے جان توڑ محنت کر رہا تھا۔

لیکن تونیا خود ہی حقیقت کو تاڑ گئی اور پاویل سے اس کی خفگی یک لخت غائب ہو گئی۔

''آؤ تالاب کی طرف ٹہلنے چلیں،، اس نے تجویز پیش کی اور وہ دونوں باغ میں سے ہوکر سڑک پر نکل آئے۔

تھوڑی ہی دیر میں پاویل تونیا کو بتا رہا تھا کہ اس نے لفٹیننٹ کا ریوالور کس طرح چرایا تھا۔ وہ اسے اپنے اس بہت بڑے راز میں اس طرح شریک کر رہا تھا جس طرح بہت ہی قریبی دوست کو کیا جاتا ہے۔ اس نے تونیا سے وعدہ کیا کہ جلد ہی کسی دن وہ دونوں گھنے جنگل میں جائیں گے اور ریوالور چلائیں گے۔

''لیکن دیکھو، میرا یہ راز کسی کو بتا نہ دینا،، پاویل نے یک بیک کہا۔

''میں کبھی بھی تمہارا راز کسی کو نہ بتاؤں گی،، تونیا نے عہد کیا۔

چوتھا باب

یوکرین میں ایک خوفناک اور شدید طبقاتی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ روز افزوں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ جنگ میں شریک ہوتے جا رہے

میں پھنسنا نہیں چاھتا۔ ھوا یہ کہ اس نے ٹھیک سے پتہ نہیں لگایا اور جا کر لینن کی تصویر دیوار پر لگائی ھی تھی کہ تین آدمی دھڑدھڑاتے ھوئے اس کے گھر میں داخل ھوئے۔ معلوم یہ ھوا کہ وہ لوگ پیتلورا کے آدمی تھے۔ انھوں نے ایک نظر تصویر پر ڈالی اور پھر اس پر ٹوٹ پڑے۔ اسے کس کس کر بیس کوڑے لگائے گئے۔ ان لوگوں نے ڈپٹ کر اس سے کہا: ''سور کا بچہ، بڑا کمیونسٹ بنا ھے۔ ھم لوگ تیری کھال کھینچ لیں گے،،۔ اور اس نے انھیں سمجھانے کی بہتیری کوشش کی، بہت رویا پیٹا مگر کچھ فائدہ نہ ھوا۔،،

سڑک پر ھتھیاربند سپاھیوں کی ٹولیوں کو آتے دیکھ کر باعزت شہری اپنی کھڑکیاں بند کر لیتے تھے اور جا کر چپ چاپ کہیں چھپ جاتے تھے۔ سوچتے تھے، خیریت اسی میں ھے کہ چپ چاپ دم دبائے پڑے رھو...

جہاں تک مزدوروں کا سوال تھا تو وہ پیتلورا کے ٹھگوں کے زرد اور نیلے رنگ کے پرچم کو ایک دبی ھوئی نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یوکرین کے بورژوا جارحانہ قوم پرستوں کی اس یلغار کے سامنے وہ بےبس تھے۔ اور ان کے حوصلے اس وقت بیدار ھوتے تھے جب سرخ دستے چاروں طرف سے حملہ کرنےوالے زرد اور نیلے پرچم والوں کے خلاف بڑی جانبازی سے لڑتے ھوئے اور ان کی صفوں کو چیرتے ھوئے شہر میں داخل ھوتے تھے۔ ایک یا دو دن تک مزدوروں کا محبوب سرخ پرچم ٹاؤن

فوج کی رجمنٹیں اور ڈویژنیں تیار کیں۔ جس وقت سرخ چھاپہ‌مار دستے سوشلسٹ انقلابیوں اور کولاکوں کی ان غیرمنظم فوجوں پر حملہ کرتے تھے تو سینکڑوں اور هزاروں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور مشین گنوں اور توپوں کی گاڑیوں کے پہیوں کی گڑگڑاهٹ سے زمین کانپ اٹھتی تھی۔

۱۹۱۹ء کے اس هنگامی سال کے اپریل کے مہینے میں سیدھے سادے لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ دهشت اور خوف سے صبح کے وقت چپکے سے جھلملیاں کھول کے اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں سے باهر جھانک کر اپنے پڑوسی سے انتہائی تشویش کے انداز میں یہ سوال کرتا:

”آوتونوم پتروِوچ، کیا تمہیں کچھ علم هے آج یہاں کس کا اقتدار هے؟“

اور آوتونوم پتروِوچ اپنا پتلون اوپر سرکاتے هوئے خوفزدہ هوکر ادهر ادهر نظر ڈالتا اور جواب دیتا:

”کہہ نہیں سکتا، آفاناس کریلووِچ ۔ لیکن کل رات شہر میں کوئی داخل تو ضرور هوا هے۔ خیر پتہ لگ جائےگا کہ کون لوگ هیں۔ اگر انہوں نے یہودیوں کو کوٹنا شروع کیا تو صاف ظاهر هو جائےگا کہ پیتلورا کے لوگ هیں اور اگر وہ ”کامریڈ لوگ“ هوئے تو ان کی گفتگو کے انداز سے فوراً پتہ لگ جائےگا۔ میں خود یہ معلوم کرنے کے چکر میں هوں کہ کون سی تصویر ٹانگی جائے۔ میں اپنے پڑوسی گیراسیم لیونتی‌وِچ کی طرح مصیبت

بھلا کیا مقابلہ! اس لئے اس طوفان کی سیاہ موجوں کے سہارے جن کی زد میں اس وقت تمام ملک آیا ہوا تھا یہی ماہرزراعت حضور کرنل گولب بن بیٹھا۔

نوواردوں کے اعزاز میں شہر کے واحد تھیٹر میں ایک شاندار جشن کا انتظام کیا گیا۔ پیتلورا دانشوروں کے ''بہترین نمونے،، پوری تعداد اور طاقت کے ساتھ وہاں موجود تھے: یوکرینی مدرس، پادری صاحب کی دونوں بیٹیاں — حسین آنیا اور اس کی چھوٹی بہن دینا، ان سے کم حیثیت‌والی چند خواتین، کاؤنٹ پتوتسکی کے گھرانے کے کچھ سابق افراد، کچھ چھوٹے موٹے معزز شہری، یوکرینی سوشلسٹ انقلابیوں کا کچرہ جو اپنے آپ کو ''آزاد کزاک،، کہتے تھے۔

تھیٹر کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پنی سہمیزوں کو ٹکراکر چلنےوالے افسر جو دیکھنے میں زاپوروژئے کے کزاکوں کی پرانی تصویروں کی نقل معلوم ہوتے تھے، شوخ رنگوں میں کاڑھے ہوئے پھولوں اور رنگ برنگے ہاروں اور فیتوں سے آراستہ یوکرینی قومی لباسوں میں ملبوس استانیوں، پادری کی بیٹیوں اور دوسری خواتین کے اردگرد پھدک رہے تھے۔

رجمنٹ کا بینڈ زور زور سے بج رہا تھا۔ اسٹیج پر ''نازار استودولیا،، نام کا ڈراما دکھانے کی تیاریاں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری تھیں۔

لیکن بجلی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس بات کی اطلاع باضابطہ طور پر حضور کرنل صاحب

ھال پر لہراتا۔ لیکن اس کے بعد فوج آگے بڑھ جاتی اور دوبارہ بھیانک تاریکی کا غلبہ ھو جاتا۔

اس وقت شہر کرنل گولب کے قبضے میں تھا جسے ساورائے دنیپر ڈویژن کا ''فخر اور امیدوں کا مرکز،، سمجھا جاتا تھا۔

ابھی ایک روز پہلے اس کے دو ھزار خونی سپاھیوں کے دستے نے بڑے فاتحانہ انداز میں شہر میں قدم رکھا تھا۔ سپاھیوں کی صفوں کے آگے حضور کرنل صاحب خود ایک شاندار سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ اپریل کے سورج کی تپش کے باوجود ایک قفقازی لبادہ، میمنے کی کھال کی بنی ھوئی زاپوروژئے کے کزاکوں جیسی ٹوپی جس پر زردی مائل سرخ رنگ کا ایک تاج لگا ھوا تھا اور ایک چرکیسکا پہنے ھوئے تھا۔ وہ ان تمام ھتھیاروں سے بھی لیس تھا جو اس لباس کے ساتھ عام طور پر لگائے جاتے ھیں — چاندی کے نقشین دستےوالا خنجر اور تیغ۔ اس کے دانتوں میں خم‌دار نلی‌والا ایک پائپ بھی دبا ھوا تھا۔ حضور کرنل گولب بہت خوبصورت انسان تھا۔ اس کی بھنویں سیاہ تھیں اور مسلسل سےنوشی کی وجہ سے اس کے چہرے کے زرد رنگ میں ایک ھلکے سے سبز رنگ کی آمیزش پیدا ھو گئی تھی۔

انقلاب سے پہلے حضور کرنل صاحب شکر کے ایک کارخانے کے چقندر کے کھیتوں پر ماھرزراعت کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ لیکن وہ زندگی بالکل بےرنگ تھی۔ اتاماں کے عہدے کے ساتھ اس کا

لائے۔ ان کی یہ محبوبہ شراب خانے کے سالک کی گداز جسم اور پیلے بالوں‌والی بیٹی تھی۔ اسی کے ھاں کرنل صاحب کا قیام تھا۔ چونکہ اس کا باپ پیسےوالا آدمی تھا اس لئے اس نے اس صوبے کے سب سے بڑے شہر کے کسی ثانوی مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔

سامنے کی قطار میں معزز مہمانوں کی حیثیت سے ان کےلئے دو جگہیں ریزرو تھیں۔ جب وہ دونوں آرام سے بیٹھ گئے تو حضور کرنل صاحب نے اشارہ کیا اور اس کا اشارہ پاتے ھی پردہ اتنا اچانک اٹھا دیا گیا کہ ناظرین نے جلدی سے اسٹیج سے بھاگتے ہوئے اسٹیج ڈائرکٹر کی پیٹھ کی ایک جھلک بھی دیکھ لی۔

ڈرامے کے دوران میں افسران اپنی اپنی محبوباؤں کے ساتھ باھر بار میں اپنا وقت گذار رھے تھے۔ بار میں گھر کی بنی ہوئی کچی شراب کے دور چل رھے تھے جس کا انتظام کرکے پالیانتسیا نے اپنے رسوخ کا ثبوت دیا تھا۔ شہر سے کھانے پینے کی جو لذیذ چیزیں زبردستی حاصل کی گئی تھیں ان پر یہ افسران لمبے لمبے ھاتھ مار رھے تھے۔ یہ پروگرام ختم ہوتے ہوتے وہ سب نشے میں غرق ھو چکے تھے۔

ڈرامے کے آخری سین کے ختم ہوتے ھی پالیانتسیا کودکر اسٹیج پر جا پہنچا۔

"خواتین اور حضرات! اب اس کے بعد فوراً ناچ شروع ہوں‌گے،، اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں ھاتھ نچاکر اعلان کیا۔

کو صدر دفتر میں ایڈیکانگ سب لفٹیننٹ پولیانتسیف کی معرفت پہنچا دی گئی تھی۔ ایڈیکانگ نے اب اپنے نام اور عہدے کو یوکرینی طرز کے مطابق تبدیل کرکے خورونژی پالیانتسیا کر لیا تھا۔ کرنل صاحب نے جو شام کے جلسے کو اپنی شرکت کا شرف بخشنے کا فیصلہ کر چکے تھے پالیانتسیا کی پوری بات سنی اور لاپروائی کے ساتھ لیکن تحکمانہ انداز میں کہا:

''روشنی کا انتظام کرانا تمہارا کام ہے۔ کسی بجلی‌والے کو پکڑکر بجلی گھر چالو کروا دو۔ چاہے اس کام میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

''بہت اچھا، حضور کرنل صاحب۔''

خورونژی پالیانتسیا کو بغیر اپنی جان دئیے ہی کئی بجلی‌والے مل گئے۔ مسلح سنتریوں کی حراست میں ایک گھنٹے کے اندر ہی پاویل، بجلی کے ایک مستری اور ایک میکنیک کو بجلی گھر لے جایا گیا۔

''اگر سات بجے تک بجلی نہ آئی تو تم تینوں کو میں پھانسی پر لٹکا دوں‌گا'' پالیانتسیا نے اوپر چھت پر لگے ہوئے لوہے کے ایک شہتیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان تینوں سے بڑی سختی کے ساتھ کہا۔

صورت حال کی اس دوٹوک تشریح کا ان تینوں پر بڑا اثر ہوا اور مقررہ وقت پر بجلی آ گئی۔

جشن کی محفل پورے شباب پر تھی جب حضور کرنل صاحب اپنی محبوبہ کو لئے ہوئے تشریف

ھیں۔ تم لوگ کون ھو؟ گولب کے آدمی ھو؟،،
''ھاں، ھم لوگ گولب کے آدمی ھیں،، ایک افسر نے جواب دیا۔ وہ بھی بڑھ کر ایک قدم آگے آ گیا تھا۔
''میں اپنے آدمیوں کو کہاں ٹھہراؤں؟،، پاولیوک نے پوچھا۔
''میں ابھی ھیڈ کوارٹر فون کرکے پوچھتا ھوں،، اس افسر نے جواب دیا۔ اور پھر وہ سڑک کے کنارے ایک جھونپڑی میں غائب ھو گیا۔
ایک منٹ بعد ھی وہ باھر نکلا اور حکم دینے لگا:
''جوانو، مشین گن سڑک پر سے ھٹا لو۔ حضور اتامان کے لئے راستہ صاف کردو!،،
تیز روشنیوں سے جگمگاتے ھوئے تھیٹر کے سامنے پہنچ کر پاولیوک نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ وھاں پر بہت سے لوگ کھلی ھوا میں چہل قدمی کر رھے تھے۔
''معلوم ھوتا ھے، یہاں کوئی محفل جمی ھوئی ھے،، اس نے پاس والے گھوڑ سوار کی طرف مڑ کر کہا۔ ''گکماچ، کیوں نہ ھم بھی یہیں اتر کر ان رنگ رلیوں میں شریک ھو جائیں۔ یہیں سے کوئی دو چھوکریاں پکڑ لیں گے۔ چھوکریوں کی تو یہاں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ اے، استالیژکو!،، اس نے چلا کر کہا۔ ''تم شہر کے لوگوں کے گھروں میں سپاھیوں کے ٹھہرنے کا انتظام کروا دو۔ ھم لوگ یہیں رکیں گے۔ اردلی، پیچھے پیچھے آؤ!،،

هر طرف سے تالیوں کی آواز کے ساتھ اس اعلان کا خیرمقدم کیا گیا۔ تمام تماشبین ھال کے باھر صحن میں نکل آئے تاکہ پیتلورا کے سپاھی جنھیں سہمانوں کی حفاظت کے لئے تعینات کیا گیا تھا کرسیاں باھر نکال کر رقص کےلئے ھال خالی کر دیں۔

آدھے گھنٹے کے اندر تھیٹر ھال میں رنگ‌رلیوں کا طوفان سا ابل پڑا۔

پیتلورا فوج کے افسران رکھ رکھاؤ کی تمام حدیں توڑکر مقامی خواتین کے ساتھ بڑی بےباکی سے ''گوپک ناچ،، ناچنے میں مصروف تھے۔ گرمی کی وجہ سے خواتین کے چہرے تمتمائے ھوئے تھے اور افسروں کے وزنی بوٹوں کی دھمک سے تھیٹر کی فرسودہ عمارت کی دیواریں کانپ رھی تھی۔

اسی وقت آٹے کی چکی کی سمت سے مسلح گھوڑسواروں کا ایک دستہ شہر کی طرف آ رھا تھا۔ شہر کی سرحد پر پیتلورا فوج کے سنتریوں نے گھبرا کر اپنی مشین گن سنبھال لی اور رات کے سناٹے میں رائفلوں کے توڑے کھٹکنے کی آواز آئی۔ اسی وقت رات کی سیاھی کو چیرتی ھوئی کسی کی کرخت آواز سنائی دی:

''ٹھہرو! کون جاتا ھے؟ کون ھے؟،،

تاریکی میں سے دو سیاہ سائے ابھرکر سامنے آئے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر بیٹھی ھوئی بھاری آواز میں کہا:

''اتامان پاولیوک اپنے دستے کے ساتھ آ رہے

.0*

شریک تھی۔ اور ناچتے وقت وہ اتنی تیزی سے گھومتی تھی کہ اس کا سایہ بہت اونچا اٹھ جاتا تھا اور ناچ سے لطف‌اندوز ہونےوالے چاروں طرف کھڑے ہوئے سپاھیوں کو اس کا ریشمی جانگیا بالکل صاف نظر آنے لگتا تھا۔

اپنی کہنیوں سے مجمع کو چیرتا ھوا پاولیوک رقص کے دائرے میں پہنچ گیا۔ اس نے پادری کی بیٹی کی پنڈلیوں کو اپنی دھندلائی ھوئی نظروں سے دیکھا اور پھر اپنے خشک ھونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا۔ اس کے بعد وہ رقص کے دائرے کو پار کرتا ھوا اس چبوترے کے پاس پہنچ گیا جہاں سازندے بیٹھے ھوئے تھے۔ وھاں پہنچ کر وہ رکا اور اس نے اپنا گھوڑےوالا چابک پھٹکارا جسے چمڑے کی پتلی پٹیوں کو بالوں کی چوٹی کی طرح گوندھ کر بنایا گیا تھا۔

”چلو فوراً گوپک کی طرز چھیڑو!“

سازندوں کے ھدایت‌کار نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

پاولیوک کے ھاتھ کی ایک تیز جنبش کے ساتھ کوڑا کنڈکٹر کی پیٹھ پر جاکر چپک گیا۔ وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے ڈنک مار دیا ھو۔ موسیقی کا سلسلہ یک بیک ٹوٹ گیا اور سارے ھال پر سکوت طاری ھو گیا۔

”بدتمیز کہیں کا!“ شراب‌خانے کے مالک کی بیٹی آپے سے باھر ھو گئی۔ اپنے پاس بیٹھے ھوئے

اتنا کہہ کر وہ اپنے لڑکھڑاتے ہوئے گھوڑے پر سے دھم سے کود پڑا۔

تھیٹر کے پھاٹک پر پاولیوک کو پیتلورا کے دو مسلح جوانوں نے روک دیا۔

''ٹکٹ؟''

پاولیوک نے انہیں بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان میں سے ایک کو اپنے کندھے ک دھکا دے کر ایک طرف کو دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ کے ایک درجن سپاھیوں نے بھی ایسا ھی کیا۔ ان سب کے گھوڑے باھر جنگلے سے بندھے ہوئے تھے۔

سب کی نظریں ان نوواردوں کی طرف گھوم گئیں۔ پاولیوک کے لحیم شحیم جسم نے خاص طور ،پر سب کی توجہ اس پر مرکوز کر دی۔ وہ نہایت عمدہ کپڑے کا بنا ھوا افسروں ک کوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ وہ اس قسم کی نیلے رنگ کی برجس پہنے ہوئے تھا جیسی کہ گرد کے افسران پہنتے ھیں۔ اس کے سر پر سمور کی ایک جھبری سی ٹوپی تھی۔ اس کے کندھے سے لٹکتی ہوئی چمڑے کی پیٹی میں ایک ماؤزر پستول جھول رھا تھا۔ اور اس کی جیب سے ایک دستی بم باھر جھانک رھا تھا۔

''یہ کون ھے؟'' رقص کے حلقے کے چاروں طرف کھڑے ہوئے مجمع میں کاناپھوسی شروع ھو گئی۔ رقص کے دائرے میں گولب کا نائب سپہ سالار بڑے جوش کے ساتھ دیوانہوار ناچ رھا تھا۔

پادری کی بڑی بیٹی ناچ میں اس کے ساتھ

10—1055

کپتان کی اتنی مجال ہوئی تھی کہ وہ یہاں آکر حضور کرنل صاحب کی آنکھوں کے سامنے اس کے بینڈ ماسٹر پر ہاتھ اٹھائے۔ اب تو بس حد ہو گئی تھی۔ گولب بخوبی سمجھ گیا تھا کہ اگر اس نے اس مغرور ٹٹ پونجئے اتاسان کو اس کی اوقات سے بڑھنے دیا تو اس کی اپنی رجمنٹ میں اس کا سارا رعب خاک میں مل جائے گا۔

کئی سکنڈ تک وہ دونوں وہیں خاموش کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔

ایک ہاتھ سے تیغ کا دستہ پکڑکر اور دوسرے سے اپنی جیب میں ریوالور کو ٹٹولتے ہوئے گولب نے چیخ کر کہا:

''تیری یہ مجال کہ تو میرے سامنے میرے آدمیوں پر ہاتھ اٹھائے، بدمعاش کہیں کا!،،

پاولیوک کا ہاتھ بھی سرک کر اپنے ماؤزر پستول کے دستے پر پہنچ گیا۔

''حضور گولب صاحب، ذرا ہوش میں رہئے۔ زیادہ نہ اکڑئے، نہیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ مجھ پر رعب جھاڑنے کی کوشش مت کیجئے، میرا غصہ بہت خراب ہے۔،،

گولب کو اتنی بات کی برداشت نہیں تھی۔

''نکال دو انہیں اور پچیس پچیس کوڑے لگاؤ ان سب کو،، اس نے چیخ کر کہا۔

تمام افسران پاولیوک اور اس کے سپاہیوں پر شکاری کتوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

اسی دوران میں گولی چلنے کی آواز آئی جیسے

گولب کی کہنی پکڑ کر اس نے چیخ کر کہا۔
''اور تم چپ چاپ بیٹھے دیکھ رہے ہو۔،،

گولب اپنا بھاری جسم لئے ھانپتا ھوا اٹھا اور ایک کرسی کو ٹھوکر مار کر ایک طرف سرکاتے ہوئے وہ تین قدم آگے بڑھا اور جا کر پاولیوک کے روبرو کھڑا ھو گیا۔ وہ اس نووارد کو فوراً پہچان گیا تھا۔ اسے اپنے اس رقیب کے ساتھ جو اس کے ھاتھ سے مقامی اقتدار چھین لینا چاھتا تھا کئی پرانے جھگڑے نمٹانے تھے۔ ابھی ایک ھفتہ پہلے ھی پاولیوک نے حضور کرنل کے ساتھ بڑی ذلیل حرکت کی تھی، ایسے وقت پر جب کہ وہ سرخ فوج کی ایک رجمنٹ کے ساتھ گھمسان کی لڑائی میں مبتلا تھا۔ اور یہ رجمنٹ گولب کی فوجوں کو پہلے بھی کئی بار بری طرح شکست دے چکی تھی۔ پاولیوک نے بالشویکوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کی بجائے ایک شہر پر ھلہ بول دیا تھا اور وھاں پر تعینات سرخ فوج کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی کو کچل کر وھاں اپنی حفاظت کےلئے اپنے سپاھیوں کا ایک دستہ تعینات کر دیا تھا اور پھر اس نے اس شہر میں جی بھر کر لوٹ مار کی تھی۔ یہ تو ظاھر ھی ھے کہ پیتلورا کی فوجوں کی روایات کے مطابق اس نے اس بات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی کہ یہودیوں کو حملے کا خاص نشانہ بنایا جائے۔ اسی اثنا میں سرخ فوجیں گولب کے مورچے کو داھنی طرف سے توڑ کر اس کے چنگل سے نکل گئی تھیں۔

اور اب گھوڑسوار فوجوں کے اس بددماغ

''دروازوں پر سنتری بٹھا دو،، اس نے حکم دیا۔
''کوئی بھی ہال سے باہر نہیں جائےگا۔،،
پالیانتسیا نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔
''خواتین اور حضرات، ناچ صبح تک جاری رہےگا،، گولب نے تمام لوگوں کے احتجاج کا جواب دیتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''پہلا ناچ میں خود شروع کرتا ہوں۔،،
سازندوں نے پھر اپنے ساز چھیڑے لیکن لاکھ کوشش کرنے پر بھی اس رات محفل دوبارہ رنگ پر نہ آ سکی۔
کرنل صاحب پادری کی بیٹی کے ساتھ ناچتے ہوئے ابھی ہال کا ایک پورا چکر بھی نہ لگا پائے تھے کہ کچھ سنتری بھاگتے ہوئے ہال میں آئے اور انہوں نے چلاکر اعلان کیا:
''پاولیوک تھیٹر کے چاروں طرف گھیرا ڈال رہا ہے!،،
اسی وقت سڑک کی طرف والی ایک کھڑکی ٹوٹی اور اس ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے چوکھٹے میں سے مشین گن کی نکٹی سی نال اندر داخل کر دی گئی۔ مشین گن کی نال انتہائی احمقانہ انداز سے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا کر رہی ہے جو اس کے ڈر سے بھاگ بھاگ کر، جس طرح کوئی بھوت کو دیکھ کر بھاگتا ہے، ہال کے بیچ میں جمع ہو رہے تھے۔
پالیانتسیا نے چھت سے لٹکتے ہوئے ہزار کینڈل پاور کے بجلی کے بلب پر گولی چلائی اور بلب

کسی نے فرش پر بجلی کا بلب توڑ دیا ہو اور سپاہی ہال کے فرش پر ایک دوسرے کو اس طرح پٹخنیاں دینے لگے اور قلابازیاں کھانے لگے کہ معلوم ہوتا تھا کتوں کے دو گروہ لڑ رہے ہیں۔ اس ہنگامے میں لوگ ایک دوسرے پر تیغوں سے وار کر رہے تھے، ایک دوسرے کے بال نوچ رہے تھے اور ایک دوسرے کے گلے گھونٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عورتیں دہشت کے مارے، زخم خوردہ سور کی طرح چنچنا کر لڑنے والوں سے دور بھاگ کر ادھر ادھر بکھر گئی تھیں۔

چند منٹ کے اندر ہی پاولیوک اور اس کے ساتھیوں کے تمام ہتھیار چھین لئے گئے، ان کو شکست فاش ہو چکی تھی۔ انہیں گھسیٹ کر ہال کے باہر سڑک پر دھکیل دیا گیا۔

اس مارپیٹ میں پاولیوک کی جھبری سموروالی ٹوپی کہیں گم ہو گئی، اس کے چہرے پر کئی زخم لگے اور اس کے تمام ہتھیار چھن گئے۔ اس وقت وہ مارے غصے کے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ اور اس کے تمام ساتھی کود کود کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور سڑک پر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے دور نکل گئے۔

محفل درہم برہم ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد کسی کی طبیعت رنگ رلیاں منانے کو نہیں چاہ رہی تھی۔ عورتوں نے ناچنے سے انکار کر دیا اور گھر واپس جانے پر اصرار کرنے لگیں۔ لیکن گولب بھلا کب سننے والا تھا۔

شہر کے باہر کی طرف ایک مشین گن سے رہ رہ کر گولیوں کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی کتا بھونک رہا ہو۔

افق پر شفق کی سرخی جھلکنے لگی تھی۔ لڑائی ختم ہو چکی تھی۔

سارے شہر میں رفتہ رفتہ افواہ پھیل گئی کہ یہودیوں پر ظلم توڑنے اور لوٹنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور پھیلتے پھیلتے یہ افواہ یہودیوں کی نیچی چھتوں والی چھوٹی چھوٹی ان جھونپڑیوں تک پہنچ گئی جن کی ٹیڑھی میڑھی کھڑکیاں نہ جانے کس طرح کچی دیواروں میں ٹکی ہوئی تھیں۔ یہ جھونپڑیاں دریا کے کنارے واقع تھیں اور ان کی کھڑکیاں دریا کی طرف کھلتی تھیں۔ ان بلوں میں جن کو گھر کہا جاتا تھا غریب یہودی نہ جانے کیسے گھس پل کر رہتے تھے۔

جس چھاپے خانے میں سرگئی بروزاک سال بھر سے زیادہ سے کام کر رہا تھا وہاں کے کمپوزیٹر اور دوسرے مزدور یہودی تھے۔ ان کے اور سرگئی کے درمیان دوستی کے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ تمام لوگ ایک منظم کنبے کی طرح مل کر اپنے مالک مسٹر بلیومشٹائن کے خلاف لڑتے تھے۔ اس خبیث صورت شخص کے چہرے پر کھا کھا کر چربی چھا گئی تھی۔ چھاپے خانے کے مالک اور مزدوروں کے درمیان مسلسل جھگڑا چلتا رہتا تھا۔ بلیومشٹائن ہمیشہ اس چکر میں رہتا تھا

بم کی طرح پھٹ گیا۔ ہال میں کھڑے ہوئے تمام لوگوں پر ٹوٹے ہوئے کانچ کی بارش سی ہو گئی۔ ہال میں اندھیرا چھا گیا۔ کسی نے باہر صحن سے چیخ کر کہا:

''سب لوگ باہر نکل جائیں!'' اور اس کے بعد گندی گالیوں کی بوچھار ہونے لگی۔

عورتیں دہشت‌زدہ ہوکر پاگلوں کی طرح چیخیں مار رہی تھیں۔ گولب ہال میں ادھر ادھر بھاگ پھر رہا تھا اور چیخ کر حکم دیتا ہوا اپنے افسروں کو جمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو پوری طرح اپنے دماغوں کا توازن کھو بیٹھے تھے۔ گولیاں چل رہی تھیں اور باہر صحن میں چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ ان تمام آوازوں کے خلط ملط ہو جانے سے ایک ایسا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا جو ناقابل بیان ہے۔ اس افراتفری کے عالم میں کسی نے غور بھی نہیں کیا کہ کس وقت پالیانتسیا پیچھے کے دروازے سے ایک سنسان سڑک پر نکل گیا اور اپنی پوری رفتار سے بھاگتا ہوا گولب کے ہیڈکوارٹر جا پہنچا۔

آدھے گھنٹے کے اندر شہر میں باقاعدہ لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ مسلسل رائفلیں چلنے کی آواز سے اور بیچ بیچ میں مشین‌گنوں کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے رات کا سکوت بالکل غارت ہو گیا تھا۔ لوگ حواس‌باختہ ہوکر اپنے گرم آرام‌دہ بستروں کو چھوڑکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کھڑکیوں کے شیشوں سے منھ لگاکر باہر جھانکنے لگے۔

آخرکار گولیاں چلنے کی آواز کم ہوئی، صرف

کو بری طرح پیٹا جائےگا۔ میں تم سے یہ معلوم کرنا چاهتا هوں کہ کیا اس مصیبت کے وقت تم اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکتے هو؟،،

''یقیناً مجھ سے جو بھی مدد هو سکےگی میں ضرور کروںگا۔ سینڈل، بتاؤ میں کیا مدد کر سکتا هوں؟،،

باقی تمام کمپوزیٹر بھی ان کی باتیں سننے کےلئے آکر وهاں جمع هو گئے۔

''سرگئی، تم بہت اچھے لڑکے هو۔ همیں تم پر پورا بھروسہ هے اور کیوں نہ هو، آخر تمہارا باپ بھی تو هماری هی طرح مزدور هے۔ تم لپک کر ذرا اپنے گھر چلے جاؤ اور اس سے پوچھ آؤ کہ کیا وہ اپنے گھر میں کچھ بوڑھے بوڑھیوں کو چھپا لےگا، یہ فیصلہ هم لوگ پھر بعد میں کر لیں گے کہ کسے کسے وهاں بھیجا جائے۔ اور اپنے گھر پر یہ بھی دریافت کر لینا کہ وہ کچھ اور ایسے لوگوں کو جانتے هیں یا نہیں جو هماری ایسی هی مدد کر سکیں۔ ابھی کچھ عرصے کےلئے یہ لٹیرے روسیوں پر هاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ لپک تو جاؤ، سرگئی، همارے پاس وقت بہت کم هے۔،،

''سینڈل، تم مجھ پر پوری طرح بھروسہ رکھو، میں ابھی جاکر پاویل اور کلیمکا سے ملتا هوں، ان کے گھروالے بھی ضرور کچھ لوگوں کو رکھ لیںگے۔،،

''ذرا ٹھہرو،، سینڈل نے سرگئی کو جو چل پڑنے کو تیار تھا، کسی قدر بےاطمینانی کے ساتھ

کہ خود زیادہ سے زیادہ رقم ھتھیا لے اور مزدوروں کو کم سے کم مزدوری دے۔ مزدور کئی بار ھڑتال کر چکے تھے اور چھاپہ‌خانہ لگاتار دودو تین‌تین ھفتے تک بند پڑا رھا تھا۔ چھاپے خانے میں چودہ مزدور کام کرتے تھے۔ سرگئی جو ان میں سب سے کم عمر تھا دن میں بارہ گھنٹے ایک دستی پریس کا پہیہ گھمانے کا کام کرتا تھا۔

آج سرگئی کو مزدوروں میں ایک عجیب سی بیچینی نظر آ رھی تھی، جیسے کوئی بہت بڑی مصیبت آنےوالی ھو۔ پچھلے کئی مہینے سے جو کہ بہت خلفشار کے مہینے تھے، اس چھاپےخانے میں وقتاً فوقتاً اتامان اعلی کے فرمان چھاپنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ھوا تھا۔

مینڈل نام کا ایک کمپوزیٹر، جو دق کا مریض تھا، سرگئی کو بلاکر ایک کونے میں لے گیا۔

"تمہیں معلوم ھے نا کہ یہودیوں کے عام لوٹ‌مار کی تیاریاں کی جا رھی ھیں،" اس نے اپنی مغموم آنکھوں سے اس لڑکے کی طرف دیکھتے ھوئے کہا۔

سرگئی نے حیرت سے اس کی طرف سر اٹھاکر دیکھا۔

"نہیں، مجھے تو اس کی ذرا بھی خبر نہیں۔"

مینڈل نے اپنا سوکھا ھوا مریل ھاتھ سرگئی کے کندھے پر رکھ دیا اور پدرانہ لہجے اور رازدارانہ انداز میں کہا:

"ان کے عام لوٹ‌مار کی تیاریاں تو ھو رھی ھیں، اس میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ھے۔ یہودیوں

سوال ہی نہیں تھا۔ دو اتامان ایک دوسرے سے سڑک کے آوارہ کتوں کی طرح لڑے تھے۔ اس حالت میں جنازے کا کوئی اہتمام ہونا بہت بےتکی سی بات ہوتی۔ اتنا ضرور ہوا کہ پالیانتسیا اس واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرنا چاہتا تھا اور پاولیوک کو کمیونسٹ لٹیرا قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن سوشلسٹ انقلابیوں کی کمیٹی نے جس کا صدر پادری واسیلی تھا، اس پر اعتراض کیا۔

اس جھڑپ سے گولب کی رجمنٹ میں کچھ بےاطمینانی سی پھیل گئی تھی، خصوصاً اس کے باڈی گاردوں میں جنہوں نے سب سے زیادہ نقصان اٹھایا تھا۔ اس بےاطمینانی کو ختم کرنے اور سپاہیوں میں ہمت اور جوش پیدا کرنے کےلئے پالیانتسیا نے یہ تجویز رکھی کہ سپاہیوں کی ”تفریح کا انتظام“ کرنے کے سلسلے میں یہودیوں کا عام لوٹ مار شروع کر دیا جائے۔ اس نے جس ڈھنگ سے گولب کے سامنے یہ مسئلہ چھیڑا وہ انسانیت سے قطعی خارج تھا۔ اس نے یہ دلیل پیش کی کہ سپاہیوں کی بےاطمینانی کو دیکھتے ہوئے یہ قدم قطعی لازمی ہے اور حالانکہ کرنل شراب خانے کے مالک کی بیٹی کے ساتھ اپنی شادی سے ایک دن قبل شہر کے امن اور سکون میں کسی قسم کا خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا لیکن آخرکار اسے بھی راضی ہونا پڑا۔

یہ بھی سچ ہے کہ اس منصوبے کو عمل میں لانے میں اس کی ہچکچاہٹ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ابھی حال ہی میں سوشلسٹ انقلابی پارٹی

روک کر کہا۔ ''یہ پاویل اور کلیمکا کون ہیں؟ کیا تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو؟،،

سرگئی نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنا سر ھلا دیا۔

''جانتا کیوں نہیں ہوں، وہ دونوں میرے دوست ہیں۔ پاویل کورچاگن کا بھائی ریلوے میں مستری ہے۔،،

''اچھا، کورچاگن،، سینڈل کو اطمینان ہو گیا۔ ''اسے تو میں بھی جانتا ہوں۔ پہلے ہم لوگ ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ ہاں ہاں، تم کورچاگن کے یہاں بھی پوچھ لینا۔ جاؤ، بیٹا سرگئی، اور جتنی جلدی ہو سکے جواب لے کر لوٹنا۔،،

سرگئی تیر کی طرح سڑک پر نکل گیا۔

جس دن پاولیوک کے دستے اور گولب کے سپاہیوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی تھی اس کے تیسرے دن یہودیوں پر مظالم شروع ہوئے۔

بری طرح شکست کھانے اور شپیتوفکا سے نکالے جانے کے بعد پاولیوک نے اس شہر کو چھوڑ دیا اور قریب ہی کے ایک دوسرے قصبے پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا۔ رات کو شپیتوفکا کی لڑائی میں اس کے بیس آدمی مارے گئے تھے۔ گولب کے گروہ کو بھی تقریباً اتنا ہی نقصان ہوا تھا۔

مردوں کو اسی دن گاڑی پر لاد کر جلدی جلدی قبرستان پہنچا دیا گیا اور بلا کسی اہتمام کے اسی دن دفنا بھی دیا گیا تھا کیوں کہ اس واردات کے سلسلے میں کسی قسم کی ڈینگ مارنے کا کوئی

اچھی طرح ڈھکی ہوئی کھڑکیاں اپنی اندھی آنکھوں سے باہر گھور رہی تھیں۔

باہر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پوری بستی صبح کی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ لیکن گھروں کے اندر نیند کا نام نشان بھی نہ تھا۔ پورے کے پورے کنبے باقاعدہ کپڑے پہن کر اپنے اپنے مکانوں کے ایک کمرے میں گھس پل کر بیٹھے ہوئے آنے والی آفت کےلئے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے۔ صرف بہت ہی چھوٹے بچے جو صورت حال کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے اپنی ماؤں کی گود میں سکھ کی نیند سو رہے تھے۔

گولب کے باڈی گاردوں کا سردار سالوسیگا بالکل کالا بھجنگ آدمی تھا۔ اس کا چہرہ بنجاروں کی طرح سیاہ تھا اور اس کے گال پر تیغ کے زخم کا ایک بہت ہی گھناؤنا نشان تھا۔ اس دن صبح گولب کے ایڈیکانگ کو جگانے میں اسے بڑی محنت کرنا پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پالیانتسیا کو جاگنے میں بڑی تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ وہ رات بھر جو خوفناک خواب دیکھتا رہا تھا اس کے اثر سے وہ اپنے آپ کو آسانی سے آزاد نہیں کر پایا۔ وہ عجیب طرح سے منھ بنائے، دانت نکالے کبڑا دیو ابھی تک اس کی گردن میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا۔ آخرکار اس نے اپنا درد سے پھٹتا ہوا سر اٹھاکر سالوسیگا کو دیکھا۔

''اٹھ بے شرابی،، سالوسیگا اس کے کندھے پکڑکر اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ ''کام شروع کرنے

میں شریک ہوا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اس کے دشمن پھر اس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کریں گے اور اسے یہودیوں کا قاتل کہہ کر بدنام کریں گے۔ اس بات میں تو اسے کوئی بھی شبہہ نہیں تھا کہ وہ ''اتامان اعلیٰ'' کے سامنے اس کی بدگوئی کریں گے۔ لیکن ابھی تک خیریت یہی تھی کہ گولب ''اتامان اعلیٰ'' کا بہت زیادہ دست نگر نہیں تھا کیوں کہ وہ خود اپنا خرچ اٹھاتا تھا۔ اس کے علاوہ ''اتامان اعلیٰ'' کو یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ اس کے خادموں میں کیسے کیسے بدمعاش بھرے ہوئے تھے۔ اور اس نے خود بارہا یہ مطالبہ کیا تھا کہ شہریوں سے وصول کی ہوئی نام نہاد فوجی رسد کا ایک حصہ اسے اپنے صدر دفتر کا خرچ چلانے کے لئے دیا جایا کرے۔ اور جہاں تک یہودیوں پر مظالم توڑنے کا سوال تھا تو اس سلسلے میں تو گولب پہلے ھی بہت شہرت حاصل کرچکا تھا۔ اب اس میں کسی قسم کا اضافہ کرنے کی گنجائش ھی نہیں رہی تھی۔

یہودیوں کا لوٹ مار صبح سویرے ھی سے شروع کر دیا گیا۔

طلوع صبح سے پہلے جو دھندلا سا کہرا نظر آتا ھے وہ اب تک شہر پر چھایا ہوا تھا۔ یہودیوں کی بستی کے بے ترتیب مکانوں کے گرد جو ویران سڑکیں لنن کی گیلی پٹیوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں ان پر کسی قسم کی چہل پہل نہیں نظر آ رہی تھی۔ مضبوطی سے بند کی ہوئی اور پردوں سے

پالیانتسیا نے اپنے سر پر ایک بالٹی پانی اونڈیل لیا اور اس طرح اپنے حواس درست کرنے کے بعد وہ فوراً ہیڈکوارٹر میں ادھر ادھر بھاگ کر مختلف لوگوں کو حکم دینے لگا۔

سو باڈی گاردوں کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار بالکل تیار کھڑا تھا۔ ہر قسم کی گڑبڑ کے امکان سے بچنے کے لئے پالیانتسیا نے اپنی دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ حکم جاری کر دیا کہ مزدوروں کی بستیوں اور اسٹیشن اور شہر کے درمیان سنتری تعینات کر دئے جائیں۔ لیش چینسکی کے باغ میں سڑک کی طرف منھ کرکے ایک مشین گن لگا دی گئی تاکہ اگر مزدور کسی قسم کی دخل اندازی کرنے کی ہمت کریں تو انہیں گولیوں سے بھون دیا جائے۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ایڈیکانگ ور سالوسیگا بھی کودکر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

''ذرا ٹھہرو! میں تو بالکل بھول گیا،، پالیانتسیا نے یک بیک ہڑبڑاکر کہا۔ تمام لوگ س وقت تک روانہ ہو چکے تھے۔ ''گولب کی شادی کے تحفے لانے کے لئے دو گاڑیاں تو لے آؤ۔ ہا ہا! یہ تو پرانا دستور ہے کہ لوٹ کا پہلا مال کمانڈر کو اور پہلی لڑکی، ہا ہا! — اس کے یڈیکانگ کو، یعنی خاکسار کو۔ سمجھے بدھو؟،،

یہ آخری فقرہ سالوسیگا سے کہا گیا تھا۔ اس نے بڑی خفگی کے ساتھ پلٹ کر اسے گھورا۔

'ارے مال تو اتنا ہوگا کہ سب کے لئے کافی ہوگا۔،،

کا وقت نکلا جا رہا ہے اور تم پڑے سو رہے ہو۔ لگتا ہے رات کو ذرا زیادہ چڑھا گئے تھے۔،،

پالیانتسیا پوری طرح جاگ چکا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سوزش جگر سے اس کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے منھ میں بھرا ہوا بدذائقہ تلخ لعاب تھوک دیا۔

''کون سا کام؟،، اس نے بالکل انجان کی طرح سالوسیگا کی طرف دیکھا۔

''ارے وہی، ان یہودیوں کا قیمہ بنانا ہے نا۔ اور کون سا کام؟ اتنی جلدی بھول بھی گئے نا؟،،

پالیانتسیا کو تمام باتیں یک بیک یاد آ گئیں۔ ہاں، وہ سچ مچ ہی بھول گیا تھا۔ پچھلی رات حضور کرنل صاحب اپنی منگیتر اور چند جگری دوستوں کو لے کر جس فارم پر شب گذارنے کے لئے گئے تھے وہاں خوب زوروں پر شراب کے دور چلے تھے۔ یہ اسی کا اثر تھا۔

گولب نے سہولت اسی میں دیکھی کہ جتنے عرصے تک یہودیوں کو لوٹا جائے اتنے عرصے کے لئے وہ شہر چھوڑ کر کہیں باہر چلا جائے کیوں کہ ایسی صورت میں وہ بڑی آسانی کے ساتھ بعد میں یہ کہہ سکتا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔ اور اس عرصے میں پالیانتسیا کو اس بات کا موقع بھی مل جائے گا کہ اس کام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ جہاں تک ''تفریح،، کا انتظام کرنے کا سوال تھا پالیانتسیا اس کام میں مہارت رکھتا تھا۔

اس نے اس پر زور کی ٹھوکر ماری لیکن شاہ بلوط کے مضبوط تختوں کے بنے ہوئے دروازے میں جنبش تک نہ ہوئی۔

دراصل ابتدا کرنے کےلئے یہ جگہ مناسب نہیں تھی۔ پالیانتسیا نے اس عمارت کے دوسرے حصے کا رخ کیا اور فوکس کے رہنے کے مکان کے دروازے کی طرف روانہ ہوا۔ تمام وقت اس کا ھاتھ تیغ کے دستے پر تھا۔ سالوسیگا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

مکان کے اندر سے لوگوں نے باھر پکی سڑک پر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن لی تھی۔ جب یہ آواز دکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی اور دیواروں کو پار کرکے آدمیوں کے بولنے کی آواز آنے لگی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے یک بیک ان کے دلوں کی دھڑکن رک گئی ھو اور ان کے جسم پتھرا گئے ھوں۔

فوکس پیسےوالا آدمی تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کو لےکر دو دن پہلے ھی شہر چھوڑکر چلا گیا تھا اور اپنی نوکرانی ریوا کو جو انیس سال کی ایک سیدھی سادی نیک سی لڑکی تھی، اپنے سامان کی حفاظت کےلئے چھوڑ گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اتنے بڑے ویران مکان میں اکیلی رہنے سے گھبرا رھی ھے تو اس نے لڑکی کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ان لوگوں کی واپسی تک کےلئے وہ اپنے والدین کو وھاں اپنے ساتھ رھنے کےلئے بلوا لے۔

اس پر جب ریوا نے دبی زبان سے احتجاج کرنے کی

انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر سڑک پر دوڑا دیا۔ ایڈیکانگ اور سالوسیگا گھوڑسواروں کی اس بے ترتیب بھیڑ کی رہنمائی کر رہے تھے۔

جس وقت پالیانتسیا نے ایک دو منزلہ مکان کے سامنے جس پر ''فوکس، کپڑے کے بیوپاری'' کا زنگ آلود سائن بورڈ لگا ہوا تھا، گھوڑا روکا اسوقت کہر چھٹ چکا تھا۔

اس کی پتلی پتلی ٹانگوں والی بھوری گھوڑی گھبرا کر سڑک کے پتھروں پر اپنے سم پٹکنے لگی۔

''انشاء اللہ ہم لوگ یہیں سے شروعات کریں گے''

پالیانتسیا نے گھوڑے سے زمین پر کودتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا: ''جوانو، اپنے گھوڑوں سے اتر پڑو، اب تماشہ شروع ہوتا ہے۔ میں قطعی نہیں چاہتا کہ اسوقت خون خرابہ ہو، اس کا بھی وقت آئے گا۔ جہاں تک لڑکیوں کا سوال ہے، اگر تم سے ممکن ہو سکے تو شام تک کے لئے صبر سے کام لینا۔''

ایک شخص نے کھیسیں نکال کر کہا:

''لیکن حضور خورونژی، اگر دونوں راضی ہوں تو کیا حرج ہے؟''

اس بات پر چاروں طرف قہقہہ پڑ گیا۔ جس شخص نے یہ بات کہی تھی اسے بڑی تعریف کی نظروں سے دیکھ کر پالیانتسیا نے کہا:

''وہ تو الگ بات ہے۔ دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔''

پالیانتسیا دکان کے بند دروازے پر گیا اور

ریوا بھاگ کر سب سے دور والے کمرے میں شاہبلوط کی لکڑی کی بڑی سی الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

دروازے پر ایک زبردست چوٹ ہوئی اور بوڑھا بڑھیا دونوں کانپ اٹھے۔

''دروازہ کھولو!،، دروازے پر ایک اور چوٹ پڑی جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ سخت تھی اور اس کے بعد گالیوں کی بوچھار شروع ہو گئی۔

لیکن مکان کے اندر بند لوگ خوف کی وجہ سے بالکل بےحس ہو گئے تھے۔ دروازے کا کنڈا کھولنے کےلئے ان کے ھاتھ نہیں اٹھ رہے تھے۔

باھر سے دروازے پر رائفلوں کے کندوں کی چوٹیں پڑتی رھیں، یہاں تک کہ دروازے کی چٹخنیاں ٹوٹ گئیں اور دروازہ جس کی ایک ایک چول ڈھیلی ہو گئی تھی چرسرا کر کھل گیا۔

سارا مکان ھتھیاربند سپاھیوں سے بھر گیا جنھوں نے مکان کا کونا کونا چھان مارا۔ رائفل کے کندے کے ایک ھی وار میں دکان میں جانےوالا دروازہ ٹوٹ گیا اور پھر اندر سے جا کر دکان کے سامنےوالے دروازے کی چٹخنیاں کھول دی گئیں۔

لوٹ مار شروع ھو گیا۔

جب گاڑیاں کپڑے کے تھانوں، جوتوں اور دوسرے سامان سے اوپر تک بھر گئیں تو سالوسیگا لوٹ کا یہ مال لےکر گولب کے کوارٹر کی طرف چل دیا۔ جس وقت وہ لوٹ کر آیا اسے گھر کے اندر سے ایک چیخ سنائی دی۔

کوشش کی تو اس چالاک تاجر نے اسے یقین دلایا کہ جہاں تک امکان ھے یہودیوں کے خلاف کسی قسم کے مظالم نہیں کئے جائیں گے ۔ کیونکہ آخر ان فقیروں کے پاس سے انہیں حاصل ھی کیا ھوگا ۔ اس کے علاوہ اس نے ریوا سے یہ بھی وعدہ کیا کہ واپسی پر وہ اسے ایک نیا لباس سلوا دے گا ۔

اس وقت وہ تینوں لرزاں و ترساں دم سادھے بیٹھے تھے اور گو بظاھر اس کی کوئی امید نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ امید لگائے ھوئے تھے کہ گھوڑسوار ان کے گھر سے آگے چلے جائیں گے ۔

وہ سوچ رھے تھے کہ شائد ان کے سننے میں غلطی ھوئی ھو ۔ شائد انہیں غلط اندازہ ھوا ھو کہ گھوڑے انہیں کے مکان کے آگے آکر رکے تھے ۔ لیکن جب دکان کے دروازے پر ایک ضرب لگی اور اس کی گھٹی ھوئی سی گونج ان کے کانوں تک پہنچی تو ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں ۔

بوڑھا سفید بالوں والا پیساخ دروازے میں کھڑا تھا ۔ اس کی نیلی آنکھیں ایک سہمے ھوئے بچے کی آنکھوں کی طرح پھٹی ھوئی تھیں ۔ وہ ایک کٹر معتقد کے تمام تر جذبۂ ایمان کے ساتھ بدبدا کر قادر مطلق سے دعا مانگ رھا تھا ۔ اس نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ اس کے گھر کو ھر مصیبت سے محفوظ رکھے ۔ اس کے پاس ھی اس کی بڑھیا کھڑی تھی ۔ بوڑھے کی دعا مانگنے کی بدبداھٹ کی وجہ سے وہ کچھ دیر تک ان قریب آتے ھوئے قدموں کی آھٹ بھی نہ سن سکی ۔

پڑی جیسے کسی بھیڑیے کی مادہ اپنے بچوں کی حفاظت کےلئے دشمن پر ٹوٹ پڑتی ھے۔

''مجھے اندر جانے دو ! تم لوگ میری بچی کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟،،

وہ دروازے تک پہنچنے کےلئے سخت جدوجہد کر رھی تھی اور لاکھ کوشش کرنے پر بھی سالوسیگا اس کی ضعیف انگلیوں کی تشنجی گرفت سے اپنا کوٹ نہ چھڑا سکا۔

شدید درد اور دھکے کے اثر کے کم ھوتے ھی پیساخ بھی توئیبا کی مدد کو لپکا۔

''ھمیں اندر جانے دو ! ھمیں اندر جانے دو ! ھائے میری بچی!،،

بوڑھے بڑھیا نے مل کر سالوسیگ کو دروازے کے سامنے سے ھٹا دیا۔ غصے سے پاگل ھوکر سالوسیگا نے جھٹکے کے ساتھ اپنا ریوالور پیٹی کے اندر سے نکال لیا اور اس کی فولاد کی موٹھ سے بوڑھے کے سفید بالوںوالے سر پر ایک بھرپور وار کیا۔ پیساخ وھیں فرش پر ڈھیر ھو گیا۔

کمرے کے اندر ریوا چیخ رھی تھی۔

جس وقت توئیبا کو گھسیٹ کر مکان سے باھر نکالا گیا اس وقت تک وہ بالکل پاگل ھو چکی تھی اور ساری سڑک اس کی دردناک چیخوں اور مدد کی فریادوں سے گونج رھی تھی۔

مکان کے اندر بالکل خاموشی ھو گئی۔

پالیانتسیا کمرے سے باھر نکلا، سالوسیگا پر نظر ڈالے بغیر جس کا ھاتھ اس کے باھر نکلتے ھی دروازے

اپنے آدمیوں کو دکان لوٹنے کے لئے چھوڑ کر پالیانتسیا دکان کے مالک کے کمرے میں چلا گیا۔ وھاں اس نے بوڑھے، بڑھیا اور اس کی لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ اپنی بن بلاؤ جیسی سبز آنکھوں سے انہیں گھور کر اس نے بوڑھے بڑھیا سے ڈپٹ کر کہا:

''نکل جاؤ یہاں سے تم دونوں!،،

لیکن نہ باپ اپنی جگہ سے ھلا نہ ماں۔

پالیانتسیا نے ایک قدم آگے بڑھ کر آھستہ آھستہ اپنی تیغ کھینچی۔

''ماں!،، لڑکی کے منھ سے جگردوز چیخ نکل گئی۔ سالوسیگا نے اسی چیخ کی آواز باھر سے سنی تھی۔

پالیانتسیا اپنے آدمیوں کی طرف مڑا جو چیخنے کی آواز سن کر بھاگے ھوئے اندر آ گئے تھے۔ ''انہیں باھر نکال دو!،، اس نے بھونک کر کہا اور بوڑھے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا۔ جب یہ کام پورا ھو گیا تو اس نے سالوسیگا کو جو اس وقت تک موقع پر پہنچ چکا تھا حکم دیا ''تم ذرا یہاں دروازے پر کھڑے رھو۔ میں تب تک اس چھوکری سے دو باتیں کر لوں!،،

لڑکی پھر چیخی، بوڑھا پیساخ دوڑ کر کمرے کے دروازے کی طرف لپکا لیکن اس کے سینے پر ایک اتنے زور کا گھونسہ پڑا کہ وہ چکرا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ درد سے بےحال ھو گیا تھا۔ لڑکی کی بوڑھی ماں توئیبا جو ویسے تو بہت خاموش اور دبی ھوئی رھتی تھی یک بیک سالوسیگا پر اس طرح ٹوٹ

انھوں نے گدوں اور تکیوں تک کو پھاڑ کر تلاشی لی تھی۔ ان گدوں اور تکیوں میں بھرے ہوئے چڑیوں کے پر ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ پہلے دن صرف دو جانیں گئیں: ایک ریوا کی اور ایک اس کے باپ کی۔ لیکن رات کی آمد کے ساتھ کشت و خون کا لازمی خطرہ بھی قریب آتا جاتا تھا۔

شام ہوتے ہوتے ان گیڈروں کا گروہ شراب کے نشے میں غرق ہو چکا تھا۔ پیتلورا کی فوج کے سپاہی پاگلوں کی طرح رات کا انتظار کر رہے تھے۔

رات کی تاریکی نے ان پر سے رہی سہی بندشیں بھی ہٹا دیں۔ رات کے گھپ اندھیرے میں انسانوں کا خون کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ گیدڑ بھی رات کے وقت شکار کو نکلتے ہیں۔

شائد ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو ان دو خوفناک راتوں اور تین دنوں کے واقعات کو بھول سکے۔ وہ لوگ اپنے پیچھے نہ جانے کتنے لوگوں کو اپاھج اور شکستہ کرکے چھوڑ گئے تھے۔ کتنے نوجوانوں کے بال خونریزی کے ان چند گھنٹوں میں سفید ہو گئے تھے۔ کتنے تلخ آنسو بہائے گئے تھے اس مختصر سے عرصے میں! یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ لوگ زیادہ خوش‌قسمت تھے جو خود تو ابھی تک زندہ تھے لیکن جن کی روحیں ویران ہو چکی تھیں، جو شرم اور ذلت کی اذیت برداشت کر رہے تھے، جنہیں ایک ناقابل بیان غم اندر ہی اندر کھوکھلا کئے دے رہا تھا۔ ان تمام باتوں سے بےخبر اور بےنیاز دوشیزہ لڑکیوں کی زخم خوردہ ستم آشنا اور

کے ہینڈل پر پہنچ گیا تھا، اس نے اسے اندر جانے سے روک دیا :

''اندر جانے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے تکیے سے اس کی آواز گھونٹنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران میں اس کا دم نکل گیا۔،، پیساخ کی لاش کو پار کرنے کے لئے جب اس نے آگے قدم رکھا تو اس کا پاؤں ایک سیاہ چپ چپے تھکے پر پڑا۔

''شروعات کچھ اچھی نہیں ہوئی،، اس نے باھر جاتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔

باقی تمام لوگ بھی بغیر ایک لفظ کہے اس کے پیچھے ہو لئے اور اپنے پیچھے فرش اور زینے پر خون‌آلود قدموں کے نشان چھوڑ گئے۔

شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ لٹیروں میں لوٹ کے مال کی تقسیم پر آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ اور جابجا وہ ایک دوسرے سے جنگلی جانوروں کی طرح لڑنے لگتے تھے۔ کہیں کہیں تو تیغیں تک کھنچ جاتی تھیں۔ اور گھونسے بازی پر تو جیسے کوئی پابندی ھی نہیں تھی۔ شراب‌خانے سے پچیس پچیس گیلن‌والے پیپے لڑھکا کر فٹ‌پاتھ پر لائے جا رہے تھے۔ پھر لوٹنے‌والے یہودیوں کے گھروں پر حملہ کر دیتے۔

کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ انہوں نے کمروں کی تلاشی لی، جلدی جلدی ایک ایک کونا چھان مارا اور لوٹ کا مال لادکر چل دئیے۔ اپنے پیچھے وہ کپڑوں اور چیتھڑوں کے انبار چھوڑ گئے۔

طاقتور جسم اس کی جھونپڑی کے سامنےوالے دروازے کے باہر ڈھیر ہو گیا۔

آس پاس کے گاؤں سے خوش حال کسان اپنی گاڑیوں پر شہر آئے۔ ان گاڑیوں کو کھینچنےوالے گھوڑوں کی کھلائی پلائی اچھی کی گئی تھی۔ انہیں جو بھی چیز پسند آئی انہوں نے اپنی گاڑی میں بھری اور گولب کی فوج میں ملازم اپنے بیٹوں یا رشتہداروں کے تحفظ میں جلدی جلدی گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ شہر کا ایک آدھ چکر اور لگا سکیں۔

سرگئی بروژاک نے اپنے باپ کی مدد سے اپنے چھاپےخانے کے تقریباً آدھے مزدوروں کو تہ خانے اور اوپر والی کوٹھری میں چھپا دیا تھا۔ وہ باغ کے راستے سے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص پیوند لگا ہوا لمبا سا کوٹ پہنے ہوئے اپنے ہاتھوں کو تیزی سے جھلاتا ہوا سڑک پر بھاگا جا رہا ہے۔ وہ ایک بوڑھا یہودی تھا۔ اس ننگے سر، ہانپتے ہوئے بوڑھے کے پیچھے جس کا چہرہ موت کے خوف سے بالکل زرد پڑ گیا تھا، پیتلورا فوج کا ایک سپاہی سرمئی رنگ کے گھوڑے پر سوار سرپٹ بھاگا چلا آ رہا تھا۔ ان کے درمیان کا فاصلہ بڑی تیزی کے ساتھ کم ہوتا گیا اور بوڑھے کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑسوار زین پر بیٹھے بیٹھے ہی آگے کی طرف جھکا کہ اپنے شکار کا کام تمام کر دے۔ اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر بوڑھے نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو

شکستہ لاشیں شدید کرب کے انداز میں اپنے ہاتھ پیچھے کی طرف پھیلائے ہوئے تنگ گلیوں میں جابجا پڑی تھیں۔

دریا کے کنارے ایک جھونپڑی میں ناؤم لوہار رہتا تھا۔ ان گیدڑوں نے اس کی نوجوان بیوی سارا پر حملہ کیا۔ لیکن صرف وہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں ان موذیوں کے دانت کھٹے کر دئیے گئے۔ وہ لوہار ایک چوبیس سالہ کڑیل جوان تھا۔ اس کے پٹھے فولاد کی طرح مضبوط تھے جیسے کہ صرف اسی شخص کے ہو سکتے ہیں جو اپنی روزی کمانے کے لئے ہتھوڑا چلاتا ہو، اس نے انہیں اپنی بیوی کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیا۔

اس چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک مختصر لیکن خوفناک ٹکر کے دوران میں دو پیتلورا سپاہیوں کی کھوپڑیاں سڑے ہوئے تربوزوں کی طرح کھول دی گئیں۔ ایک ایسے شخص کے انتہائی جلال کے ساتھ جس کا سب کچھ داؤ پر لگا ہو، وہ لوہار دو جانوں کی حفاظت کے لئے لڑ رہا تھا۔ دریا کے کنارے سے بڑی دیر تک رائفل کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دیتی رہی، جہاں اب یہ لٹیرے خطرے کا احساس کرکے بھاگ کر پہنچ لئے تھے۔ جب اس لوہار کے پاس صرف ایک گولی رہ گئی تو اس نے اپنی بیوی پر ترس کھا کر اسے گولی مار دی اور پھر ہاتھ میں سنگین لے کر اپنی موت کا مقابلہ کرنے کو چل پڑا۔ دفعتاً گولیوں کی بوچھار ہوئی اور اس کا

اسٹیشن پر ریلوے کے مزدور اپنی نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر کام کی تلاش میں دیہات کی طرف جا رہے تھے۔

ثانوی مدرسہ بند کر دیا گیا تھا۔

شہر میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا تھا۔

وہ بہت ھی تاریک اور بھیانک رات تھی۔ ایسی رات جب کہ آنکھیں لاکھ کوشش کرنے پر بھی تاریکی کو نہیں چیر پاتیں اور آدمی اندھوں کی طرح اپنا راستہ ٹٹولتا ھے اور اسے ھر دم یہ خدشہ لگا رھتا ھے کہ نہ جانے کب اس کا پاؤں کسی کھائی میں جا پڑے اور اس کی ھڈی پسلی ٹوٹ جائے۔

ھر شہری اس بات کو جانتا ھے کہ ایسے وقت گھر پر اندھیرے میں بیٹھے رھنا زیادہ محفوظ ھوتا ھے۔ اگر اس کا بس چلتا ھے تو وہ گھر میں روشنی بھی نہیں کرتا کہ کہیں روشنی دیکھ کر کوئی ناخوشگوار مہمان نہ آ جائے۔ اس سے تو اندھیرا ھی بہتر۔ اندھیرے میں آدمی زیادہ محفوظ رھتا ھے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ھوتے ھیں جن کے پاؤں میں چکر ھوتا ھے۔ خیر وہ جہاں جی چاھے گھومیں شہری کو اس سے کیا لینا۔ لیکن وہ خود باھر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا چاھے کچھ بھی کیوں نہ ھو جائے۔

وہ ایسی ھی ایک رات تھی۔ لیکن ایک شخص اس وقت بھی اپنے گھر سے باھر تھا۔

کورچاگن کے گھر پہنچ کر اس نے بڑی

اٹھا دئیے جیسے وہ وار کو روکنا چاہ رہا ہو۔ اسی دم سرگئی لپک کر سڑک پر پہنچ گیا اور بوڑھے کی حفاظت کی غرض سے گھوڑے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار جو اس پر ہاتھ اٹھایا، لٹیرے ذلیل کتے!"

گھوڑسوار نے اپنی تیزی سے نیچے کی طرف آتی ہوئی تیغ کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی اور تیغ الٹی طرف سے لڑکے کے سنہری بالوں والے سر پر جا گری۔

پانچواں باب

سرخ فوجیں "اتامان اعلی" پیتلورا کے دستوں پر تیزی کے ساتھ چڑھی آ رہی تھیں۔ اس لئے گولب کی رجمنٹ کو مورچے پر طلب کر لیا گیا۔ شہر میں صرف ایک چھوٹا سا حفاظتی دستہ اور کمانڈانٹ کے ملازم چھوڑ دئیے گئے۔

لوگوں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ اس عارضی سکوت کا فائدہ اٹھا کر شہر کے یہودیوں نے اپنے عزیزوں کے کفن دفن کی رسم ادا کی اور یہودی بستیوں کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں ایک بار پھر زندگی لوٹ آئی۔

شام کی خاموشی میں کہیں دور سے ایک موہوم سی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہاں سے تھوڑی ہی دور پر کہیں لڑائی ہو رہی تھی۔

دو ھاتھ آکر کھڑکی کی چوکھٹ پر ٹک گئے اور پھر فیودور کا سر اوپر کی طرف اٹھتا ھوا پاویل کے چہرے کی سطح میں آ گیا۔

''میں رات بھر کےلئے یہاں ٹھہرنے آیا ھوں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ھے، دوست؟'' ژوخرائی نے چپکے سے کہا۔

''اعتراض کیا ھو سکتا ھے'' پاویل نے گرمجوشی سے جواب دیا۔ ''تمہارا اپنا گھر ھے، جب چاھو آسکتے ھو۔ ادھر ھی سے اندر آ جاؤ۔''

فیودور نے بڑی مشکل سے کسی طرح اپنا بھاری بھرکم جسم کھڑکی کے راستے اندر داخل کیا۔

اس نے کھڑکی بند کر دی۔ لیکن فوراً کھڑکی کے پاس سے ھٹا نہیں۔ وہ بڑے غور سے سنتا رھا۔ اور جب ایک بادل کے ٹکڑے کے پیچھے سے چاند باھر نکلا اور سڑک صاف نظر آنے لگی تو اس نے بڑے غور سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پھر وہ پاویل سے مخاطب ھوا:

''ھم لوگ تمہاری ماں کو نہیں جگائیں گے، کیوں ٹھیک ھے نا؟''

پاویل نے اسے بتایا کہ گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ھے۔ اس بات سے اس ملاح کو اور بھی اطمینان ھو گیا اور وہ زیادہ زور سے بولنے لگا:

''یار، یہ ظالم تو ھاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑ گئے ھیں۔ اس دن اسٹیشن والے واقعے کے بعد سے انہوں نے مجھے تاک لیا ھے۔ اگر ھمارے ساتھی ذرا بھی منظم ھوکر مقابلہ کرتے تو یہودیوں پر

احتیاط کے ساتھ کھڑکی پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ آنے پر اس نے دوبارہ دستک دی، ابکی بار زیادہ زور اور اصرار کے ساتھ۔

پاویل خواب میں دیکھ رہا تھا کہ ایک عجیب مخلوق جسے کسی طرح انسان نہیں کہا جا سکتا تھا، اس پر مشین گن کا نشانہ لگا رہی ہے۔ وہ بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن بھاگ کر جانے کےلئے کوئی جگہ ہی نہ تھی۔ اور مشین گن کی گولیوں کی ایک خوفناک تڑتڑاہٹ شروع ہو گئی تھی۔

اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ کوئی شخص کھڑکی کو بھڑبھڑا رہا ہے۔ پاویل تیزی سے بستر سے اٹھا اور یہ دیکھنے کےلئے جلدی سے کھڑکی کے پاس گیا کہ وہ کون آدمی ہے۔ لیکن وہ صرف اتنا دیکھ پایا کہ ایک سیاہ مبہم سی شکل وہاں کھڑی ہے۔

وہ گھر میں اکیلا ہی تھا۔ اس کی ماں اس کی سب سے بڑی بہن سے ملنے گئی ہوئی تھی جس کا شوہر شکر کے کارخانے میں میکینک تھا۔ اور آرتیم قریب کے ایک گاؤں میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ اپنا پیٹ پالنے کےلئے ہتھوڑا چلاتا تھا۔

لیکن آرتیم کے علاوہ اور ہو بھی کون سکتا تھا۔

پاویل نے کھڑکی کھول دینے کا فیصلہ کیا۔

”کون ہے؟“ اس نے اندھیرے میں پوچھا۔

کھڑکی کے باہر کچھ حرکت سی ہوئی اور ایک دبی ہوئی بھاری آواز نے جواب دیا:

”میں ہوں ژوخرائی۔“

ایک ھاتھ مستقل اپنے بھاری کولٹ پستول کے دستے پر تھا جسے اس نے اپنے تکیسے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اس کے جسم کی حرارت مسلسل پستول کو گرمی پہنچا رہی تھی۔

اس رات غیرمتوقع طور پر ژوخرائی کا آنا اور پاویل کے ساتھ آٹھ دن تک رھنا پاویل کی زندگی میں بہت اھم ثابت ھوا۔ ان آٹھ دنوں نے پاویل کی زندگی کے دھارے کو بالکل ھی بدل دیا۔ اس ملاح نے پاویل کو پہلی بار ان باتوں سے آشنا کیا جو اس کےلئے بالکل نئی، اھم اور دل میں ھلچل پیدا کر دینےوالی تھیں۔

ژوخرائی کو گرفتار کرنے کےلئے دو بار جو جال بچھایا گیا تھا اس کی وجہ سے اس کا حال چوھےدان میں پھنسے ھوئے چوھے کا سا ھو گیا تھا۔ اور اس نے اس جبری بیکاری کا فائدہ اٹھاکر پراشتیاق پاویل کے دل میں بھی زرد اور نیلے پرچموالوں کے خلاف جو اس علاقے کی گردن پر سوار ھوکر اس کا گلا گھونٹے دے رھے تھے، وھی شدید نفرت اور غصہ بھر دیا جو خود اس کے دل میں تھا۔

ژوخرائی اپنی بات بہت واضح، آسان اور سیدھے سادے الفاظ میں پیش کرتا تھا۔ اس کے ذھن میں کسی قسم کے شبہات نہیں تھے۔ اس کے سامنے اس کا راستہ بالکل صاف تھا۔ رفتہ رفتہ پاویل اس بات کو سمجھنے لگا کہ رعبدار ناموںوالی سیاسی پارٹیوں کا یہ گورکھ دھندا — سوشلسٹ انقلابی، سوشلسٹ ڈیماکریٹ،

ہونےوالے ظلم کے وقت ان سورماؤں کو مزا چکھا دیتے۔ لیکن تم جانتے ہی ہو کہ لوگ ابھی آگ میں کودنے کےلئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ہم کچھ بھی نہیں کر سکے۔ اب یہ ظالم مجھے ڈھونڈھ رہے ہیں۔ دو بار وہ جال بچھا چکے ہیں۔ آج تو میں بالکل بال بال بچ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ میں گھر جا رہا تھا، اس پیچھےوالی سڑک سے۔ راستے میں بس یونہی ادھر ادھر ایک نظر ڈال لینے کی غرض سے میں شیڈ کے پاس ٹھہرا ہی تھا کہ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک درخت کے پیچھے سے ایک سنگین باہر کی طرف نکلی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے میں دیوانہوار بھاگا اور سیدھا تمہارے گھر کا رخ کیا۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دنوں کےلئے یہیں لنگر ڈال دوں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟ بہت اچھا۔،،

ژوخرائی کا دم ابھی تک پھول رہا تھا، اس نے اپنے کیچڑ میں سنے ہوئے بوٹ اتارنا شروع کئے۔

پاویل اس کے آنے سے بےحد خوش تھا۔ بجلی گھر پچھلے کچھ دنوں سے ٹھپ پڑا تھا۔ اور اس ویران گھر میں پاویل کو تنہائی بہت ستاتی تھی۔

وہ دونوں پلنگ پر لیٹ گئے۔ پاویل تو لیٹتے ہی سو گیا لیکن فیودور لیٹے لیٹے بڑی دیر تک سگریٹ پیتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور ننگے پاؤں پنجوں کے بل چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کر بڑی دیر تک باہر سڑک کو تکتا رہا۔ آخرکار تھک کر وہ بھی لیٹ کر سو گیا۔ لیکن اس کا

تم میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی مدد سے تم مزدوروں کے نصب‌العین کےلئے لڑنےوالے ایک اچھے سپاھی بن سکتے ہو ۔ یہ ضرور ہے کہ ابھی تم بہت کم عمر ہو اور طبقاتی جدوجہد کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے ہو ۔ لیکن دوست، میں تمہیں صحیح راستے پر لگا دوں‌گا کیوں‌کہ میں جانتا ہوں کہ تم بہت جلد سب کچھ سیکھ جاؤگے ۔ مجھے مطمئن رہنےوالے، خاموش قسم کے لوگوں سے سخت چڑ ہے ۔ آج تمام دنیا میں آگ لگی ہوئی ہے ۔ غلام بیدار ہو گئے ہیں اور اب پرانے نظام زندگی کو جڑ سے اکھاڑ دینا ضروری ہے ۔ لیکن اس کےلئے ہمیں باھمت لوگوں کی ضرورت ہے، ایسے بزدلوں کی نہیں جو لڑائی شروع ہوتے ھی چوھوں کی طرح بھاگ‌کر اپنے بلوں میں چھپ جائیں‌گے ۔ ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن میں جرأت ہو اور جو بلاکسی مروت کے دشمن پر وار کر سکیں۔،،

یہ کہہ‌کر اس نے میز پر مکا مارا ۔

اس کی تیوریوں پر بل پڑے ہوئے تھے ۔ وہ اٹھ‌کر کھڑا ہوا اور اپنی دونوں جیبوں کی گہرائی میں ھاتھ ڈال کر کمرے میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر لگانے لگا ۔

اس طرح ھاتھ پرھاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے وہ بہت نالاں تھا ۔ اسے اس شہر میں رک جانے کا سخت افسوس تھا ۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ اب یہاں اور زیادہ دن تک پڑے رھنا بےسود تھا، اس نے

پولستانی سوشلسٹ وغیرہ — محض مزدوروں کے بدترین دشمنوں کا ایک جمگھٹ تھا اور بالشویک پارٹی ھی وہ واحد انقلابی پارٹی تھی جو ڈٹ کر زرداروں کے خلاف لڑتی تھی۔

اس سے قبل پاویل کے ذھن میں ان تمام باتوں کے بارے میں شدید الجھاؤ تھا۔

اور اس طرح اس ثابت قدم شیردل بالٹک ملاح نے جو بحری طوفانوں کے تھپیڑے جھیل چکا تھا، جو پرانا منجھا ھوا بالشویک تھا اور ۱۹۱۵ء سے روسی سوشل ڈیماکریٹک لیبر پارٹی (بالشویک) کا رکن تھا، پاویل کو زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے روشناس کرایا اور بھٹی میں کوئلہ جھونکنےوالا وہ نوجوان مسحور سا ھوکر اس کی باتیں سنتا رھا۔

ژوخرائی نے کہا: ”دوست، جب میں نوجوان تھا تب میں بھی کچھ کچھ تمہاری ھی طرح تھا۔ میری بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر میں اپنی قوت کہاں صرف کروں۔ میں بہت ھی بےقرار قسم کا نوجوان تھا۔ ھر وقت کسی نہ کسی کام میں ٹانگ اڑائے رکھتا تھا۔ میں نے بہت ھی غریبی کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اور کبھی کبھی تو شہر کے شرفاء کے لاڈ میں بگڑے ھوئے ان پیٹ بھرے بیٹوں کو دیکھ کر ھی میرا خون کھولنے لگتا تھا۔ اکثر میں اچھی طرح ان کی مرمت بھی کر دیتا تھا۔ لیکن اس سب کے بدلے میں مجھے اپنے باپ کی مار کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہ ھوتا تھا۔ اکیلے اپنے دم پر لڑکر حالات کو بدلا نہیں جا سکتا۔ پاویل،

ست کرنا ۔ نہیں تو میں پھنس جاؤں گا اور جیل میں بند کر دیا جاؤں گا ۔ سمجھے ؟ ،،

''میں سمجھ گیا ،، پاویل نے مضبوطی سے جواب دیا ۔

اتنے میں صحن میں کچھ آوازیں سنائی دیں اور دستک کے بغیر ھی دروازہ کھل گیا ۔ ژوخرائی کا ھاتھ فوراً اس کی جیب میں گیا ۔ لیکن جب سرگئی بروژاک اور اس کے پیچھے والیا اور کلیمکا کمرے میں داخل ھوئے تو اس نے اپنا ھاتھ جیب سے نکال لیا ۔ سرگئی بہت دبلا ھو گیا تھا اور اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا ۔ اس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی ھوئی تھی ۔

''کہو استاد،، سرگئی نے پاویل سے ھاتھ ملاتے ھوئے مسکرا کر کہا ۔ ''ھم تینوں نے سوچا، چلو تم سے مل آئیں ۔ والیا مجھے اکیلے باھر آنے نہیں دیتی تھی اور کلیمکا کو والیا کے اکیلے جانے سے ڈر لگتا تھا ۔ کلیمکا کا سر بھلے ھی لال ھو لیکن وہ جانتا ھے کہ اسے کیا کرنا چاھئے !،،

والیا نے انتہائی شوخی کے ساتھ اپنا ھاتھ سرگئی کے منھ پر رکھ دیا ۔

''چل، باتونی کہیں کا،، اس نے ھنس کر کہا ۔ ''نہ جانے آج کیوں کلیمکا کے پیچھے پڑ گیا ھے ۔ ،،

کلیمکا نے خوش مزاجی کا ثبوت دیتے ھوئے کھیسیں نکال دیں ۔ اس کے موتیوں جیسے سفید دانتوں کی بتیسی چمک اٹھی ۔

فیصلہ کیا کہ وہ جنگی مورچے کو پار کرتا ہوا سرخ فوج کے دستے میں جا ملے گا۔

شہر میں کام جاری رکھنے کے لئے پارٹی کے نو ممبروں کا ایک جتھا رہ جائے گا۔

''وہ لوگ میرے بغیر بھی کام چلا سکتے ہیں۔ میں یہاں اب اور زیادہ دن تک بےکار نہیں پڑا رہ سکتا۔ یوں ہی دس مہینے خراب کر چکا ہوں،، ژوخرائی نے جھنجھلا کر دل میں کہا۔

''ژوخرائی، تم دراصل کیا ہو؟،، پاویل نے اس سے ایک بار پوچھا۔

سوال سن کر ژوخرائی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال لئے۔ شروع میں تو وہ اس سوال کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟،،

''میرا خیال ہے کہ تم یا تو بالشویک ہو یا کمیونسٹ،، پاویل نے دبی زبان میں کہا۔

ژوخرائی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور اس نے کسی ہوئی دھاری‌دار جرسی میں ملبوس اپنے بھاری بھرکم سینے کو زور سے پیٹا۔

''تم بالکل ٹھیک سمجھے، دوست۔ تمہارا قیاس بالکل درست ہے۔ لیکن یہ بات بھی اتنی ہی درست ہے کہ کمیونسٹ اور بالشویک دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔،، یک بیک وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''لیکن چوں کہ تم نے اتنا زیادہ اندازہ لگا لیا ہے تو یہ بھی یاد رکھنا کہ کسی سے یا کسی جگہ اس بات کا ذکر

ژوخرائی روز شام کو کہیں باھر چلا جاتا تھا اور بہت رات گئے واپس لوٹتا تھا۔ شہر چھوڑنے سے پہلے اسے ان ساتھیوں سے جو اس کے پیچھے شہر میں رہنےوالے تھے مشورہ کرکے یہ طے کرنا تھا کہ انہیں کیا کیا کام انجام دینے ھوںگے۔

اس دن رات کو ژوخرائی واپس نہیں لوٹا۔ صبح جب پاویل سوکر اٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس ملاح کا بستر جوں کا توں پڑا تھا اور وہ ایک نظر میں سمجھ گیا کہ رات اس پر کوئی سویا نہیں تھا۔

ایک موھوم سے اندیشے سے پریشان ھوکر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور گھر سے باھر نکل گیا۔ دروازے میں تالا لگاکر اس نے چابی مقررہ جگہ پر رکھ دی اور کلیمکا کے گھر کی طرف روانہ ھوا کہ شائد اسے فیودور کی کچھ خبر ھو۔ کلیمکا کی ماں جو گٹھے ھوئے بدن کی عورت تھی اور جس کے چوڑے چہرے پر چیچک کے داغ تھے، کپڑے دھو رھی تھی۔ پاویل کے اس سوال پر کہ کیا اسے اس بات کا علم ھے کہ فیودور کہاں ھے اس نے تنک کر جواب دیا:

”تمہارا خیال ھے کہ جیسے اس کے علاوہ مجھے کوئی کام ھی نہیں ھے کہ میں تمہارے فیودور کی خبر رکھتی پھروں۔ یہ سب اسی کا کارن ھے — خدا غارت کرے اسے — کہ زوزولیخا کے گھر کو تہ و بالا کر دیا گیا۔ تجھے اس سے کیا کام ھے؟ سچ پوچھو تو مجھے وہ عجیب سا آدمی معلوم ھوتا ھے۔ کلیمکا اور تم اور باقی سب لوگ بھی بس...“ وہ

''ایسے بیمار آدمی کا کوئی کرے بھی کیا؟ دیکھو نا اس کا تو بھیجا ہی پلپلا ہو گیا ہے۔،،

وہ سب ہنس پڑے۔

تیغ کے وار سے سرگئی کے جو زخم لگا تھا اس کے اثرات سے وہ ابھی پوری طرح پنپ نہیں پایا تھا۔ وہ پاویل کی چارپائی پر بیٹھ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں ان نوجوانوں میں پرجوش گفتگو کا سلسلہ چھڑ گیا۔ سرگئی جو عموماً بہت ہنس مکھ اور بشاش رهتا تھا اس وقت خاموش اور بجھا بجھا سا تھا۔ اس نے ژوخرائی کو پیتلورا سپاہی کے ساتھ اپنی ٹکر کی پوری واردات سنائی۔

ژوخرائی ان تینوں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو جانتا تھا کیوں کہ وہ کئی بار بروزاک کے گھر جا چکا تھا۔ اسے یہ لوگ بہت پسند تھے۔ حالانکہ جدوجہد کے اس گرداب میں وہ ابھی تک اپنی مناسب جگہ تلاش نہیں کر پائے تھے لیکن ان میں ان کے طبقے کی آرزوئیں بہت نمایاں طور پر موجود تھیں۔ اس نے بڑی دلچسپی سے ان نوجوانوں کی یہ داستان سنی کہ انھوں نے کس طرح یہودیوں کو مظالم سے بچانے کےلئے انہیں اپنے گھروں میں چھپانے میں مدد دی تھی۔ اس دن شام کو اس نے ان نوجوانوں کو لینن اور بالشویکوں کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں اور اس طرح یہ سمجھنے میں ان کی مدد کی کہ ان کے چاروں طرف دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

پاویل نے جب اپنے مہمانوں کو رخصت کیا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔

میں رکھے ہوئے پستول کے بوجھ سے وہ ایک عجیب سی مسرت محسوس کر رہا تھا۔

لیکن اسٹیشن پر بھی ژوخرائی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ واپس آتے وقت جب وہ ناظم جنگلات کے باغ کے قریب پہنچا جس سے وہ اب بخوبی واقف ہو چکا تھا تو اس کے قدم خود بخود دھیمے پڑ گئے۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کس چیز کی توقع میں اس نے اس مکان کی کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ لیکن باغ ھی کی طرح مکان میں بھی کسی قسم کی زندگی کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔ جب وہ باغ سے آگے نکل گیا تو اس نے یاد کیا کہ باغ میں پچھلی خزاں کی گری ہوئی رنگ برنگی خشک پتیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ جگہ بالکل ویران تھی اور ایسا معلوم ھوتا تھا کہ بہت عرصے سے کسی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اب وھاں کسی کے محنتی ھاتھوں کا کوئی بھی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ اس بڑے سے پرانے مکان کی قبرستان جیسی ویرانی نے پاویل کو اور بھی اداس کر دیا۔

تونیا کے ساتھ اس کا آخری جھگڑا پہلے کے تمام جھگڑوں سے زیادہ سنگین تھا۔ وہ جھگڑا بہت ھی غیرمتوقع طور پر بس یوں ھی ھو گیا تھا۔ اب تو اس واقعہ کو ایک مہینہ ھو چکا تھا۔

اپنی جیبوں میں اندر تک ھاتھ ڈالے ہوئے پاویل جب آھستہ آھستہ شہر کی طرف چلا تو اسے یاد آنے لگا کہ اس جھگڑے کی ابتدا کس طرح ھوئی تھی۔

سڑک پر بالکل اتفاق سے ان دونوں کی ملاقات

غصے سے پھر کپڑے دھونے کی ناند کی طرف متوجہ ہو گئی۔

کلیمکا کی ماں ایک بدمزاج عورت تھی اور اس کی زبان بھی بڑی تیز تھی...

کلیمکا کے گھر سے پاویل سرگئی کے یہاں گیا۔ وہاں بھی اس نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''تم اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو؟،، والیا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''رات وہ شائد اپنے کسی دوست کے ہاں رہ گیا ہوگا۔،، ایکن اس کے الفاظ میں اعتماد کی کمی تھی۔

پاویل اتنا بےقرار تھا کہ بروژاک کے یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا اس کےلئے قطعی ناممکن تھا۔ اور حالانکہ ان لوگوں نے اس سے کھانے کےلئے رکنے پر بہت اصرار کیا لیکن وہ وہاں سے چلا ہی آیا۔

اس امید پر وہ پھر گھر واپس آیا کہ شائد ژوخرائی لوٹ آیا ہو۔

دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک پاویل باہر اداس کھڑا رہا۔ اس ویران گھر میں داخل ہونے کا تصور بھی اس کےلئے ناقابل برداشت تھا۔

چند منٹ تک وہ باہر صحن میں اپنے خیالات میں گم کھڑا رہا پھر یک بیک کچھ سوچ کر وہ سائبان میں چلا گیا اور اوپر چڑھ کر چھت کے جالے صاف کرکے وہ اس خفیہ جگہ پہنچ گیا اور چیتھڑوں میں لپٹا ہوا وزنی مین‌لیکر پستول نکال لایا۔

سائبان سے نکل کر وہ سیدھا اسٹیشن گیا۔ جیب

''آج تو میرے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ پاویل، مجھے ان کے آنے کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی لیکن پھر بھی تم اندر تو آؤ،، تونیا نے کہا۔

پاویل وہاں سے چلا جانا چاہتا تھا اس لئے وہ دروازے کی طرف مڑا۔

''آؤ نہ اندر،، تونیا نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ ''تم سے مل کر انہیں کافی فائدہ ہوگا۔،، پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر تونیا کھانے کے کمرے میں سے ہوتی ہوئی اُسے اپنے کمرے میں لے گئی۔

کمرے میں داخل ہوکر وہ وہاں پر بیٹھے ہوئے اپنے دوستوں سے مخاطب ہوکر مسکرائی۔ ''آپ لوگ میرے دوست پاویل کورچاگن سے ملئے۔،،

کمرے میں بیچ میں ایک چھوٹی سی میز کے گرد تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک تھی لیزا سخارکو، وہ ایک بہت خوبصورت سانولے رنگ کی غنچہ دہن اسکول کی طالبہ تھی۔ اس کے بالوں کی سجاوٹ بہت ہی دلفریب تھی۔ دوسرا تھا ایک دبلا پتلا سا نوجوان جو بہت عمدہ سلا ہوا کالا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے نرم اور چکنے بال تیل سے چمک رہے تھے اور اس کی بھوری آنکھیں بالکل ویران معلوم ہو رہی تھیں۔ ان دونوں کے بیچ میں بہت ہی بھڑکیلے قسم کا اسکول کا کوٹ پہنے ہوئے ویکٹر لیش چینسکی بیٹھا ہوا تھا۔ تونیا کے دروازہ کھولتے ہی پاویل کی نظر سب سے پہلے اسی پر پڑی تھی۔

هو گئی تھی اور تونیا نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔

''ڈیڈی اور ماں بولشانسکی کے گھر کسی کی سالگرہ کی دعوت میں جا رہے ہیں، میں گھر پر اکیلی ھی ھوں گی۔ پاویل، تم اسوقت آ کیوں نه جاؤ؟ میرے پاس ایک بہت دلچسپ کتاب ہے۔ ھم دونوں مل کر اسے پڑھیں گے — لیوند آندریئف کی ''ساشکا ژیگولیوف،، — میں تو اسے ایک بار پڑھ چکی ھوں لیکن تمھارے ساتھ میں ایک دفعه پھر پڑھنا چاھتی ھوں۔ مجھے یقین ہے که ھماری شام اچھی کٹ جائےگی۔ تم آؤگے نا؟،،

گھنے سرخی مائل بالوں پر پہنی ھوئی سفید ٹوپی کے نیچے سے اس کی بڑی بڑی پوری کھلی ھوئی آنکھیں بڑی اسید کے ساتھ پاویل کی طرف دیکھ رھی تھیں۔

''میں آ جاؤں گا۔،،

اس کے بعد وہ دونوں رخصت ھوئے۔

پاویل جلدی جلدی بھاگا ھوا بجلی گھر پہنچا۔ محض اس تصور سے که وہ ایک پوری شام تونیا کے گھر گذارنےوالا ہے اسے بھٹی میں آگ کے شعلے آج ھمیشه سے زیادہ روشن نظر آ رھے تھے اور سلگتی ھوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز بھی اسے آج پہلے سے زیادہ پرمسرت معلوم ھو رھی تھی۔

لیکن شام کو جب اس نے تونیا کے گھر کے سامنےوالے کشادہ دروازے پر دستک دی اور جواب میں تونیا دروازہ کھولنے آئی تو وہ کچھ پریشان حال سی نظر آ رھی تھی۔

لیکن میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے دوست یہ لوگ ہیں تو میں کبھی بھی نہ آتا۔،،

تونیا نے اپنے بڑھتے ہوئے غصے کو دبا کر اسے ٹوک کر کہا:

''تمہیں مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرنے کا کیا حق ہے؟ میں تو تم سے کبھی نہیں پوچھتی کہ تمہارے دوست کون ہیں اور تم سے ملنے کون آتا ہے۔،،

''مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تم کس سے ملتی ہو، بس میں اب کبھی نہیں یہاں آنے کا،، پاویل نے سامنےوالے زینے سے اترتے ہوئے اسے تڑ سے جواب دیا اور باغیچے کے پھاٹک کی طرف بھاگ گیا۔

اس وقت سے وہ تونیا سے نہیں ملا تھا۔ یہودیوں پر کئے جانےوالے مظالم کے دوران میں بجلی کے مستری کی مدد سے جب اس نے یہودیوں کے کنبوں کو بجلی گھر میں پناہ دی تھی‌تو اس عرصے میں وہ اس جھگڑے کو بھول گیا تھا اور آج پھر اسے تونیا سے ملنے کی خواہش ہو رہی تھی۔

ژوخرائی کے اس طرح غائب ہو جانے سے اور اس احساس سے کہ گھر پر کوئی نہیں ہے پاویل کچھ مضمحل سا تھا۔ سڑک کی خاکستری وسعت اس کے سامنے داهنی طرف دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ موسم بہار میں جو کیچڑ ہو گئی تھی وہ ابھی تک سوکھی نہیں تھی۔ اور سڑک پر جابجا چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ گئے تھے جن میں گھرے

لیش چینسکی بھی پاویل کو فوراً پہچان گیا اور اس کے خوبصورت کمان جیسے ابرو تعجب سے اوپر کی طرف اٹھ گئے۔

چند سکنڈ تک پاویل دروازے کے قریب خاموش کھڑا رہا اور ویکٹر کو اس انداز سے گھورتا رہا جس سے ان دونوں کی مخاصمت صاف ظاہر ہوتی تھی، تونیا نے اس بے تکے سکوت کو توڑنے کی غرض سے پاویل سے اندر آنے کو کہا اور لیزا کا تعارف کرانے کے لئے جلدی سے اس کی طرف مڑی۔

لیزا سخارکو بڑی دلچسپی سے اس نووارد شخصیت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لیکن پاویل پھرتی سے پیچھے مڑا اور لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کھانے کے نیم تاریک کمرے کو پار کرکے سامنے والے دروازے کی طرف چلدیا۔ تونیا اس کے پیچھے بھاگی لیکن جب تک وہ اس کے قریب پہنچے پہنچے وہ برساتی میں پہنچ چکا تھا۔ تونیا نے اس کے دونوں کندھے پکڑ لئے۔

''آخر تم بھاگے کیوں جا رہے ہو؟ میں خاص طور پر ان لوگوں کو تم سے ملانا چاہتی تھی،، اس نے خفگی آمیز تعجب کے ساتھ کہا۔

پاویل نے جھٹک کر اس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر سے ہٹا دئے اور ترشی کے ساتھ جواب دیا:

''میں اس بدھو کے سامنے تماشہ بنا کر پیش کیا جانا پسند نہیں کرتا۔ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ لوگ تمہیں پسند ہوں تو ہوں

رنگ کی ٹوپی اس کے ماتھے پر آگے کی طرف سرکی ہوئی تھی۔ اس کے پاؤں میں کتھئی رنگ کے چھوٹے بوٹ تھے اور اس کی آنکھ کے نیچے گہرے نیلے رنگ کا چوٹ کا ایک نشان تھا۔

اس کے تین قدم پیچھے سرمئی رنگ کا ایک لمبا سا کوٹ پہنے اور اپنی پیٹی میں کارتوس کی دو تھیلیاں لٹکائے پیتلورا فوج کا ایک سپاہی آ رہا تھا۔ سپاہی کی سنگین آگےوالے آدمی کی پیٹھ سے تقریباً اڑی ہوئی تھی۔ اس کی لمبے بالوں‌والی بھیڑ کی کھال کی ٹوپی کے نیچے دو چھوٹی چھوٹی محتاط آنکھیں قیدی کی گدی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے کے دونوں طرف زرد مونچھوں کے سخت بال پھیلے ہوئے تھے جن پر تمباکو کی پیک کے دھبے تھے۔

لیزا نے اپنے قدم ذرا دھیمے کر دئے اور سڑک پار کرکے دوسری طرف چلی گئی۔ اسی وقت اس کے پیچھے پاویل بڑی سڑک پر آ نکلا۔

جیسے ھی وہ اس پرانے مکان کے سامنے سے گذرکے سڑک کے موڑ پر داھنی طرف مڑا اس نے بھی ان دونوں آدمیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

پاویل ایک دم چونک کر ٹھٹک گیا۔ اور کچھ دیر تک وھاں اس طرح کھڑا رھا جیسے اس کے پاؤں زمین میں گڑ گئے ھوں۔ وہ قیدی ژوخرائی تھا۔

''اچھا، تو یہ وجہ تھی اس کے واپس نہ آنے کی!''

ژوخرائی لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آتا جا

کتھئی رنگ کا کیچڑ بھرا ہوا تھا۔ کچھ دور پر ایک مکان کے آگے جاکر سڑک دو شاخوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اس مکان کا بدنما بدرنگ چھجہ جس کا پلستر جابجا گر گیا تھا سڑک پر آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔

سڑک کے چوراھے پر ویکٹر لیش‌چینسکی لیزا سے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ایک شکستہ دکان کے سامنے کھڑے تھے جس کا دروازہ بالکل ھی خستہ حال تھا اور دکان پر ''سوڈا لیمن،، کا ایک سائن بورڈ الٹا ٹنگا ہوا تھا۔

وہ لیزا کا ھاتھ اپنے ھاتھ میں لئے تھا اور انتہائی التجا کے انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے باتیں کر رہا تھا:

''تم آؤگی نا؟ مجھے دھوکا تو نہیں دوگی؟،،

''آؤں گی، کیوں نہیں۔ تم میرا انتظار کرنا،، لیزا نے بڑے نخرے کے ساتھ جواب دیا۔

ویکٹر سے رخصت ہوتے وقت وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ اس کی بھورے رنگ کی خمارآلود آنکھوں میں خوش آئند وعدہ جھلک رہا تھا۔

سڑک پر چند گز آگے لیزا نے دو آدمیوں کو ایک مکان کے کونے کے پیچھے سے نکل کر سڑک پر آتے دیکھا۔ ان میں سے پہلا بہت ھٹا کٹا چوڑے سینے والا آدمی تھا جو مزدوروں کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے جس کے نیچے ایک دھاری‌دار جرسی نظر آ رھی تھی۔ سیاہ

پاویل ہٹ کر سڑک کے کنارے آ گیا۔ جب ان کے درمیان صرف چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تب ژوخرائی کی نظر اس پر پڑی۔

ژوخرائی نے کنکھیوں سے اسے دیکھا اور اس کی گھنی بھنویں پھڑکنے لگیں۔ اس طرح غیرمتوقع طور پر مڈبھیڑ ہو جانے کی وجہ سے اس کے قدم کچھ دھیمے پڑ گئے۔ سنگین اس کی پیٹھ میں چبھ گئی۔

''ابے ٹھیک سے چل، نہیں تو میں ابھی تیری رفتار رائفل کے کندے سے ٹھیک کر دونگا!،، سپاھی نے باریک آواز میں چیخ کر کہا۔

ژوخرائی نے اپنے قدم تیز کر دئے۔ وہ پاویل سے کچھ بات کرنا چاھتا تھا۔ لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔ اس نے صرف اپنا ھاتھ ھلایا جیسے سلام کررھا ھو۔

اس خوف سے کہ کہیں زرد مونچھوں‌والے سپاھی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے، پاویل ژوخرائی کے قریب سے ھوکر گذرتے وقت دوسری طرف دیکھنے لگا جیسے اسے اس تمام قصے میں کوئی دلچسپی ھی نہ ھو۔

لیکن یہ خیال مستقل اسے پریشان کر رھا تھا کہ ''اگر نشانہ چوک گیا اور گولی اس کے نہ لگ کر ژوخرائی کے لگ گئی تو...،،

اب جب کہ پیتلورا فوج کا سپاھی اس کے بالکل قریب آچکا تھا سوچنے کا وقت نہیں رہ گیا تھا۔

جب وہ زرد مونچھوں‌والا سپاھی اس کے برابر

رہا تھا۔ پاویل کا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا کہ ابھی پھٹ جائیگا۔ اس کے خیالات دیوانہ‌وار ادھر ادھر بھٹک رہے تھے اور اس کا ذہن صورت حال کو سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ سوچ بچار کرنے کا اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ صرف ایک بات اس کے سامنے واضح تھی کہ ژوخرائی کے بچنے کی اب کوئی امید نہیں۔

حیران اور حواس‌باختہ ہوکر پاویل ان دونوں کو قریب آتے دیکھ رہا تھا۔ اب کیا کیا جائے؟

آخری وقت یک بیک اسے اپنی جیب میں پڑے ہوئے پستول کا خیال آیا۔ ''جوں ہی وہ دونوں میرے پاس سے گذریں گے میں رائفل‌والے سپاہی کی پیٹھ میں گولی مار دوں‌گا اور فیودور آزاد ہو جائیگا۔،، عین وقت پر یہ فیصلہ کرکے اس کے ذہن کا بار ہلکا ہو گیا۔ ابھی کل ہی تو فیودور نے اس سے کہا تھا: ''اس کےلئے ہمیں باہمت لوگوں کی ضرورت ہے...،،

پاویل نے پھرتی سے اپنے پیچھے نظر ڈالی۔ شہر کو جانےوالی سڑک بالکل ویران تھی۔ دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس کے سامنے ایک عورت ہلکا سا کوٹ پہنے سڑک پر تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ وہ کوئی مداخلت نہیں کر سکتی تھی۔ نکڑ کے پاس سے جو دوسری سڑک جاتی تھی وہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف اسٹیشن جانےوالی سڑک پر بہت دور کچھ لوگ نظر آ رہے تھے۔



آ گیا تو پاویل یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا اور رائفل پکڑ کر اس کی نال زمین کی طرف کر دی ۔

رائفل کی سنگین ایک کرخت آواز نکالتی ہوئی سڑک کے پتھر سے ٹکرائی ۔

سپاھی اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھا اور ایک لمحے کے لئے تو وہ بالکل چکرا ھی گیا ۔ پھر اس نے زور سے جھٹکا دے کر رائفل کو اپنی طرف کھینچا ۔ پاویل نے بھی اپنے جسم کا پورا بوجھ ڈال کر رائفل پر سے اپنی گرفت ڈھیلی نہ ھونے دی ۔ ایک گولی دغنے کی آواز آئی ۔ گولی ایک پتھر سے ٹکرائی اور کراھنے کی سی آواز پیدا کرتی ہوئی چھٹک کر قریب کی ایک خندق میں جا گری ۔

گولی کی آواز سن کر ژوخرائی اچھل کر ایک طرف کو ھٹ گیا اور پھرتی کے ساتھ پیچھے گھوما ۔ رائفل کو پاویل کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں سپاھی پوری طاقت کے ساتھ رائفل کو اینٹھ رھا تھا ۔ اس کھینچاتانی میں پاویل کے ھاتھ اتنی بری طرح بل کھا گئے تھے کہ درد کے مارے اس کا برا حال تھا ۔ لیکن اس نے رائفل نہ چھوڑی ، پھر غصے سے پاگل ھو کر پیتلورا فوج کے اس سپاھی نے ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ پاویل کو زمین پر گرا دیا ۔ لیکن پھر بھی وہ اس کے ھاتھ سے رائفل نہ چھڑا سکا ۔ پاویل زمین پر گر پڑا لیکن اپنے ساتھ ھی اس نے اس سپاھی کو بھی گرا لیا ۔ اس نازک موقعہ پر دنیا کی کوئی بھی طاقت اس سے وہ رائفل نہیں چھڑا سکتی تھی ۔

دو چھلانگیں مارکر ژوخرائی ان دونوں کے قریب جا پہنچا جو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ اس نے اپنا آھنی گھونسہ ھوا میں پورے زور سے گھماکر سپاھی کے سر پر بھرپور وار کیا۔ ایک سکنڈ بعد پیتلورا فوج کا وہ سپاھی پاویل کے قریب سے ھٹایا جا چکا تھا۔ اپنے چہرے پر دو سیسے جیسی بھاری چوٹیں کھانے کی وجہ سے اسے غش سا آ رھا تھا۔ اور تھوڑی ھی دیر بعد اس کا بےحس و حرکت جسم پاس‌والی خندق میں ڈھیر ھو چکا تھا۔

جن دو مضبوط ھاتھوں نے اس سپاھی کی سرست کی تھی انہیں ھاتھوں نے پاویل کو زمین سے اٹھاکر اسکے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔

اس وقت تک ویکتر اس سڑک کے نکڑ سے تقریباً سو قدم آگے پہنچ چکا تھا۔ چلتے چلتے وہ ''او چنچل چھوری،، قسم کے کسی گانے کی دھن پر سیٹی بجاتا جا رھا تھا۔ لیزا سے ملاقات کرکے اور اس کے اس وعدے کی وجہ سے کہ دوسرے دن وہ اس سے پرانے ویران کارخانے کے قریب ملےگی، ویکتر کا دل بانسوں اچھل رھا تھا۔

اسکول کے چھٹے ھوئے عاشق‌مزاج لڑکوں میں یہ افواہ عام تھی کہ لیزا سخارکو عشق لڑانے کے معاملے میں بہت بےباک ھے۔ مغرور اور بر خود غلط سیمیون زالیوانوف نے تو ایک بار یہاں تک کہا تھا کہ وہ لیزا کو زیر کر چکا تھا۔ حالانکہ ویکتر کو

سڑک کے موڑ پر وہ گھوڑسوار گھوڑا دوڑائے ہوئے بے تحاشہ بھاگا چلا آ رہا ھے۔ وہ اپنی ایڑیوں سے اور کرسچ کی بالٹی کی مدد سے گھوڑے کو اور تیز بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے ھی پھاٹک کے پاس وہ گھوڑے پر سے زمین پر کود پڑا اور اندر صحن میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے اس نے چیخ کر کہا:

''فوراً مسلح ہو جاؤ! کسی نے ہمارے ایک آدمی کو مار دیا ھے!''

ایک منٹ کے اندر ھی کئی آدمی صحن سے باھر نکل پڑے۔ بھاگتے ہوئے وہ اپنی رائفلوں کے توڑے چڑھاتے جا رہے تھے۔

ویکتر گرفتار کر لیا گیا۔

اس وقت تک سڑک پر کئی آدمی جمع ہو گئے تھے۔ انہیں میں ویکتر اور لیزا بھی تھے۔ لیزا کو بھی گواھی دینے کےلئے روک لیا گیا۔

اس واقعے کے وقت لیزا دھشت کے مارے اپنی جگہ پر پتھر کی طرح گڑی رہ گئی تھی۔ اس لئے جب ژوخرائی اور پاویل بھاگتے ہوئے اس کے قریب سے گذرے تھے تو اس وقت اس نے انہیں اچھی طرح دیکھا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہو رھی تھی کہ جس لڑکے نے پیتلورا فوج کے اس سپاھی پر حملہ کیا تھا وہ وھی لڑکا تھا جس سے تونیا اس کا تعارف کرانا چاھتی تھی۔

وہ دونوں ایک چھاردیواری پھاندکر کسی باغ میں کودے ھی تھے کہ وہ گھوڑسوار سڑک

سیمیون کی بات پر پورا یقین نہیں تھا پھر بھی لیزا نے اسے مسحور سا کر دیا تھا۔ خیر کل معلوم ہو جائےگا کہ زالیوانوف سچ کہتا تھا یا جھوٹ۔

''اگر وہ آئی تو میں ذرا بھی نہیں جھجکوں گا۔ آخر بوسہ دینے میں تو وہ کسی قسم کا اعتراض نہیں کرتی۔ اور اگر کہیں سیمیون کا کہنا سچ ہوا تب تو...،، اتنے میں پیتلورا فوج کے دو سپاھیوں کو راستہ دینے کےلئے وہ ایک طرف کو ھٹا اور اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ان میں سے ایک سپاھی ھاتھ میں کرمچ کی ایک بالٹی جھلاتا ھوا ایک دم کٹے گھوڑے پر سوار چلا جا رھا تھا۔ ظاھر تھا وہ گھوڑے کو پانی پلانے جا رھا تھا۔ دوسرا سپاھی جو ایک چھوٹا کوٹ اور ڈھیلی ڈھالی نیلے رنگ کی پتلون پہنے ھوئے تھا اس کے برابر پیدل چل رھا تھا۔ وہ اپنا ھاتھ گھوڑسوار کے گھٹنے پر رکھے ھوئے اسے کوئی دلچسپ قصہ سنا رھا تھا۔

ویکتر نے ان دونوں کو گذر جانے دیا اور وہ آگے بڑھنے ھی کو تھا کہ بڑی سڑک کی طرف سے گولی چلنے کی آواز سنکر وہ ایک دم ٹھٹک کر کھڑا ھو گیا۔ اس نے مڑکر دیکھا کہ وہ گھوڑسوار اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاکر اسی سمت بھاگا جا رھا ھے جدھر سے آواز آئی تھی۔ دوسرا سپاھی ایک ھاتھ سے اپنی تیغ سنبھالے اس کے پیچھے بھاگا جا رھا تھا۔

ویکتر بھی ان کے پیچھے بھاگا۔ وہ بڑی سڑک کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا کہ اتنے میں دوسری گولی دغنے کی آواز آئی۔ اور اس نے دیکھا کہ

اس کے منھ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ اس لئے اس کی تجویز چنداں خوش‌آئند نہیں تھی بلکہ کسی خطرے کا پیش خیمہ تھی۔

ویکتر لیزا کو گھر تک چھوڑنے گیا۔

اسٹیشن وہاں سے کافی دور تھا اور جب وہ بانھوں میں بانھیں ڈالے چلے جا رہے تھے تو ویکتر دل ہی دل میں اس حادثہ کا بہت ممنون ہو رہا تھا۔

''تمہیں بھلا کچھ اندازہ ہے کہ جس شخص نے اس قیدی کو چھڑایا وہ کون تھا؟،، لیزا نے اپنے گھر کے قریب پہنچ کر ویکتر سے پوچھا۔

''قطعی نہیں، مجھے کیسے اندازہ ہو سکتا ہے؟،،

''تمہیں یاد ہے اس دن شام کو تونیا ایک لڑکے کو ہم سے ملانے کےلئے لائی تھی؟،،

ویکتر ایک لخت رک گیا۔

''پاویل کورچاگن؟،، اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، میرا خیال ہے اس کا نام کورچاگن ہی تھا۔ تمہیں یاد ہے وہ کتنے عجیب طریقے سے کمرے سے باہر چلا گیا تھا؟ بس وہی تھا۔،،

ویکتر بالکل ھکا بکا رہ گیا۔

''تمہیں پکا یقین ہے؟،، اس نے لیزا سے پوچھا۔

''ہاں، مجھے اس کی صورت اچھی طرح یاد ہے۔،،

''تو تم نے یہ بات کمانڈانٹ کو کیوں نہیں بتلائی؟،،

لیزا کو غصہ آ گیا۔

''کیا تم سمجھتے ہو میں اتنی ذلیل حرکت کر سکتی ہوں؟،،

پر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آ پہنچا تھا۔ جب گھوڑسوار نے دیکھا کہ ژوخرائی ہاتھ میں رائفل لئے ہوئے بھاگا جا رہا ہے اور وہ مبہوت سپاہی اٹھ کر کھڑے ہونے کی مسلسل جدوجہد میں مبتلا ہے تو اس نے اپنا گھوڑا باغ کی چہاردیواری کی طرف بڑھایا۔

لیکن ژوخرائی نے پیچھے مڑ کر رائفل تان لی اور تعاقب کرنےوالے پر گولی چلا دی۔ گھوڑسوار جلدی سے گھوڑا موڑ کر اپنی جان بچاکے بھاگا۔

وہ سپاہی جس کے بری طرح زخم کھائے ہونٹوں سے آواز بھی اچھی طرح نہیں نکل رہی تھی اس گھوڑسوار سے پورا واقعہ بیان کر رہا تھا۔

''گدھے کہیں کے، آخر تمہارے دیکھتے دیکھتے وہ آدمی بھاگ کیسے گیا۔ جب چوتڑ پر پچیس کوڑے پڑیں گے تب معلوم ہو جائےگا۔''

''تم تو بڑے ہوشیار ہو نا؟'' سپاہی نے غصہ ہوکر تڑ سے جواب دیا۔ ''میرے دیکھتے دیکھتے، ہوں؟ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ حرامی میرے اوپر دیوانوں کی طرح ٹوٹ پڑےگا۔''

لیزا سے بھی سوال جواب کیا گیا۔ اس نے بھی وہی قصہ بیان کیا جو قیدی کو لے جانےوالے اس سپاہی نے بتایا تھا۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ حملہ کرنےوالے اس لڑکے کو جانتی ہے۔ پھر بھی ان سب کو کمانڈانٹ کے دفتر لے جایا گیا اور شام تک نہیں چھوڑا گیا۔

کمانڈانٹ لیزا کو خود اس کے گھر تک چھوڑ آنے پر مصر تھا۔ لیکن لیزا نے انکار کر دیا۔

ھی ھے۔ جہاں تک میرا سوال ھے میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس نے کسے چھڑایا۔ ،،

لیش چینسکی خاندان کا ایک فرد ھونے کے ناتے اور پولینڈ کے ایک قدیم خاندان کا روشن چراغ ھونے کی حیثیت سے اس کے لئے دونوں فریقین یکساں طور پر قابل نفرت تھے۔ وہ صرف ایک حکومت تسلیم کرتا تھا، اور وہ تھی ''ریچ پوسپولیتا،، — پولینڈ کے اشرافیہ کی حکومت اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ حکومت جلد ھی پولینڈ کی فوجیں لے کر وھاں پہنچ جائے گی۔ لیکن اس بدمعاش کورچاگن سے نجات پانے کا یہ بہترین موقعہ تھا۔ وہ لوگ یقیناً اس کی گردن مروڑ ڈالیں گے۔

اپنے خاندان میں ویکتر ھی اکیلا اس شہر میں رہ گیا تھا۔ وہ اپنی ایک خالہ کے ساتھ رھتا تھا جس کا شوھر شکر کے کارخانے کا اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھا۔ ویکتر کے کنبے والے کچھ عرصے سے وارسا میں رھنے لگے تھے۔ وھاں اس کا باپ سگسمند لیش چینسکی کسی خاصے بڑے عہدے پر تعینات ھو گیا تھا۔

ویکتر سیدھا کمانڈانٹ کے دفتر گیا اور دروازہ کھلا پا کر اندر داخل ھو گیا۔

تھوڑی ھی دیر کے بعد پیتلورا فوج کے چار سپاھیوں کے ساتھ وہ کورچاگن کے گھر کی طرف چل دیا۔

''یہی گھر ھے،، اس نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا جس میں روشنی ھو رھی تھی۔

''ذلیل؟ تمہارے نزدیک یہ بتا دینا کہ قیدی کو لے جانے والے سپاھی پر حملہ کس نے کیا تھا، ذلیل حرکت ھے؟''

''اور تم کیا اسے بڑی شرافت کی بات سمجھتے ہو؟ تم شائد ان لوگوں کے کرتوتوں کو بھول گئے ھو۔ تمہیں کچھ خبر بھی ھے کہ ثانوی اسکول میں یہودیوں کے کتنے یتیم بچے ھیں۔ پھر بھی تم چاھتے ھو کہ میں انہیں کورچاگن کے بارے میں بتا دیتی۔ مجھے بڑا افسوس ھے۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہ تھی۔''

لیش چینسکی کو لیزا کا جواب سن کر بہت تعجب ھوا۔ لیکن چونکہ اسے لیزا سے جھگڑا کرنا مصلحتاً منظور نہ تھا، اس لئے اس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''خفا نہ ھو، لیزا۔ میں تو مذاق کر رھا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی ایماندار ھو۔''

''اگر یہ مذاق تھا تو بہت ھی گھٹیا قسم کا مذاق تھا،'' لیزا نے روکھے پن سے جواب دیا۔

سخارکو کے گھر کے باھر لیزا سے رخصت ھوتے وقت ویکتر نے اس سے پوچھا:

''تو لیزا تم آؤگی نا؟''

''معلوم نہیں،'' اس نے گول مول جواب دیا۔

شہر واپس جاتے وقت ویکتر نے اپنے ذھن میں اس مسئلے پر کافی غور کیا۔ ''خیر میم صاحب، آپ اسے ذلیل حرکت سمجھتی ھوں تو سمجھیں۔ لیکن اس مسئلہ کے بارے میں میری رائے کچھ اور

کیسے لگی؟،، اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اور یہ سوال اسے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔

حالانکہ پیتلورا فوج کے سپاهیوں نے کورچاگن کے گھر کا کونا کونا چھان مارا لیکن ان کے هاتھ کچھ نہ لگا۔ آرتیم اپنے بہترین کپڑے اور اپنا اکارڈین باجا اپنے ساتھ گاؤں لے گیا تھا۔ اور اس کی ماں اپنا صندوق اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس لئے گھر میں ایسی کوئی خاص چیز رہی نہیں تھی جسے سپاهی لے جاتے۔

لیکن حوالات کی کوٹھری تک کا سفر ایک ایسا تجربہ تھا جسے پاویل کبھی بھول نہ سکتا تھا۔ بالکل اندھیری گھپ رات تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ چاروں طرف سے اسے بےرحمی سے ٹھوکریں ماری جا رہی تھیں اور ان ٹھوکروں کی چوٹ سے تلملاکر وہ اندھوں کی طرح گرتا پڑتا بدحواس کسی نہ کسی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔

پاس کے کمرے میں کھلنےوالے دروازے کے پیچھے سے آنےوالی آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کمرہ کمانڈانٹ کی گارد کے سپاهیوں کے قبضے میں تھا۔ دروازے کے نیچے سے روشنی کی ایک چمکدار پٹی نظر آ رہی تھی۔ پاویل اٹھ کھڑا ہوا اور دیوار کا سہارا لیتے ہوئے اس نے پوری کوٹھری کا چکر لگایا۔ تختے کے مقابل اس نے ایک کھڑکی دریافت کی جس میں تیز نوکوںوالی مضبوط چھڑیں لگی ہوئی تھیں۔ اپنے هاتھ سے اس نے انہیں

''اب تو میں جا سکتا ہوں نا؟،، اس نے پاس والے افسر سے پوچھا۔

''ہاں ہاں، اب ہم نمٹ لیں گے، اس اطلاع کے لئے بہت بہت شکریہ۔،،

ویکٹر تیزی سے سڑک پر چل دیا۔

اپنی پیٹھ پر پڑنے والے آخری گھونسے سے پاویل چکرا کر اس اندھیرے کمرے میں جا پڑا جہاں وہ لوگ اسے گھسیٹ لائے تھے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا گرا اور اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ سامنے والی دیوار سے ٹکرا گئے۔ ادھر ادھر ٹٹولنے پر اسے دیوار سے لگا ہوا ایک تختہ ملا، وہ اسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم اور اس کی روح دونوں ہی بری طرح زخمی ہوئے تھے اور دونوں ہی میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔

وہ اپنی گرفتاری پر بالکل حیران تھا۔ پیتلورا فوج کے سپاھیوں کو اس کے بارے میں پتہ کیسے چلا؟ اسے پورا یقین تھا کہ اسے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اب کیا ہوگا؟ اور ژوخرائی کہاں ہوگا؟

وہ ملاح کو کلیمکا کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ وہاں سے وہ خود تو سرگئی کے یہاں چلا گیا تھا اور ژوخرائی شام کے انتظار میں وہیں رک گیا تھا کہ شام ہوتے ہی چپکے سے شہر سے کھسک جائے گا۔

''اچھا ہی ہوا کہ ریوالور میں نے کوے کے گھونسلے میں چھپا دیا تھا،، پاویل نے سوچا۔ ''اگر کہیں وہ ان کے ہاتھ لگ جاتا تب تو میرا خاتمہ ہی تھا۔ لیکن میرے بارے میں انہیں خبر

پاویل نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسرے کمرے میں ایک قہقہہ گونج اٹھا۔

اس رات پاویل نے کافی وقت غور و فکر میں گذارا۔ جدوجہد میں شرکت کرنے کی اس کی پہلی ہی کوشش اس کےلئے بہت بری ثابت ہوئی تھی۔ پہلے ہی قدم پر وہ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اب وہ یہاں چوہے کی طرح پھنسا پڑا تھا۔

وہ ابھی تک بیٹھا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر ایک بیچین سی غنودگی طاری ہونے لگی۔ اور پھر دھیرے دھیرے اسکی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کی شکل ابھر آئی۔ اس کے جھریوں‌دار چہرے کے نمایاں خطوط اور اس کی وہ آنکھیں جن سے وہ بےحد محبت کرتا تھا اسے صاف نظر آنے لگیں۔ اس نے سوچا: ''اچھا ہی ہوا کہ وہ گھر پر نہیں تھیں۔ اب انہیں اتنی تکلیف نہیں ہوگی۔،،

کھڑکی سے داخل ہونےوالی روشنی نے کوٹھری کے فرش پر ایک ملگجے رنگ کا مربع سا بنا دیا۔

تاریکی رفتہ رفتہ چھٹ رہی تھی۔ صبح ہونےوالی تھی۔

چھٹا باب

اس بڑے سے پرانے مکان کی صرف ایک کھڑکی میں روشنی چمک رہی تھی۔ کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ باھر تریزور جسے رات بھر کےلئے زنجیر

ھلانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔ ظاہر تھا کہ وہ جگہ پہلے گودام کا کام آتی تھی۔

وہ ٹٹولتا ٹٹولتا دروازے کی طرف گیا اور ایک لمحہ تک وہاں کھڑے کھڑے باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے دروازے کے ہینڈل کو دھیرے سے دبایا۔ دروازے سے ایک تکلیف‌دہ چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور پاویل نے دانت پیس کر گالی سنا دی۔

اس کے سامنے دروازے میں جو پتلی سی درز پیدا ہو گئی تھی اس میں سے جھانک کر اس نے پاس‌والے کمرے میں دیکھا تو اسے دو بدھیئت سے پاؤں، جن کی انگلیاں بہت ٹیڑھی میڑھی تھیں، سونے کے ایک تختے کی کگر سے باہر کی طرف پھیلے ہوئے نظر آئے۔ اس نے ہینڈل پر ایک ھلکا سا دھکا اور دیا لیکن اس بار دروازے نے اور زور سے احتجاج کیا۔ ملے دلے کپڑے پہنے ایک شخص اٹھ کر تختے پر بیٹھ گیا اور اپنے جوں بھرے سر کو پانچوں انگلیوں سے زور زور سے کھجا کر مسلسل گندی گندی گالیاں بکنے لگا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک نیند کا خمار باقی تھا۔ جب گندی گالیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اس شخص نے تختے کے سرھانے رکھی ہوئی رائفل کی طرف ھاتھ بڑھا دیا اور کھنکھنا کر بولا:

"بند کرو دروازہ۔ اور خبردار، اب کی بار اگر میں نے تجھے ادھر جھانکتے دیکھا تو میں تیری..."

اس میں پھرتی نوجوان لڑکیوں جیسی تھی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں ہوشیاری جھلکتی تھی اور اس کا چہرہ بہت خوبصورت نہ ہوتے ہوئے بھی کافی دلکش تھا۔

"میں تھوڑی دیر میں بڑی خوشی سے تم دونوں کو اکیلا چھوڑکر چلی جاؤں‌گی۔ لیکن پہلے وہ خبریں تو سنا دو جو سب کے سننے کی ہیں،" اس نے دیوان کے قریب ایک کرسی کھینچتے ہوئے مذاق کے انداز میں کہا۔

'اچھا، پہلی خبر تو یہ ہے کہ ہماری اسکول کی پڑھائی ختم۔ بورڈ نے ساتویں جماعت کے طالب‌علموں کی سندیں تقسیم کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور میں بےحد خوش ہوں۔ اس الجبرا اور جیومیٹری سے تو میں عاجز آ گئی تھی۔ آخر ان چیزوں کے پڑھنے سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ لڑکے ممکن ہے اپنی پڑھائی آگے بھی جاری رکھیں۔ لیکن چاروں طرف جنگ ہو رہی ہے اس لئے وہ خود بھی نہیں جانتے کہ وہ آگے کہاں پڑھیں‌گے۔ بڑی مصیبت ہے... جہاں تک ہم لوگوں کا سوال ہے، ہم لوگوں کی تو شادیاں ہو جائیں‌گی۔ اور بیویوں کو الجبرا سے کیا لینا،" یہ کہہ‌کر لیزا ہنس دی۔

کچھ دیر لڑکیوں کے پاس بیٹھنے کے بعد یکاترینا مخائیلوونا اپنے کمرے میں چلی گئی۔

لیزا کھسک‌کر تونیا کے اور قریب آ گئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال‌کر اس نے چپکے چپکے اس سڑک کے نکڑوالا اس دن کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔

سے باندھ دیا گیا تھا یک بیک اپنی گونجتی ہوئی بھاری آواز میں بھونک اٹھا۔

غنودگی کے عالم میں تونیا نے اپنی ماں کو دھیمی آواز میں کہتے سنا:

"نہیں، ابھی نہیں سوئی ہے۔ اندر آجاؤ، لیزا۔"

اپنی سہیلی کے ہلکے ہلکے قدموں کی آہٹ سے اور پھر گرم‌جوشی اور شدت جذبات کے ساتھ اس کے گلے ملنے کی وجہ سے آخرکار تونیا کی نیند غائب ہو گئی۔

تونیا کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لیزا، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم اس وقت یہاں آ گئیں۔ پاپا کی حالت کل خطرے سے باھر ہو گئی تھی اور آج تو وہ دن بھر گہری نیند سوتے رہے۔ اتنی راتیں بغیر سوئے بتانے کے بعد مجھے اور ماں کو بھی آج آرام کرنے کا کچھ موقع مل گیا۔ سناؤ، یہاں کی کیا خبریں ہیں؟" تونیا نے اپنی سہیلی کو کوچ پر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ارے یوں تو خبریں بہت سی ہیں۔ لیکن کچھ خبریں صرف تمہارے سننے کی ہیں" لیزا نے شرارت بھری نظروں سے یکاترینا مخائیلوونا کی طرف دیکھ‌کر مسکراتے ہوئے کہا۔

تونیا کی ماں بھی مسکرا دی۔ اس کی عمر تقریباً چھتیس سال کی تھی اور اس کا انداز کافی بھاری بھرکم قسم کا تھا۔ لیکن اس کے باوجود

ایک ھی خیال اس کے دماغ کو مسلسل برما رہا تھا: ”تو ویکتر لیش چینسکی کو اس بات کی اطلاع ھے کہ سپاھی پر حملہ کس نے کیا تھا۔ اف! لیزا نے اسے یہ کیوں بتایا؟“ اور غیردانستہ طور پر یہ الفاظ اس کے منھ سے نکل ھی گئے۔

”کیا کہا تم نے؟“ لیزا فوراً اس بات کا مطلب نہیں سمجھ پائی۔

”تم نے لیش چینسکی کو پاویل... میرا مطلب ھے کورچاگن کے بارے میں کیوں بتایا؟ وہ اسے ضرور گرفتار کرا دے گا...“

”جاؤ بھی، وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا“ لیزا نے احتجاج کرتے ھوئے کہا۔ ”میں تو نہیں سمجھتی کہ وہ کبھی بھی ایسی حرکت کرے گا۔ آخر اس سے اسے کیا فائدہ ھو سکتا ھے؟“

تونیا یک بیک تن کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے گھٹنے اتنے کس کر بھینچ لئے کہ ان میں درد ھونے لگا۔

”تم نہیں جانتیں، لیزا! وہ اور کورچاگن ایک دوسرے کے جانی دشمن ھیں۔ اور اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ھے... تم نے پاویل کے بارے میں ویکتر کو بتا کر بڑی غلطی کی۔“

اب جا کر لیزا کو تونیا کے اضطراب کا احساس ھوا۔ اور اس کے غیرشعوری طور پر اتنی بے تکلفی کے ساتھ کورچاگن کا پیار کا نام لینے سے لیزا پر وہ حقیقت پوری طرح واضح ھو گئی

"تونیا، تمھیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے اس وقت کتنی حیرت ہوئی جب میں نے یہ دیکھا کہ جو لڑکا قیدی کے ساتھ بھاگا جا رہا تھا... بتاؤ کون تھا؟"

تونیا نے جو بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ داستان سن رہی تھی، اپنے کندھے جھٹک دئے۔

"کورچاگن!" لیزا نے جلدی سے سانس روک کر کہا۔

تونیا چونک پڑی اور اس کے جسم میں ایک جھرجھری سی دوڑ گئی۔

"کورچاگن؟"

تونیا پر اپنی داستان گوئی کا اثر دیکھ کر لیزا بہت خوش تھی۔ اس کے بعد اس نے ویکٹر کے ساتھ اپنے جھگڑے کی تفصیل اسے سنائی۔

لیزا اپنا قصہ سنانے میں اتنی محو تھی کہ اس نے یہ غور بھی نہیں کیا کہ تونیا کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ اپنی نازک انگلیوں سے بڑی بےقراری کے ساتھ اپنے نیلے رنگ کے بلاؤز کو نوچ رہی تھی۔ لیزا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ پریشانی کی وجہ سے تونیا کے دل میں کتنا شدید ہیجان برپا تھا۔ اور نہ اس کو اس بات کا احساس تھا کہ تونیا کی خوبصورت آنکھوں کے گرد اس کی لمبی لمبی پلکیں اس طرح کیوں کانپ رہی تھیں۔

تونیا نے اس شرابی فوجی افسر کے بارے میں لیزا کی گفتگو کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

ھوئی ھوا کے جھونکے اس کے چہرے کو پنکھا جھل رہے تھے۔ دور شہر کے مکانوں کی کھڑکیوں میں سرخ رنگ کی مدھم روشنیاں اپنی آنکھیں جھپکا رہی تھیں۔ اس کی نظروں کے سامنے شہر کی وسعت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ شہر جس کی زندگی اس کی زندگی سے بالکل مختلف تھی اور اسی شہر میں کہیں انہیں مکانوں میں سے کسی مکان میں اس کا باغی دوست پاویل بھی ھوگا، اس خطرے سے قطعی بےخبر جو اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ شائد اب تک وہ اسے بھول بھی چکا ھوگا۔ ان کی آخری ملاقات کو دن بھی تو کتنے ھو چکے تھے؟ اس موقعہ پر غلطی پاویل ھی کی تھی لیکن وہ بات تو کب کی بھلائی بھی جا چکی تھی۔ کل وہ اس سے ملنے جائےگی، اور ان کی دوستی پھر تازہ ھو جائےگی، ایک دل گداز لطیف سی دوستی۔ ان کی دوستی پھر قائم ھو جائےگی۔ اس کے بارے میں تونیا کو ذرا بھی شبہہ نہیں تھا۔ بس ایک شرط تھی کہ رات کی تاریکی اس کے پاویل کے ساتھ غداری نہ کرے۔ وہ رات جس میں تمام دنیا کی بدی چھپی ہوئی معلوم ھوتی تھی۔ گویا وہ پاویل ھی کی گھات میں ھو... ھوا کافی سرد ھو چلی تھی۔ سڑک پر ایک آخری نظر ڈال کر تونیا اندر چلی گئی۔ یہ خیال کہ "رات کی تاریکی اس کے پاویل کے ساتھ غداری نہ کرے" مستقل اس کے دماغ میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اسی خیال کو لئے ھوئے وہ نرم کمبلوں میں لپٹی ھوئی اپنے بستر پر سو گئی۔

جس کا ابھی تک وہ صرف موھوم سا قیاس ھی کر سکی تھی۔

اس میں ایک احساس جرم پیدا ھوا اور وہ کھسیا کر بالکل خاموش ھو گئی۔

"تو یہ بات سچ ھے"، اس نے سوچا۔ "یہ عجیب بات ھے کہ تونیا ایک ایسے... ایک معمولی مزدور کے عشق میں مبتلا ھو جائے۔" لیزا کو اس مسئلے کے بارے میں بات چیت کرنے کی بہت خواهش ھو رھی تھی لیکن اپنی سہیلی کے جذبات کا احساس کرکے وہ باز رھی۔ کسی نہ کسی طرح اپنے جرم کا تاوان بھرنے کےلئے بےچین ھوکر اس نے تونیا کے ھاتھ اپنے ھاتھوں میں کس کر دبا لئے۔

"تونیا، کیا تم بہت پریشان ھو؟"

"نہیں، شائد ویکتر کو جیسا میں سمجھتی ھوں، ممکن ھے وہ اس سے زیادہ شریف ھو"، تونیا نے کھوئی کھوئی سی آواز میں جواب دیا۔

اس کے بعد ایک بےربط سی خاموشی طاری ھو گئی جو ان کے اسکول کے ایک ساتھی دیمیانوف کے آنے ھی پر ٹوٹی۔ دیمیانوف بہت ھی شرمیلا جھینپو سا لڑکا تھا۔

اپنے دوستوں کو رخصت کرنے کے بعد تونیا بڑی دیر تک باغیچے کے پھاٹک کا سہارا لئے کھڑی شہر جانےوالی سڑک کی سیاہ پٹی کو گھورتی رھی۔ اس ابدی آوارہ گرد، یعنی خنک نمی سے بوجھل اور موسم بہار کی گیلی مٹی کے سوندھےپن میں بسی

گئے - کمرے کی تمام چیزیں الٹی پلٹی پڑی تھیں اور فرش پر پرانے کپڑے بکھرے ہوئے تھے -

''آخر یہ کیا ھنگامہ ھے؟،، آرتیم نے بالکل ھی بوکھلا کر زیرلب کہا -

''ھنگامہ تو اچھا خاصہ ھے، اس میں شبہہ نہیں،، لوھار نے اس کی تائید کی -

''آخر یہ چھوکرا گیا کہاں؟،، آرتیم کو غصہ آ رھا تھا - لیکن مکان بالکل ویران پڑا تھا - اس کے سوال کا جواب دینے کےلئے وھاں کوئی بھی نہیں تھا -

لوھار اسے سلام کرکے رخصت ھوا -

آرتیم صحن میں آیا اور اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی -

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ ماجرا کیا ھے - تمام دروازے بھاڑ جیسے کھلے ھیں اور پاویل کا کہیں پتہ نہیں ھے - ،،

اتنے میں اپنے پیچھے اسے کسی کے قدموں کی آھٹ سنائی دی - اس نے مڑکر دیکھا کہ ایک بڑا سا کتا اپنے کان اٹھائے اس کے سامنے کھڑا تھا - ایک لڑکی پھاٹک سے گھر کی طرف چلی آ رھی تھی -

''مجھے پاویل کورچاگن سے ملنا ھے،، اس نے آرتیم کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر نیچی سی آواز میں کہا -

''ملنا تو مجھے بھی ھے مگر خدا جانے کہاں چلا گیا ھے وہ - میں یہاں آیا تو مکان کھلا پڑا تھا اور پاویل کا کہیں پتہ نہیں تھا - تو تم

صبح اور لوگوں کے اٹھنے سے پہلے تونیا کی آنکھ کھل گئی اور وہ جلدی سے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی۔ وہ دبے پاؤں گھر سے باھر نکلی تاکہ گھر کے اور لوگ نہ جاگ جائیں۔ باھر نکل کر اس نے جھبرے بالوں والے اس بڑے سے کتے تریزور کو کھولا اور اسے ساتھ لیکر وہ شہر کی طرف چلدی۔ کورچاگن کے مکان کے سامنے پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے جھجکی اور پھر پھاٹک کھول کر صحن میں داخل ہو گئی۔ تریزور اپنی دم ہلاتا ہوا اس کے آگے بھاگا...

آرتیم اس دن صبح سویرے گاؤں سے آیا تھا۔ جس لوھار کے ھاں وہ کام کرتا تھا وہ اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر شہر چھوڑ گیا تھا۔ گھر پہنچ کر آرتیم نے اپنی کمائی سے خریدا ھوا آٹے کا بورا کندھے پر اٹھا لیا اور صحن میں داخل ھوا۔ وہ لوھار اس کا باقی سامان لئے ھوئے اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ بورا کھلے ھوئے دروازے کے باھر رکھ کر آرتیم نے پکارا:

”پاویل!“

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

”آخر یہاں کیوں کھڑے ھو؟ اندر کیوں نہیں جاتے؟“ لوھار نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

اپنا سامان باورچی خانے میں رکھ کر آرتیم دوسرے کمرے میں گیا۔ وھاں اس کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر اسکے ھوش اڑ

''کیا مصیبت ہے! ایسے ہی کیا کم پریشانیاں تھیں کہ یہ ایک نیا بکھیڑا اور کھڑا ہو گیا،، وہ اداس ہوکر بڑبڑایا۔ ''اب میں سمجھا کہ گھر کی تمام چیزیں اس طرح الٹی پلٹی کیوں پڑی تھیں۔ نہ جانے اس چھوکرے کو اس جھگڑے میں جا کر پھنس جانے کی کیا ضرورت تھی... اب میں اسے کہاں تلاش کروں؟ اچھا مس صاحب، کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟،،

''میں یہاں کے ناظم جنگلات تمانوف کی بیٹی ہوں۔ پاویل میرا دوست ہے۔،،

''اچھا،، آرتیم نے مبہم سے انداز میں اپنی آواز کھینچ کر کہا۔ ''میں تو آٹا لایا تھا کہ کھلا پلا کر اس چھوکرے کو ذرا تگڑا بناؤں گا اور یہاں یہ...،،

تونیا اور آرتیم ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔

''اچھا، تو میں اب چلوں گی،، تونیا نے جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''شائد آپ کو اس کا پتہ لگ جائے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ کو کیا پتہ چلا میں شام کے وقت پھر آؤں گی۔،،

آرتیم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

ایک منحنی سی سکھی سردی کی آرامدہ نیند سے جاگ کر کھڑکی کے کونے میں بھنبھنا رہی تھی۔ ایک پرانی شکستہ سی کوچ کی کگر پر ایک نوجوان

بھی اسی کو ڈھونڈھ رہی ہو؟،، اس نے لڑکی سے مخاطب ہوکر کہا۔

جواب میں لڑکی نے اس سے ایک اور سوال کیا:

''کیا آپ کورچاگن کے بھائی آرتیم ہیں؟،،

''ہوں تو سہی، کیوں؟،،

جواب دینے کی بجائے لڑکی کھلے ہوئے دروازے کو دہشت سے دیکھتی رہی۔ ''میں کل رات کو کیوں نہیں آئی؟،، اس نے سوچا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا...،، اور اس کا دل اور بھی اداس اور بوجھل ہو گیا۔

''آپ جب آئے تب دروازہ کھلا تھا اور پاویل یہاں نہیں تھا؟،، اس نے آرتیم سے پوچھا جو اسے تعجب سے گھور رہا تھا۔

''کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں پاویل سے کیا کام ہے؟،،

تونیا اس کے اور قریب آ گئی اور چاروں طرف نظر ڈال کر رک رک کر بولی:

''مجھے یقینی طور پر تو نہیں معلوم لیکن اگر پاویل گھر پر نہیں ہے تو وہ ضرور گرفتار کر لیا گیا ہوگا۔،،

آرتیم گھبرا کر چونک پڑا ''گرفتار کس لئے؟،،

''آئیے اندر چل کر باتیں کریں گے،، تونیا نے کہا۔

تونیا کو جو کچھ بھی معلوم تھا اس نے سب بیان کر دیا اور آرتیم خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ جس وقت تونیا نے اپنا قصہ ختم کیا، آرتیم پر پوری طرح مایوسی چھا چکی تھی۔

''تو یہاں کیسے آنا ہوا؟ کیا بیماری کے بعد آرام کرنے آئے ہو؟''

''آرام کرنے کا وقت تو اب عاقبت میں نصیب ہوگا۔ مورچے پر وہ لوگ بڑی تیزی سے ہمارے خلاف بڑھتے آ رہے ہیں۔''

کمانڈانٹ نے اپنے سر سے اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔

''خیر، یہ سب باتیں بعد میں کریں گے۔''

سالوسیگا دھم سے ایک تپائی پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی ٹوپی اتار لی جس پر ایک بلا لگا ہوا تھا۔ بلے پر مینا کاری کے کام میں ایک ترشول بنا ہوا تھا جو کہ ''یوکرینی قومی جمہوریت'' کا نشان تھا۔

''مجھے گولب نے بھیجا ہے'' اس نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''باقاعدہ سپاہیوں کی ایک ڈویژن جلد ہی تبدیل ہوکر یہاں آئے گی۔ عام طور پر یہاں شہر میں کوئی نہ کوئی بکھیڑا کھڑا ہوتا ہی رہے گا، اور مجھے ان سب چیزوں کا انتظام کرنے کےلئے بھیجا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی غیرملکی اعلی شخصیت کے ساتھ ''حضور عالی'' خود یہاں تشریف لائیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ''تفریح'' وغیرہ کے سلسلے میں کسی قسم کا ذکر نہ ہونے پائے۔ کیا لکھ رہے تھے تم؟''

کمانڈانٹ نے سگریٹ سرکا کر منھ کے دوسرے کونے میں دبا لی۔

''ایک بلا کے بدمعاش لڑکے سے پالا پڑ گیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا یہاں ژوخرائی نام کا ایک شخص

کسان عورت اپنے گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی تھی۔ اور اس کی ویران آنکھیں گندے فرش پر جمی ہوئی تھیں۔

کمانڈانٹ جو اپنے منھ کے ایک کونے میں لگی ہوئی سگریٹ کو چبا رہا تھا بڑے زناٹے کے ساتھ کاغذ کے ایک ورق پر کچھ لکھ رہا تھا۔ تحریر ختم کرکے اور ظاہراً اپنے اس کارنامے پر خوش ہوکر اس نے اس جگہ کے نیچے جہاں اس کا عہدہ لکھا ہوا تھا ''شیپیتوفکا شہر کا کمانڈانٹ، خورونژی،، اپنے بہت ہی سجاوٹی دستخط کئے جس کے آخر میں خط ایک عجیب انداز سے خم کھا گیا تھا۔ دروازے کے باہر سہمیزوں کے جھنکنے کی آواز آئی۔ کمانڈانٹ نے سر اٹھاکر اوپر دیکھا۔

اس کے سامنے سالوسیگا کھڑا تھا۔ اس کے بازو پر ایک پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''ھلو، تم کس جھونکے میں آپہنچے؟،، کمانڈانٹ نے اس کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا۔

''جھونکا کچھ خوشگوار نہیں تھا۔ ایک بوگونیتس* نے میرا ھاتھ ھڈی تک کاٹ کر رکھ دیا۔،،

اس عورت کی موجودگی کا کوئی لحاظ کئے بغیر سالوسیگا بےتحاشہ گالیاں بکنے لگا۔

---

* بوگونیتس — سرخ فوج کی بوگون رجمنٹ کا سپاھی۔ بوگون سترھویں صدی میں یوکرینی عوام کی آزادی کی جدوجہد کا ھیرو تھا۔ (ایڈیٹر)

نہیں معلوم، میں نے اسے نہیں چھڑایا۔ بدمعاش چھوکرا! ہوا یہ کہ جو سپاہی قیدی کو لا رہا تھا اس نے اس چھوکرے کو پہچان لیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس پر ٹوٹ پڑا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہیں اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ بڑی مشکل سے میں اس کزاک کو الگ کر پایا۔ اور اس کا غصہ جائز بھی تھا کیونکہ اسٹیشن پہنچنے پر اوسیل‌چینکو نے اسے قیدی کو ہاتھ سے کھو دینے کے جرم میں پچیس ڈنڈے لگوائے تھے۔ اب اس چھوکرے کو یہاں بند رکھنے کا کوئی تک نہیں ہے۔ اس لئے میں یہ رپورٹ ہیڈکوارٹر بھیجے دے رہا ہوں اور میں نے ان لوگوں سے اجازت مانگی ہے کہ اس چھوکرے کا کام تمام کروا دیا جائے۔،،

سالومیگا نے حقارت کے ساتھ فرش پر تھوکا۔

''میرے ہتھے چڑھتا تو میں اس سے سب قبول کرا لیتا۔ تم جانچ پڑتال کے معاملے میں کچھ کچے معلوم ہوتے ہو۔ بھلا آج تک کسی نے سنا ہے کہ دینیات کا طالب‌علم کامیاب کمانڈانٹ بن سکا ہو! بھلا تم نے ڈنڈے سے بھی کام لیا؟،،

کمانڈانٹ آپے سے باہر ہو گیا۔

''تم حد سے آگے بڑھے جارہے ہو۔ بس اپنا طنز اپنے ہی پاس رکھو۔ یہاں کا کمانڈانٹ میں ہوں اور میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ تم میرے معاملات میں دخل مت دو۔،،

سالومیگا نے غصے سے بپھرتے ہوئے کمانڈانٹ کی طرف دیکھا اور زور کا قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

تھا ۔ وہی جس نے ریلوے کے مزدوروں کو ہمارے خلاف بھڑکایا تھا ۔ یاد ہے نا؟ ہاں تو ایک دن اسے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا ۔،،

''گرفتار کر لیا گیا ۔ بڑا اچھا ہوا ۔ پھر کیا ہوا؟'' سالومیگا نے بڑی دلچسپی دکھاتے ہوئے اپنی تپائی اور قریب کھینچ لی ۔

''ہوتا کیا ۔ وہ اسٹیشن کمانڈانٹ اوسیل‌چینکو بدھو تو ہے ہی، اس نے ایک کزاک کی نگرانی میں قیدی کو یہاں بھجوا دیا ۔ راستے میں اس لونڈے نے جو اب یہاں بند ہے اس قیدی کو دن دھاڑے اس سپاہی سے چھڑا لیا ۔ اس کزاک کے ہتھیار چھین لئے گئے اور دانت توڑ دئے گئے، اور قیدی نو دو گیارہ ہو گیا ۔ ژوخرائی تو نکل گیا لیکن یہ چھوکرا ہم لوگوں کے ہاتھ آ گیا ۔ ساری داستان میں نے اس کاغذ پر لکھ دی ہے، لو پڑھ لو،، یہ کہہ کر اس نے لکھے ہوئے کاغذوں کی ایک گڈی سالومیگا کی طرف بڑھا دی ۔

سالومیگا سرسری طریقے سے رپورٹ پڑھ رہا تھا اور بیچ بیچ میں وہ اپنے بائیں ہاتھ سے ورق الٹتا جاتا تھا ۔ رپورٹ ختم کرکے اس نے کمانڈانٹ کی طرف دیکھا ۔

''تو اس سے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے؟،،

کمانڈانٹ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی ٹوپی کا چھجا آگے کو سرکا لیا ۔

''پچھلے پانچ دنوں سے میں اس کے پیچھے پڑا ہوں ۔ لیکن وہ صرف یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ

اسے اس جرم میں لاکر یہاں بند کر دیا گیا تھا کہ اس نے ایک گھڑی اور کچھ زیورات چرائے تھے۔ تیسرا شخص تھا پاویل کورچاگن جو نیم بیہوشی کی حالت میں اپنی سلگجی ٹوپی پر سر رکھے کھڑکی کے نیچے ایک کونے میں لیٹا ہوا تھا۔

ایک نوجوان عورت، جس کے سر پر ایک رنگین رومال بندھا ہوا تھا اور جس کی آنکھیں دھشت کے مارے پھٹی ھوئی تھیں، اس گودام میں لائی گئی۔ ایک آدھ لمحے تک تو وہ کھڑی رھی۔ پھر سموگون بیچنے والی اس عورت کے پاس بیٹھ گئی۔

''اے چھوکری، تو بھی پکڑی گئی،، اس عورت نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس نووارد کا جائزہ لیتے ھوئے تیزی سے کہا۔

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ لیکن سموگون بیچنے والی وہ عورت بھلا کب ھار ماننے والی تھی۔

''اے تجھے کیوں پکڑا ھے؟ خدا نخواستہ سموگون کے سلسلے میں تو نہیں پکڑی گئی ھے؟،،

وہ کسان لڑکی اٹھ کھڑی ھوئی اور اس خبیث عورت کی طرف دیکھنے لگی جو مستقل اس کا بھیجا کھائے جا رھی تھی۔

''نہیں، ان لوگوں نے مجھے میرے بھائی کی وجہ سے پکڑا ھے،، اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

''کون ھے تمہارا بھائی؟،، وہ بڑھیا اس کے پیچھے پڑی رھی۔

اتنے میں بوڑھا بول اٹھا:

''ارے اسے چین کیوں نہیں لینے دیتی؟ اسے

''ہا ہا ہا... بہت زیادہ نہ پھولو، پادری کے بیٹے، نہیں تو پھٹ جاؤگے۔ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے معاملات۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہاں سموگون* کی دو بوتلوں کا بھی کچھ انتظام ہو سکتا ہے؟''

کمانڈانٹ کھسیانی سی ہنسی ہنسا اور بولا:

''انتظام ہو تو سکتا ہے۔''

''جہاں تک اس کا تعلق ہے'' سالوسیگا کاغذوں کی گڈی پر کئی بار انگلی مارکر کہا۔ ''اگر تم سچ مچ اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہو تو اس کی عمر سولہ کی بجائے اٹھارہ کر دو۔ بس چھہ کا ہندسہ اوپر سے گول کر دو۔ ورنہ ممکن ہے وہ لوگ اسے منظور نہ کریں۔''

اس گودام میں تین شخص تھے۔ ایک ڈاڑھی والا بوڑھا اپنا پھٹا ہوا کوٹ پہنے کروٹ کے بل تختے پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی تکلی جیسی پتلی ٹانگوں پر، جنہیں اس نے سکیڑ رکھا تھا، لنن کی ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون تھی۔ وہ اس جرم میں گرفتار کیا گیا تھا کہ پیتنورا فوج کے جس سپاہی کو اس کے گھر پر ٹھہرایا گیا تھا اس کا گھوڑا اس کے سائبان سے چوری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھیڑ عمر کی نوکیلی ٹھوڑی والی ایک عورت جس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں عیاری سے پر تھیں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سموگون بیچ کر اپنا پیٹ پالتی تھی۔

---

* خانہ ساز شراب۔ (ایڈیٹر)

سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔ اور سب اپنے ہی پیٹ میں ٹھونس لینے کی بجائے تھوڑا سا اس لڑکے کو دے دوگی تو کیا ہرج ہو جائے گا۔''

عورت نے غصے سے اسے دیکھا۔

''میں نے تو دینے کی کوشش کی تھی لیکن وہ انکار کرتا ہے۔ اور تم تو اپنا منھ کیوں نہیں بند رکھتے۔ میں تمہارا کھانا تو کھا نہیں رہی ہوں۔''

وہ لڑکی سموگون بیچنے والی اس عورت کی طرف مڑی اور کورچاگن کی طرف اشارہ کرکے اس نے اس سے پوچھا:

''بھلا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اسے یہاں کیوں لاکر بند کر دیا گیا ہے؟''

اس بات پر کہ اس سے بھی کچھ پوچھا گیا ہے وہ عورت کھل اٹھی اور اس نے فوراً جواب دیا:

''یہ یہیں اسی شہر کا لڑکا ہے۔ کورچاگن کا چھوٹا بیٹا ہے۔ اس کی ماں کھانا پکانے کا کام کرتی ہے۔''

پھر لڑکی کے کان کے قریب منھ لاکر اس نے چپکے سے اس کے کان میں کہا:

''اس نے ایک بالشویک کو رہا کرا دیا تھا۔ یہیں ایک ملاح تھا، ہمارے پڑوس میں زوزولیخا کے یہاں رہا کرتا تھا۔''

اس لڑکی کو وہ الفاظ یاد آئے جو دفتر میں اتفاق سے اس نے سن لئے تھے: ''میں یہ رپورٹ

ایسے ھی کیا کم پریشانی ھوگی کہ تو اور بک بک کے اس کا بھیجا کھائے جا رھی ھے۔،،

وہ عورت فوراً تختے کی طرف مڑی اور چمک کر بولی :

''تم کون ھوتے ھو مجھے نصیحت کرنے والے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ میں تم سے تو بات نہیں کر رھی ھوں۔،،

بوڑھے نے زور سے فرش پر تھوکا۔

''میں کہے دیتا ھوں اسے پریشان مت کرو۔،،

ایک بار پھر گودام میں خاموشی چھا گئی۔ وہ کسان لڑکی ایک بڑی سی شال بچھا کر اپنے بازو کا تکیہ لگا کر لیٹ گئی۔

سموگون بیچنے والی عورت نے کھانا شروع کیا۔ بوڑھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے پاؤں تختے سے نیچے لٹکا کر فرش پر ٹکا دئے۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے لپیٹ کر سگریٹ تیار کی اور اسے سلگا کر پینے لگا۔ کمرے میں چاروں طرف کڑوے دھوئیں کے بادل چھا گئے۔

''ایسی بدبو میں آدمی چین سے کھا بھی تو نہیں سکتا،، بڑھیا بڑبڑائی۔ لیکن اس کے جبڑے حسب دستور تیزی سے چل رھے تھے۔ ''سگریٹ پی پی کے تم نے کمرے میں دھواں ھی دھواں کر دیا ھے۔،،

بوڑھے نے تضحیک کے انداز میں جواب دیا :

''کیوں کیا تمہیں اپنے دبلے ھو جانے ک خطرہ ھے؟ ویسے ھی کچھ دنوں میں تمہارا دروازے

ڈویژن کی آخری ٹکڑی جو بہت پیچھے رہ گئی تھی، کافی دیر بعد شاھراہ پر دھیرے دھیرے آتی ھوئی دیکھی گئی - اس جلوس میں سب سے پیچھے ھیڈکوارٹر کی کمپنی بڑی چستی کے ساتھ قدم ملاکر مارچ کرتی ھوئی چلی آ رھی تھی اور ایک سو بیس گلے سر میں سر ملاکر چلا رھے تھے:

یہ شوروغل کیسا
یہ دھوم دھام کیوں
یہ پیتلورا اور اسکی فوج ھے
اس میں شک ھی کیا ھے...

پاویل کورچاگن کھڑکی سے باھر جھانکنے کےلئے اٹھ کھڑا ھوا - شفق شام کے دھندلکے میں اسے سڑک پر پہیوں کی گڑگڑاھٹ، متعدد قدموں کی دھمک اور گانا گاتی ھوئی سینکڑوں آوازوں کی گونج سنائی دے رھی تھی -

اس کے پیچھے سے نرم آواز میں کسی نے کہا:

"شہر میں فوج آئی ھوئی ھے -"

کورچاگن نے مڑکر دیکھا -

یہ آواز اسی لڑکی کی تھی جو وھاں ایک روز پہلے لائی گئی تھی -

پاویل اس کی ساری داستان پہلے ھی سن چکا تھا - سموگون بیچنےوالی عورت نے کھود کھود کر اس لڑکی سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا - وہ اس شہر سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رھتی تھی - اس کا بڑا بھائی گریتسکو جو

ہیڈکوارٹر بھیجے دے رہا ہوں اور میں نے ان لوگوں سے اجازت مانگی ہے کہ اس چھوکرے کا کام تمام کروا دیا جائے۔،،

ایک کے بعد ایک سپاہیوں سے لدی ہوئی متعدد گاڑیاں اسٹیشن پر آتی جا رہی تھیں۔ اور باقاعدہ سپاہیوں کی بٹالینیں بھیڑوں کی طرح بھد بھد کرکے پلیٹ فارم پر اتر رہی تھیں۔ ''زاپوروژیتس،، نام کی بکتربند گاڑی ایک بغلی ریلوے لائن پر دھیرے دھیرے رینگ رہی تھی۔ کھلے ہوئے ڈبوں پر سے توپیں اتاری گئیں اور جنگلےدار بند ڈبوں میں سے گھوڑے باہر لائے گئے۔ وہیں گھوڑوں پر زینیں کس دی گئیں اور گھوڑسوار سپاہی پیدل سپاہیوں کے بےپناہ انبوہ کو چیرتے ہوئے اسٹیشن کے باہروالے میدان میں پہنچ گئے جہاں گھوڑسواروں کا دستہ صف‌بستہ ہو رہا تھا۔

فوجی افسر اپنے اپنے دستوں کے نمبر پکارتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

اسٹیشن شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ انسانوں کے اس شوروغوغا کرتے اور ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ہوئے غیرمنظم مجمع کو ٹھونک پیٹ کر رفتہ رفتہ باترتیب مربعوں کی شکل میں الگ الگ پلٹنوں میں کھڑا کر دیا گیا۔ اور تھوڑی ہی دیر کے اندر فوجی سپاہیوں کا ایک سیلاب شہر میں امنڈ پڑا۔ شام کو بڑی دیر تک گاڑیوں کی چرچراہٹ، گڑگڑاہٹ سنائی دیتی رہی اور رائفل

اس کے جسم میں شدید درد ہو رہا تھا کیوں کہ اس سپاہی نے جس سے اس نے قیدی کو چھڑایا تھا، اسے بڑی وحشیانہ بےرحمی کے ساتھ پیٹا تھا۔

اس کے ذہن میں جو قابل نفرت خیال جمع ہوتے جا رہے تھے ان سے چھٹکارا پانے کےلئے وہ ان دونوں عورتوں کی کھسر پھسر سننے لگا۔

بہت ھی دھیمی آواز میں جسے آسانی سے سنا بھی نہ جا سکتا تھا وہ لڑکی اس عورت کو بتا رہی تھی کہ کمانڈانٹ نے اسے کتنی بری طرح ستایا تھا۔ وہ کبھی اسے دھمکاتا اور کبھی اس کی منت کرتا تھا۔ لیکن جب اس نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تب وہ غصہ ھوکر اس پر برس پڑا تھا۔ اس نے کہا تھا: ”میں تمہیں ایک کوٹھری میں بند کر دوں گا جہاں تم مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔“

اس کوٹھری کے کونے کونے میں اندھیرا چوروں کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کے سامنے ایک اور رات منھ پھاڑے کھڑی تھی — گھٹن اور بےچینی کی رات۔ قید میں پاویل کی یہ ساتویں رات تھی لیکن اسے ایسا معلوم ھوتا تھا جیسے وھاں مہینوں گذر گئے ھوں۔ کوٹھری کا فرش بہت سخت تھا اور درد سے اس کا تمام جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اب اس گودام میں وہ صرف تین ھی رہ گئے تھے۔ سموگون بیچنےوالی عورت کو خورونژی نے وادکا مہیا کرنے کےلئے رہا کر دیا تھا۔ بوڑھا تختے پر لیٹے خراٹے بھر رہا تھا جیسے اپنے گھر

اب ایک سرخ چھاپہ‌مار تھا، سوویتوں کے اقتدار کے زمانے میں غریب کسانوں کی کمیٹی کا صدر تھا۔

جب سرخ فوجیں وہاں سے جانے لگیں تو گریتسکو بھی اپنی کمر میں مشین گن کی ایک پیٹی باندھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ اب اس کے گھروالوں کو مسلسل ستایا جا رہا تھا۔ ان کے پاس جو صرف ایک گھوڑا تھا وہ بھی ان سے چھین لیا گیا تھا۔ اس کے باپ کو کچھ دنوں کےلئے قید بھی کر لیا گیا تھا۔ اور جیل میں اسے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ گاؤں کا مکھیا، جو ان لوگوں میں سے تھا جنہیں گریتسکو نے اچھی طرح سزا چکھایا تھا، اب محض ان لوگوں کو پریشان کرنے کےلئے ہمیشہ کسی نہ کسی اجنبی کو ان کے گھر پر ٹھہرا دیتا تھا۔ وہ کنبہ بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ اور ایک دن قبل جب کمانڈانٹ کسی تلاشی کے سلسلے میں اس گاؤں میں گیا ہوا تھا، تو مکھیا انہیں ساتھ لےکر اس لڑکی کے ہاں پہنچا۔ وہ لڑکی کمانڈانٹ کو پسند آ گئی تھی اور دوسرے ہی دن صبح وہ اس کو کچھ ''پوچھ گچھ کرنے کےلئے،، شہر لے آیا تھا۔

کورچاگن کو بالکل نیند نہیں آ رہی تھی۔ لاکھ کوشش کرنے پر بھی اسے ایک لمحہ کےلئے سکون میسر نہیں تھا۔ اور ایک ہی خیال مسلسل اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا اور وہ کسی طرح اس خیال سے نجات نہیں حاصل کر پا رہا تھا اور وہ خیال یہ تھا کہ ''اب کیا ہوگا؟،،

جھگڑا پاک ہو سکتا ھے۔،، تب وہ خوف سے کانپ گیا تھا۔ سچ سچ، سولہ سال کی عمر میں مر جانے کا تصور بہت ہی ہولناک تھا۔ موت کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ جائے گا۔

خرستینا بھی کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ اس نوعمر لڑکے سے زیادہ جانتی تھی۔ شائد وہ خود بھی ابھی تک اپنے انجام سے آگاہ نہیں تھا... لیکن وہ تو دفتر میں سب کچھ سن چکی تھی۔

وہ رات بھر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ خرستینا کو اس پر بڑا ترس آتا تھا۔ اور اس کا دل پاویل کے لئے رحم کے جذبے سے لبریز تھا۔ حالانکہ خود اپنے انجام کی دہشت اس کے دل پر ایک سوجھ بنی ہوئی تھی۔ لاکھ کوشش کرنے پر بھی اس کے لئے کمانڈانٹ کے دھمکی بھرے الفاظ کو فراموش کر دینا ناممکن تھا: ''میں کل ھی تم سے نمٹ کرلوں گا۔ اگر تم مجھ سے راضی نہ ہوئیں تو میں تمہیں حوالات بھیج دوں گا۔ وہاں کزاک تمہیں نہیں بخشیں گے۔ اس لئے تم خود فیصلہ کر لو کہ ان دونوں باتوں میں سے تمہیں کیا پسند ھے۔،،

اف! وہ کس مشکل میں پھنس گئی تھی۔ اور اسے کہیں سے رحم کی امید نہیں تھی۔ اگر گریتسکو جا کر سرخ فوجوں میں مل گیا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا؟ زندگی بھی کتنی بے رحم ھے!

ایک دھیمے دھیمے درد سے اس کا گلا گھٹنے سا لگا اور ایک خوف مجبور اور بے بس مایوسی

میں انگیٹھی کے پاس آرام سے سو رہا ہو۔ وہ بوڑھا اپنی مصیبت کو انتہائی ضبط کے ساتھ، راحت و غم کے احساس سے بےنیاز ہوکر، برداشت کر رہا تھا۔ اور وہ رات بھر غفلت کی نیند سوتا تھا۔ خرستینا اور پاویل فرش پر تقریباً پہلو به پہلو لیٹے ہوئے تھے۔ کل پاویل نے کھڑکی میں سے سرگئی کو دیکھا تھا۔ وہ بڑی دیر تک باھر سڑک پر کھڑا، بڑی افسردگی کے ساتھ اس مکان کی کھڑکیوں کو تکتا رہا تھا۔

''شائد اسے معلوم ھے که میں یہاں ہوں،، پاویل کو خیال ہوا تھا۔

پچھلے تین دنوں سے متواتر کوئی شخص اس کےلئے کھٹی کالی روٹی لاکر دے جاتا تھا۔ لیکن سنتریوں نے اسے یه نه بتایا که کون لایا تھا۔ اور پچھلے دو دنوں سے کمانڈانٹ نے اس سے سوال نہیں کئے تھے۔ آخر اس کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

سوالات کے دوران میں اس نے کسی بھی بات کا اقرار نہیں کیا تھا بلکه الٹے ہر بات سے انکار ھی کیا تھا۔ وہ خاموش کیوں رہا تھا یه تو وہ خود بھی نه جانتا تھا۔ وہ مضبوط، بہادر اور باھمت بننا چاھتا تھا۔ ان لوگوں کی طرح جن کے بارے میں اس نے کتابوں میں پڑھا تھا۔ لیکن پھر بھی اس رات کو جب اسے جیل خانے لے جایا جا رہا تھا اور اس پر پہرا رکھنےوالے سپاھیوں میں سے ایک نے کہا تھا: ''حضور خورونژی، اسے اس طرح ساتھ گھسیٹے پھرنے سے کیا فائدہ۔ ایک گولی میں سارا

للکارنے کی آواز آتی تھی: ''کون جا رہا ہے؟،،
اور پھر چاروں طرف وہی خاموشی چھا جاتی تھی۔ بوڑھا گہری نیند میں سویا ہوا تھا۔ وقت کا لامتناہی سلسلہ بہت دھیرے دھیرے رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد انتہائی حیرت کے ساتھ پاویل نے محسوس کیا کہ اس لڑکی نے اپنی بانہوں میں اسے بھینچ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

''سنو،، اسکے گرم ہونٹ اس کے کان میں کہہ رہے تھے۔ ''میرے بچنے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر افسر نہیں ہوگا تو وہ دوسرے لوگ ہونگے۔ آج کی رات تم مجھے اپنا لو، میری جان! تاکہ میں اس کتے کو کنواری نہ ملوں۔،،

''کیا کہہ رہی ہو تم، خرستینا؟،،

لیکن اس کی مضبوط بانہوں نے اس کو نہ چھوڑا۔ اس کے گداز دھکتے ہوئے ہونٹ پاویل کے ہونٹوں کو دبانے لگے۔ ان سے چھٹکارا پانا مشکل تھا۔ لڑکی کے الفاظ میں سادگی اور محبت بھری ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے۔

اس کے بعد وہ اپنے آس پاس کی ہر چیز سے بےخبر ہو گیا — دروازے پر لگا ہوا تالا، سرخ بالوں والا کزاک، کمانڈانٹ، بے رحمانہ پٹائی، آنکھوں آنکھوں میں بسر کی ہوئی وہ سات گھٹی ہوئی راتیں۔ وہ ان تمام باتوں کو بھول گیا اور ایک لمحہ کے لئے اس کے نزدیک صرف ان دھکتے

کے کرب کی وجہ سے اس کا تمام جسم گھٹی ہوئی خاموش سسکیوں سے کانپ اٹھا۔

دیوار کے قریب کونے میں ایک سایہ ہلتا ہوا نظر آیا۔

"تم کیوں رو رہی ہو؟"

امنڈتے ہوئے جذبات کے طوفان میں خرستینا نے اپنا سارا دکھ درد اس تاریک کوٹھری کے اپنے خاموش رفیق کو چپکے چپکے سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔ وہ کچھ بھی نہ بولا۔ صرف اس نے اپنے ہاتھ بڑی نرمی سے اس کے ہاتھوں پر رکھ دئے۔

"خدا غارت کرے انہیں، وہ مجھے ایذا پہنچا پہنچا کر مار ڈالیں گے" اس نے اپنے آنسو پی کر دہشت کے عالم میں دبی آواز میں کہا۔ "اب مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

پاویل اس لڑکی سے کہتا بھی تو کیا کہتا؟ کہنے کو تھا ہی کیا۔ زندگی ان دونوں کو ایک آہنی شکنجے میں جکڑ کر پیسے ڈال رہی تھی۔

کل جب وہ خرستینا کو لینے آئیں تو اسے شائد ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے؟ لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ لوگ مارتے مارتے اس کا دم نکال دیں گے یا تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیں گے۔ کسی طرح اس مصیبت زدہ لڑکی کو تسلی دینے کے خیال سے وہ اس کے ہاتھوں کو بڑی محبت کے ساتھ تھپکنے لگا۔ سسکیاں تھم گئیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری کی ادھر سے گذرنے والوں کو

الوداع کہنے کےلئے پاویل کی آنکھوں کی متلاشی تھیں ۔ ان میں الزام کی جھلک تھی ۔ اور جب خرستینا کے چلے جانے کے بعد دروازہ بند ہو گیا تو پاویل کی روح پہلے سے بھی زیادہ ویران اور سونی ہو گئی ۔

تمام دن کوشش کرنے پر بھی بابا پاویل سے ایک حرف نہ بلوا سکے ۔ سنتری اور کمانڈانٹ کی گارد تبدیل ہو گئی ۔ شام کے قریب اس کوٹھری میں ایک نیا قیدی لایا گیا ۔ پاویل نے اسے پہچان لیا : وہ دولینیک تھا جو شکر صاف کرنے کے کارخانے میں بڑھئی کا کام کرتا تھا ۔ وہ گٹھے ہوئے جسم کا ناٹا سا آدمی تھا ۔ اور وہ ایک پھٹے ہوئے کوٹ کے نیچے جو بالکل تارتار ہو گیا تھا پیلے رنگ کی ایک قمیص پہنے ہوئے تھا جس کا رنگ جابجا اڑ گیا تھا ۔ اس نے اپنی تیز نگاہوں سے پورے گودام کا جائزہ لیا ۔

فروری ۱۹۱۷ء میں جب انقلاب کی لہر اسکے شہر تک پہنچی تھی تو اس وقت پاویل نے اسے دیکھا تھا ۔ اس زمانے کے ھنگامہ‌خیز مظاھروں کے دوران میں پاویل نے صرف ایک بالشویک کی تقریر سنی تھی اور وہ بالشویک تھا دولینیک ۔ اس نے سڑک کے کنارے کے ایک مکان کی چہاردیواری پر چڑھ کر فوجیوں کے سامنے تقریر کی تھی ۔ پاویل کو اس کی تقریر کے آخری الفاظ ابھی تک یاد تھے :

''جوانو ، بالشویکوں کا ساتھ دو ۔ وہ تمہارے ساتھ کبھی غداری نہیں کریں گے !''

ہوئے ہونٹوں اور آنسوؤں سے تر چہرے کا وجود باقی رہ گیا۔

دفعتاً اسے تونیا کی یاد آئی۔

وہ اسے کیسے بھول سکتا تھا؟.. اس کی وہ پیاری پیاری دلفریب آنکھیں!

اپنی پوری طاقت مجتمع کرکے وہ خرستینا کی آغوش سے نکل آیا۔ وہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور جا کر جنگلہ پکڑکے کھڑا ہو گیا۔ خرستینا کے ہاتھوں نے اسے پھر تلاش کر لیا۔

''کیوں، کیا بات ہے؟''

اس ایک سوال میں خرستینا کے تمام جذبات پنہاں تھے۔ پاویل اس کی طرف جھکا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر بولا:

''نہیں، خرستینا، یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ تم کتنی... اچھی ہو۔'' اسے خود بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ اس نے لڑکی سے اور کیا کیا کہا۔

اس ناقابل برداشت سکوت کو توڑنے کے لئے وہ پھر سیدھا تن کر کھڑا ہو گیا اور لکڑی کے تختے کی طرف چلا گیا۔ تختے کی کگر پر بیٹھ کر اس نے بوڑھے کو جگایا۔

''بابا، مجھے ایک سگریٹ تو پلاؤ، بڑی مہربانی ہوگی۔''

لڑکی اپنی شال میں لپٹی ہوئی کونے میں بیٹھی رو رہی تھی۔

دوسرے دن کمانڈانٹ کچھ کزاکوں کو ساتھ لے کر آیا اور خرستینا کو لے گیا۔ اس کی آنکھیں

جس پر جو جی چاھتا ھے وہ الزام ٹھونک دیا جاتا ھے۔،،

دولینیک مسکراتا ھوا کھسک کر اور قریب آ گیا۔

،،گھبراؤ نہیں، میرے دوست، تمہیں مجھ سے محتاط رھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم سے زیادہ جانتا ھوں۔،،

اس خیال سے کہ اس کی باتیں بوڑھے کے کان میں نہ پڑ جائیں وہ بہت دھیمی آواز سے بولتا رھا:

،،یہاں سے ژوخرائی کو میں نے ھی رخصت کیا تھا، وہ شائد اب اپنی منزل تک پہنچ بھی گیا ھوگا۔ فیودور نے بڑی تفصیل کے ساتھ مجھے پورا واقعہ بتایا تھا۔،،

ایک لمحہ تک خاموشی سے سوچنے کے بعد دولینیک نے پھر کہا:

،،دوست، تم ھو بہت ھی جیوٹ کے آدمی۔ حالانکہ یہ برا ھوا بلکہ کہنا چاھئے کہ بہت ھی برا ھوا کہ انہوں نے تمہیں پکڑ لیا ھے اور انہیں تمام باتوں کا علم ھو گیا ھے۔،،

دولینیک نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے فرش پر بچھا کر وہ دیوار کا سہارا لگا کر اس پر بیٹھ گیا اور ایک دوسری سگریٹ تیار کرنے لگا۔

دولینیک کے آخری فقرے سے پاویل پر حقیقت پوری طرح واضح ھو گئی۔ اب اس میں کسی قسم کا شبہہ نہیں رہ گیا تھا کہ دولینیک غلط قسم کا

اس کے بعد سے اس نے اس بڑھئی کو نہیں دیکھا تھا۔

بوڑھے کو اس کوٹھری میں ایک نیا ساتھی مل جانے کی بہت خوشی تھی کیونکہ یہ ظاہر تھا کہ اس کے لئے دن بھر خاموش بیٹھے رہنا بہت دشوار تھا۔ دولینیک تختے کی کگر پر بوڑھے کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ایک سگریٹ پی اور ہر چیز کے بارے میں اس سے متعدد سوال کئے۔

اس کے بعد وہ نووارد کورچاگن کے پاس چلا گیا۔

"کہو میرے نوجوان دوست، کیا حال ہے؟" اس نے پاویل سے پوچھا۔ "اور تم یہاں کس جرم میں لائے گئے ہو؟"

پاویل اس کے سوالوں کا جواب 'ہاں' — 'نا' میں دیتا رہا۔ دولینیک سمجھ گیا کہ وہ نوعمر لڑکا شبہہ کی وجہ سے اتنے اختصار کے ساتھ اس کے سوال کا جواب دے رہا ہے۔ جب اس بڑھئی کو معلوم ہوا کہ پاویل کے خلاف کیا الزام لگایا گیا ہے تو اس کی ذہین آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ جا کر اس لڑکے کے پاس بیٹھ گیا۔

"اچھا تو تم کہتے ہو کہ تمہیں نے ژوخرائی کو چھڑایا تھا؟ یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ انہوں نے تمہیں دھر لیا ہے۔"

پاویل تعجب سے چونک کر اپنی کہنیوں کے بل بیٹھ گیا۔

"میں کسی ژوخرائی کو نہیں جانتا۔ یہاں

تھا۔ ''میں نے کہا کہ اگر ان کا جی چاہے تو وہ ایسا کر سکتے ھیں۔ لیکن کیا شہر کے باقی یہودی بھی ان کا ساتھ دیں گے؟ نہیں، وہ کبھی ان کا ساتھ نہیں دیں گے، میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ھوں۔ درحقیقت انہیں تو اپنا الو سیدھا کرنا ھے۔ فوکس کی دکان ھے اور ٹریختنبرگ کی بھی آٹے کی چکی چلتی ھے۔ لیکن میرے پاس کیا ھے؟ ھم جیسے بھوکے مرنےوالے لوگوں کے پاس کیا ھے؟ کچھ بھی نہیں، لوگ کنگال ھیں، بالکل کنگال۔ خیر میری زبان تو کم‌بخت بہت چلتی ھی ھے۔ آج جب میں ایک افسر کی ڈاڑھی بنا رھا تھا، ابھی جو حال میں یہاں آئے ھیں انہیں میں سے کوئی تھا۔ میں نے صرف اتنا کہا: ''آپ کا کیا خیال ھے، کیا اتامان پیتلورا کو یہودیوں پر ڈھائے جانےوالے ان مظالم کا علم نہیں ھے؟ وہ ھم لوگوں کے وفد سے ملاقات کریں گے یا نہیں؟'' اوہ! اپنی اس کم بخت زبان کی وجہ سے کتنی بار مصیبت میں پھنس چکا ھوں۔ جب میں اس کی ڈاڑھی بنا چکا اور اس کے چہرے پر پاؤڈر لگا چکا، اور یہ سب میں نے کیا بھی بڑے اسٹائل کے ساتھ، تو تم جانتے ھو اس افسر نے کیا کیا؟ وہ اٹھا اور مجھے پیسے دینے کی بجائے حاکموں کے خلاف بغاوت پھیلانے کے جرم میں گرفتار کر لیا۔''

زیلتسر نے اپنے سینے پر گھونسہ مار کر کہا:

''میں پوچھتا ھوں اس میں بغاوت کی کیا بات تھی؟ آخر میں نے ایسی کیا بات کہی تھی؟

آدمی نہیں تھا - اس نے ژوخرائی کو رخصت کیا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ...

اسی دن شام کو پاویل کو یہ معلوم ہوا کہ دولینیک کو پیتلورا فوج کے کزاکوں کو بھڑکانے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا - اس وقت وہ صوبائی انقلابی کمیٹی کی جاری کردہ ایک اپیل تقسیم کر رہا تھا جس میں سپاہیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور جا کر سرخ فوج میں شریک ہو جائیں -

دولینیک اس بارے میں بہت محتاط تھا کہ کہیں وہ پاویل کو بہت زیادہ باتیں نہ بتا دے -

''کون جانے،، اس نے اپنے دل میں سوچا - ''ممکن ہے وہ ڈنڈے سے اس لڑکے کی مرمت کریں - یہ ابھی بہت کم عمر ہے -،،

بہت رات گئے جب وہ لوگ سونے کے لئے لیٹ رہے تھے تب اس نے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے صرف اتنا کہا:

''لیکن کورچاگن، معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ بہت برے پھنس گئے ہیں - دیکھیں اب اس کا کیا انجام ہوتا ہے -،،

دوسرے دن وہاں ایک نیا قیدی لایا گیا، لمبے لمبے کانوں اور پتلی سی گردن والا حجام شلیوما زیلتسر جسے شہر کے تمام لوگ جانتے تھے -

''فوکس، بلوفشٹائن اور ٹریختنبرگ نمک اور روٹی لے کر اس کا استقبال کریں گے،، وہ بڑے جوش کے ساتھ ہاتھ ہلا ہلا کر دولینیک کو بتا رہا

لوگوں کو اس کے باہر سے تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔

وہ عورت ایک تختے کی کگر پر بیٹھ ہی رہی تھی کہ بوڑھے نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا:

''اچھا تو تو پھر ہمارے پاس لوٹ آئی۔ کیوں بکی بڑھیا؟ بیٹھو بیٹھو، آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

سموگون بیچنےوالی عورت نے بوڑھے پر ایک تیر جیسی خفگی کی نظر ڈالی اور اپنی گٹھڑی اٹھا کر وہ دولینیک کے قریب فرش پر اتر کر بیٹھ گئی۔

معلوم یہ ہوا کہ اسے صرف اتنے عرصے تک کےلئے چھوڑا گیا تھا کہ وہ اپنے صیادوں کےلئے سموگون کی کچھ بوتلیں مہیا کردے۔

یک بیک پاس‌والے گارد روم سے چیخ پکار کی آواز اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹ سنائی دی، کوئی شخص کتوں کی طرح بھونک کر حکم دے رہا تھا۔ قیدی اپنی باتیں بند کرکے غور سے سننے لگے۔

قدیم گھنٹہ‌گھر والے بدنما گرجا گھر کے سامنےوالے میدان میں عجیب و غریب واقعات ہو رہے تھے۔ اس چوک میں تین طرف صف‌بستہ فوجوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔ باقاعدہ پیدل سپاہیوں کی ڈویژن کے دستے تمام جنگی لوازمات سے لیس وہاں پر جمع تھے۔

گرجا گھر کے صدر پھاٹک کی طرف رخ کئے سامنے کی طرف پیدل سپاہیوں کی تین رجمنٹیں شطرنج کی بساط کے چارخانوں کے انداز میں کھڑی تھیں۔

میں نے تو صرف اس سے پوچھا تھا... اتنی سی بات پر مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا...،،

بات کرنے کے جوش میں اس نے دولینیک کی قمیص کا ایک بٹن پکڑ کر اینٹھ دیا اور کئی بار اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر جھٹکا۔

شلیوما کی باتیں سن کر، جو غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا، دولینیک بےساختہ مسکرانے لگا۔ جب حجام اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

''لیکن شلیوما، ایک بات ہے۔ تمہارے جیسے ہوشیار آدمی کو ایسی حماقت کرنا زیب نہیں دیتا۔ تم نے اپنی زبان کو ایک غلط موقع پر چھوٹ دے دی۔ میں تو کبھی بھی تم کو یہ مشورہ نہ دیتا کہ تم آکر یہاں پھنس جاؤ۔،،

زیلتسر نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے اپنا سر ہلایا اور اپنے دونوں ہاتھ بےبسی کے انداز میں پھیلا دئیے۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور سموگون بیچنے والی عورت کو اندر دھکیل دیا گیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اس کزاک کو جو اسے وہاں لایا تھا بری بری گالیاں اور کوسنے دینے لگی:

''تمہیں اور تمہارے کمانڈانٹ کو تو نمک مرچ لگا کر دھیمی آنچ پر بھونا جائے! خدا کرے وہ میری شراب پی کر چرسرا کر رہ جائے اور اس کا دم نکل جائے!،،

سنتری نے دھڑ سے دروازہ بند کر لیا اور ان

چوک میں بالکل پیچھے کی طرف دور ایک کونے میں جہاں ان کے دیکھے جانے کا سب سے کم امکان تھا نئے رنگروٹوں کی ایک رجمنٹ کھڑی تھی۔ اس رجمنٹ میں طرح طرح کے بھدے غیرفوجی لباس پہنے ہوئے نوجوان تھے جن کے پاؤں میں جوتے تک نہ تھے۔ یہ سب کسانوں کے لڑکے تھے جنہیں بھرتی کرنےوالے گروہ آدھی رات کے وقت سوتے سے اٹھاکر لائے تھے اور کچھ سڑکوں پر پھرتے ہوئے پکڑ لئے گئے تھے اور ان میں سے کسی کا بھی لڑائی میں حصہ لینے کا قطعی کوئی ارادہ نہ تھا۔

"ہمیں کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے"، وہ آپس میں کہتے تھے۔

پیتلورا کے افسر حد سے حد یہی تو کر سکتے تھے کہ وہ ان رنگروٹوں کو سنتریوں کی نگرانی میں شہر لاکر انہیں کمپنیوں اور بٹالینوں میں تقسیم کر دیں اور انہیں ہتھیار دے دیں۔ لیکن اس طرح جانوروں کے گلے کی طرح لائے ہوئے رنگروٹوں میں سے تقریباً ایک تہائی تو بھرتی کے دوسرے ہی دن غائب ہو جاتے تھے، اور جیسے جیسے دن گذرتے جاتے تھے ان کی تعداد اور بھی کم ہوتی جاتی تھی۔

انہیں بوٹ تقسیم کرنا تو انتہائی حماقت کی بات ہوتی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ بوٹوں کا ذخیرہ یوں ہی بہت کم تھا۔ پھر بھی یہ حکم جاری کیا گیا کہ ہر شخص جوتے پہن کر جبری فوجی بھرتی کےلئے حاضر ہو۔ نتیجہ

ان کی صفیں اسکول کی چاردیواری تک پھیلی ہوئی تھیں -

پیتلورا فوج کے سپاھیوں کا یہ مٹیالے رنگ کا، گندا سا ڈھیر، جس کے سپاھی اپنی رائفلیں زمین پر ٹکائے، اپنے سروں پر بیچ میں سے کٹے ہوئے کدوؤں کی شکل کے بے‌تکے سے روسی خود پہنے اور کارتوس کی وزنی پیٹیوں کے بوجھ سے دبے کھڑے تھے، ''صدر کمان،، کی بہترین ڈویژن سمجھا جاتا تھا -

زار کی پرانی فوج کے گوداموں کی حاصل کی ہوئی وردیوں اور فوجی بوٹوں سے پوری طرح لیس یہ ڈویژن اس فوجی اهمیت رکھنےوالے ریلوے جنکشن کی حفاظت کے لئے یہاں بھیجی گئی تھی - اس کے بیشتر سپاھی کولاک تھے جو پورے شعور کے ساتھ سوویتوں کی مخالفت کر رہے تھے -

شپیتوفکا سے پانچ مختلف سمتوں میں ریل کی پٹریوں کی چمک‌دار آهنی پٹیاں بچھی ہوئی تھیں اور اگر پیتلورا کے هاتھ سے یہ اسٹیشن نکل جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کا بیڑا بالکل هی غرق ہو گیا - یوں بھی ''صدر کمان،، کے قبضے میں بہت هی تھوڑا سا علاقہ رہ‌گیا تھا اور پیتلورا کا دارالسلطنت آجکل وینیتسا کا چھوٹا سا قصبہ بنا ہوا تھا -

''اتامان اعلی،، نے خود فوجوں کا معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس لئے ان کی تشریف‌آوری کے انتظار میں هر چیز کیل کانٹے سے درست کردی گئی تھی -

پیتلورا کا استقبال بہت ھی شاندار انداز سے کرنے کی تیاریاں تھیں ۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ نئے بھرتی کئے ھوئے رنگروٹوں کو حلف وفاداری اٹھانا تھا اور اس غرض سے ایک زرد اور نیلا پرچم مہیا کر لیا گیا تھا ۔

ڈویژن کا کمانڈر ایک چھکڑا قسم کی پرانی فورڈ موٹر میں پیتلورا کا استقبال کرنے کےلئے اسٹیشن کو روانہ ھوا ۔

جب وہ چلا گیا تو پیدل فوج کے انسپکٹر نے کرنل چرنیاک کو طلب کیا ۔ وہ لمبے قد کا ھٹا کٹا چھیلاپن کے انداز میں اینٹھی ھوئی مونچھوں‌والا افسر تھا ۔

”کسی کو اپنے ساتھ لےکر چلے جاؤ اور اچھی طرح دیکھ لو کہ کمانڈانٹ کا دفتر اور عقبی فوجیں بالکل ٹھیک ٹھاک ھوں ۔ اگر وھاں تمہیں کوئی قیدی ملیں تو ان کا معائنہ کرکے ان میں سے جو فضول نظر آئیں انہیں رفوچکر کر دو ۔“

چرنیاک نے ایڑیاں کھڑکا کر سلام کیا اور سب سے پہلے جس کزاک کپتان پر اس کی نظر پڑی اس کو ساتھ لےکر گھوڑا دوڑاتا ھوا وھاں سے روانہ ھو گیا ۔

اس کے بعد انسپکٹر مہذبانہ انداز میں پادری کی بڑی بیٹی سے مخاطب ھوا :

”دعوت کا کیا انتظام ھے؟ سب ٹھیک ھے نا؟“

”ھاں ھاں، کمانڈانٹ صاحب بڑی بھاگ

یہ ہوا کہ رسی یا تار کے ٹکڑوں سے بندھے ہوئے عجیب و غریب قسم کے پھٹے پرانے جوتوں کی ایک اچھی خاصی نمائش سی لگ گئی۔

آخرکار انہیں ننگے پاؤں ہی مارچ کراکے پریڈ کےلئے لا کھڑا کیا گیا۔

پیدل سپاہیوں کے پیچھے گولب کی گھوڑسوار رجمنٹ تھی۔

گھوڑسوار سپاہی پریڈ دیکھنے کےلئے آئے ہوئے متجسس شہریوں کی بےپناہ بھیڑ کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھے۔

اور بھیڑ ہوتی بھی کیوں نہ۔ ''اتامان اعلیٰ'' خود جو تشریف لانےوالے تھے۔ اس قسم کے واقعات شہر میں کوئی آئے دن تو ہوتے نہیں تھے، پھر اس مفت کے تماشے کو دیکھنے کا موقع کون ہاتھ سے جانے دیتا۔

گرجا گھر کی سیڑھیوں پر فوج کے تمام کرنیل اور کپتان، پادری کی دونوں بیٹیاں، چند یوکرینی معلم، ''آزاد کزاکوں'' کا ایک گروہ اور شہر کا کبڑا سا میئر کھڑے تھے۔ غرض کہ ''عوام'' کی نمائندگی کرنےوالی شہر کی تمام ممتاز شخصیتیں وہاں پر موجود تھیں۔ پیدل فوج کا انسپکٹر جنرل بھی ایک قفقازی چرکیسکا پہنے انہیں کے درمیان کھڑا تھا۔ اس پریڈ کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی۔

گرجا کے اندر پادری واسیلی اپنے آپ کو ایسٹر کی عبادت کے موقع پر پہنی جانےوالی پوشاک اور دیگر لوازمات میں سجا رہا تھا۔

جس پر میناکاری کے کام میں بنے ہوئے ترشول والا ایک بلا لگا تھا۔

سیمیون پیتلورا کی شخصیت میں کوئی خاص جنگجویانہ بات نہیں تھی۔ دراصل وہ کسی اعتبار سے بھی فوجی آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

اس نے بڑی ناپسندیدگی کے ساتھ انسپکٹر کی رپورٹ سنی۔ اس کے بعد میئر نے اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے چند الفاظ کہے۔

پیتلورا اپنے خیالات میں گم بڑی بے‌دلی سے سنتا رہا، اور وہاں پر کھڑی ہوئی رجمنٹوں کو میئر کے سر کے اوپر سے غور سے گھورتا رہا۔

"اچھا، شروع کرو" اس نے انسپکٹر کو اشارہ کیا۔

پرچم کے قریب‌والے چھوٹے سے چبوترے پر کھڑے ہوکر پیتلورا نے فوجیوں کے سامنے دس منٹ تک تقریر کی۔

تقریر قطعی بے‌اثر ثابت ہوئی۔ پیتلورا نے جو بظاہر سفر کی وجہ سے تھکا ہوا تھا، بغیر کسی جوش اور ولولے کے تقریر کی۔ جب اس نے تقریر ختم کی تو فوجی دستور کے مطابق تمام سپاہیوں نے "زندہ‌باد!" کے نعرے لگائے۔ اور وہ رومال سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہوا چبوترے سے نیچے اتر آیا۔ اس کے بعد اس نے انسپکٹر اور ڈویژن کمانڈر کے ساتھ فوجی دستوں کا معائنہ کیا۔

جس وقت وہ نئے رنگروٹوں کی صفوں کے سامنے سے گذرا تو حقارت‌آمیز خفگی سے اس کی تیوریوں

دوڑ کر رہے ہیں،، اس لڑکی نے اس خوبصورت انسپکٹر کو حریصانہ نظروں سے تکتے ہوئے جواب دیا۔

دفعتاً مجمع میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ایک گھوڑسوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سڑک پر بے تحاشہ چلا آ رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی گردن پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے چلا کر کہا:

''وہ لوگ آرہے ہیں!،،

''فال ان!،، انسپکٹر نے کتے کی طرح بھونک کر کہا۔

تمام افسران اپنی اپنی جگہوں کی طرف لپکے۔

جوں ہی فورڈ موٹر گرجا گھر کی برساتی میں پہنچی بینڈ نے ''زندہ باد، یوکرین زندہ باد،، کی دھن چھیڑ دی۔

ڈویژن کمانڈر کے بعد ''اتامان اعلی،، نے اپنا بھاری بھرکم جسم بڑی مشکل سے موٹر کے باہر نکالا۔ پیتلورا اوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کا نکیلا سر بہت مضبوطی سے اس کی لال، سانڈ جیسی گردن پر جما ہوا تھا۔ وہ بہت ہی عمدہ قسم کے اونی کپڑے کا بنا ہوا نیلے رنگ کا فوجی کوٹ پہنے ہوئے تھا جو کمر پر زرد رنگ کی پیٹی سے کس کر بندھا تھا۔ نہایت نرم اور نازک سابر کے چمڑے کے خول میں رکھا ہوا ایک چھوٹا سا براؤننگ ریوالور پیٹی سے لٹک رہا تھا۔ اس کے سر پر خاکی رنگ کی چھجےدار فوجی ٹوپی تھی

"ہم نہایت ادب کے ساتھ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنا روزگار پہلے کی طرح جاری کرنے کی اجازت دیں اور ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں یہودیوں پر ڈھائے جانےوالے مظالم سے پناہ عطا کی جائے۔" آخری الفاظ کہتے وقت فوکس کی زبان کچھ لڑکھڑا گئی۔

پیتلورا کے چہرے پر غصے کی سیاھی چھا گئی۔

"میری فوج یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں ڈھاتی۔ تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاھئے۔"

فوکس نے لاچاری کے انداز میں اپنے دونوں ھاتھ پھیلا دئے۔

پیتلورا کے کندھے گھبراھٹ کی وجہ سے ایک عجیب انداز سے پھڑک رہے تھے۔ اس وفد کے اس طرح بےوقت آ جانے پر وہ بہت جھنجھلایا ہوا تھا۔ وہ گولب کی طرف مڑا جو پیچھے کھڑا اپنی سیاہ مونچھوں کے بال چبا رہا تھا۔

"کرنل صاحب، آپ کے کزاکوں کے خلاف جو شکایت آئی ھے اس کی تحقیقات کرکے مناسب کارروائی کی جائے" پیتلورا نے کہا۔ پھر انسپکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے روکھے پن سے کہا:

"اب تم پریڈ شروع کر سکتے ہو۔"

اس بدنصیب وفد کو اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ وھاں گولب سے مڈبھیڑ ہو جائےگی۔ اس لئے وہ لوگ اب جلدی سے وھاں سے کھسک گئے۔

تمام تماشبینوں کی توجہ اب پوری طرح اس شاندار رسمی پریڈ کی تیاریوں پر مرکوز تھی۔

پر بل آ گئے۔ اور جھنجھلا کر وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

معائنے کے اختتام کے قریب نئے رنگروٹوں کی پلٹنیں ایک ایک کرکے ٹیڑھی میڑھی قطاروں میں مارچ کرتی ہوئی پرچم کے قریب آئیں جہاں گرجا گھر کا پادری واسیلی ہاتھ میں انجیل لئے کھڑا تھا۔ وہ سب پہلے انجیل کو چومتے تھے اور پھر پرچم کے ایک کونے کو۔ اسی وقت ایک خلاف توقع واقعہ پیش آیا۔

ایک وفد جو نہ جانے وہاں کس طرح پہنچ گیا تھا، پیتلورا کی طرف بڑھا۔ اس گروہ کے آگے آگے اپنے ہاتھ میں روٹی اور نمک کا تحفہ لئے ہوئے لکڑیوں کا رئیس بیوپاری بلوفشٹائن تھا۔ اس کے پیچھے کپڑوں کا تاجر فوکس اور تین دیگر باعزت بیوپاری تھے۔

بلوفشٹائن نے انتہائی خوشامد کے انداز میں جھک کر طشت پیتلورا کی طرف بڑھا دیا۔ قریب کھڑے ہوئے ایک افسر نے طشت اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''اس شہر کے یہودی باشندے آپ کی خدمت میں اس ریاست کے سب سے اعلی حاکم ہونے کی حیثیت سے اپنا خلوص، تشکر اور تعظیم پیش کرتے ہیں۔ آپ سے التجا ہے کہ آپ ہمارے اس خراج کو قبول کیجئے۔،،

''اچھا اچھا،، پیتلورا نے اس کاغذ پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے بدبدا کر کہا۔

پھر فوکس آگے بڑھا۔

زبردستی بھرتی کئے ہوئے سپاھی جسوقت پیر گھسیٹتے ہوئے ادھر سے گذرے تو ان کے ننگے پاؤں سے ھلکی سی سرسراھٹ کی ایک آواز پیدا ہوئی۔ افسر انہیں پیچھے سے ٹھیل رہے تھے اور اس بات کی انتہائی کوشش کر رہے تھے کہ ان میں کم سے کم نام ھی کےلئے تھوڑی سی ترتیب پیدا ھو جائے۔ لیکن ان کی تمام کوششیں بیکار تھیں۔ جس وقت ان لوگوں کی دوسری کمپنی ادھر سے گذر رھی تھی تو ایک کسان لڑکا جو لنن کی قمیص پہنے ہوئے تھا اور اس چبوترے سے سب سے قریب تھا، جس پر کھڑے ھوکر تمام افسران پریڈ کا معائنہ کر رہے تھے، ''اتاسان اعلی،، کو پھٹی ہوئی آنکھوں سے منھ کھولے ہوئے اس قدر حیرت کے ساتھ دیکھنے لگا کہ اس کا پاؤں سڑک کے ایک گڑھے میں پڑ گیا اور وہ منھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کی رائفل ایک تیز آواز پیدا کرتی ہوئی سڑک کے پتھروں پر گری۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے پیچھےوالے سپاھی نے اس کو پھر گرا دیا۔

کچھ تماشبین قہقہہ لگاکر ھنس پڑے۔ ساری کمپنی درھم برھم ھو گئی اور انتہائی بد نظمی کے ساتھ چوک کو پار کرتی ہوئی باھر نکل گئی۔ اس بدقسمت لڑکے نے اپنی رائفل اٹھائی اور باقی لوگوں کے پیچھے بھاگا۔

پیتلورا نے اس گھٹیا منظر کی طرف سے منھ پھیر لیا اور پریڈ ختم ھونے کا انتظار کئے بغیر

بڑی چستی کے ساتھ تڑاتڑ فوجی حکم دئے جا رہے تھے۔

گولب کے چہرے پر بظاھر کسی قسم کے اشتعال کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ بلوفشٹائن کے قریب گیا اور کافی اونچی سرگوشی میں اس کے کان میں کہا:

''دھریو، نکل جاؤ یہاں سے، نہیں تو میں یہیں تمہارا قیمہ بنوا دوں گا!،،

بینڈ بج اٹھا اور پہلے دستے مارچ کرتے ہوئے چوک سے گذرے۔ جس وقت وہ پیتلورا کے مقابل پہنچے تو انھوں نے ایک ساتھ بالکل مشینی انداز میں ''زندہباد،، کا نعرہ لگایا اور پھر بڑی پھرتی کے ساتھ گھوم کر بڑی سڑک پر ہوتے ہوئے ادھر ادھر کی سڑکوں پر غائب ہو گئے۔ بالکل نئی خاکی وردیوں میں ملبوس سپاھیوں کی کمپنیوں کے آگے آگے افسران نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے بید ھلاتے ہوئے مارچ کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ چہل قدمی کےلئے نکلے ہوں۔ جس طرح فوج میں عام سپاھیوں کےلئے بندوق کے گز رائج کئے گئے تھے اسی طرح اس ڈویژن کے افسروں کےلئے یہ بیدوالا طریقہ بھی ابھی حال ھی میں رائج کیا گیا تھا۔

نئے رنگروٹ پریڈ میں سب سے پیچھے تھے۔ وہ بالکل ھی غیرمنظم مجمع کی شکل میں آ رہے تھے۔ ان میں سے کسی کے بھی قدم نہیں مل رہے تھے اور ان میں ایک عجیب سی دھکاپیل مچی ہوئی تھی۔

''معلوم نہیں،، اس آدمی نے ھکلا کر کہا۔ ''کہیں گئے ہوئے ہیں۔،،

چرنیاک نے اس گندے کمرے پر چاروں طرف نظر دوڑائی جس میں تمام چیزیں ادھر ادھر بےترتیب پڑی ہوئی تھیں حتی کہ بستر تک نہیں لپیٹے گئے تھے۔ اس نے کمانڈانٹ کی گارد کے ان کزاکوں کے اوپر بھی نظر ڈالی جو ٹانگیں پھیلائے بستروں پر لیٹے ہوئے تھے اور جنھوں نے افسروں کے داخل ہونے پر اٹھنے کی زحمت گوارہ نہ کی تھی۔

''یہ کیا سور باڑہ بنا رکھا ہے اس جگہ کو؟،، چرنیاک نے گرج کر کہا۔ ''اور تمھیں سوروں کی طرح دن‌بھر لوٹتے رہنے کی اجازت کس نے دی؟،، اس نے ان سپاھیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا جو نہایت آرام کے ساتھ اپنے بستروں پر چت لیٹے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک کزاک اٹھ‌کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک زور کی ڈکار لی اور غرا کر بولا:

''تم کیوں ٹیں ٹیں لگا رہے ہو؟ یہاں ہم سے ٹیں ٹیں کرنےوالے آدمی کا انتظام ہے۔،،

''کیا کہا؟،، چرنیاک اس آدمی پر جھپٹا۔ ''جانتا ہے کس سے باتیں کر رہا ہے، حرامی کہیں کا؟ میرا نام کرنل چرنیاک ہے۔ سنا تو نے، سور کے بچے! سب لوگ فوراً اٹھو، نہیں تو میں سب کی کھال کھنچوا لوں‌گا!،، غصے سے پاگل ہوکر کرنل گارد ھاؤس میں تیزی سے ادھر ادھر چکر لگانے لگا۔ ''میں تمھیں ایک منٹ کا وقت دیتا ہوں،

ھی موٹر کی طرف چل دیا۔ انسپکٹر بھی اس کے پیچھے لپکا اور بہت ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھا:

''کیا حضور اتامان کھانے پر تشریف نہیں لائیں گے؟''

''نہیں''، پیتلورا نے سختی کے ساتھ اسے جھڑک دیا۔

سرگئی بروژاک، والیا اور کلیمکا تماشبینوں کے مجمع میں گرجا گھر کی اونچی چہاردیواری سے سٹ کر کھڑے پریڈ دیکھ رہے تھے۔ سرگئی نے چہاردیواری کے جنگلے کی چھڑوں کو زور سے پکڑ کر نیچے کھڑے ہوئے لوگوں کے چہرے کی طرف نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔

'آؤ چلیں، والیا۔ تماشا دکھا کر مداری گئے''
اس نے جان بوجھ کر بلند آواز میں گستاخانہ انداز سے کہا اور چلنے کے لئے مڑا۔ لوگ اسے تعجب سے گھورنے لگے۔

کسی کی طرف توجہ نہ کرکے وہ پھاٹک کی طرف چل دیا۔ اس کی بہن اور کلیمکا دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔

کرنل چرنیاک اور کپتان سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے کمانڈانٹ کے دفتر پہنچے اور فوراً اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ گھوڑوں کو ایک چپراسی کے حوالے کرکے وہ لوگ لمبے لمبے ڈگ بھرتے تیزی سے گارد ھاؤس میں داخل ہوئے۔

''کمانڈانٹ کہاں ھے؟''، چرنیاک نے کڑک کر چپراسی سے پوچھا۔

کسسے بند کر رکھا ہوگا۔ اگر کہیں اتامان اعلی معائنہ کےلئے آ گئے تو مصیبت ہو جائےگی۔،،

’’یہاں کی چابی کس کے پاس ہے؟،، چرنیاک نے سنتری سے پوچھا۔ ’’دروازہ فوراً کھولو۔،،

ایک سارجنٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چٹ پٹ اس نے تالا کھول دیا۔

’’کمانڈانٹ کہاں ہے؟ آخر میں کب تک یہاں کھڑے کھڑے اس کا انتظار کرتا رہوں گا؟ اسے تلاش کرکے فوراً یہاں میرے پاس بھیجو،، چرنیاک نے حکم دیا۔ ’’اور گارد کے تمام سپاہیوں کو باھر صحن میں جمع کرو۔ آخر یہ رائفلوں پر سنگینیں کیوں نہیں ھیں؟،،

’’ہم لوگ ابھی کل ھی یہاں آئے ھیں،، سارجنٹ نے جواز پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ کمانڈانٹ کی تلاش میں نکل گیا۔

کپتان نے ایک ٹھوکر مارکر گودام کا دروازہ کھول دیا۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کئی تو فرش سے اٹھ کھڑے ہوئے، باقی بےحس و حرکت بیٹھے رہے۔

’’دروازہ اور کھول دو،، چرنیاک نے حکم دیا۔ ’’یہاں روشنی کتنی کم ہے۔،،

اس نے قیدیوں کے چہروں کا غور سے معائنہ کیا۔

’’تمہیں یہاں کیوں بند کیا گیا ہے؟،، اس نے لکڑی کے تختے کی کگر پر بیٹھے ہوئے بوڑھے سے ڈپٹ کر پوچھا۔

اس عرصے میں جھاڑو دے کر تمام کوڑا کرکٹ صاف ہو جائے۔ اور تم لوگ اپنے بستر سلیقے سے رکھ کر اپنے گندے تھوبڑے کسی کو دکھانے کے لائق بنا لو۔ نہیں تو تمہاری خیر نہیں ھے۔ معلوم ہوتا ھے کہ یہاں کزاک نہیں ڈاکوؤں کا گروہ رہتا ھے!،،

غصے میں آپے سے باھر ہوکر کرنل نے ایک کوڑے کی بالٹی پر زور کی ٹھوکر ماری جو اس کی راہ میں حائل تھی۔

کپتان کا مزاج بھی کچھ کم گرم نہیں تھا۔ اور اس نے اپنے تین لڑوں‌والے کوڑے کو پھٹکار کر اپنی گالیوں کو اور زیادہ موثر بناتے ہوئے تمام لوگوں کو ان کے بستروں پر سے اٹھا دیا۔

''اتامان اعلی پریڈ کا معائنہ کر رہے ھیں، وہ یہاں کسی بھی لمحے آ سکتے ھیں۔ چلو جلدی جلدی ھاتھ چلاؤ!،،

جب کزاکوں نے دیکھا کہ معاملہ بہت سنگین ہوتا جا رہا ھے اور انہیں سچ‌سچ کوڑے لگائے جانے کا خطرہ ھے تو وہ جلدی سے اٹھ کر بڑی پھرتی سے کام میں جٹ گئے کیوں کہ اس معاملے میں چرنیاک کی شہرت سے وہ بخوبی واقف تھے۔

دیکھتے دیکھتے کام پورے زورشور سے شروع ہو گیا۔

''اب چل کر ذرا ایک نظر قیدیوں کو بھی دیکھ لینا چاھئے،، کپتان نے تجویز پیش کی۔

''کچھ خبر نہیں، یہاں ان لوگوں نے نہ جانے کسے

بوڑھے نے جلدی سے اپنی گٹھری اٹھائی جو تختے کی کگر پر لٹکی ہوئی تھی اور تیر کی طرح دروازے سے باہر ہو گیا۔

''اور تم کس جرم میں پکڑی گئی تھیں؟،، چرنیاک نے سموگون بیچنےوالی اس عورت سے سوال کیا۔

اپنے منھ کا گوشت بھری روٹی کا نوالہ نگل کر اس عورت نے جھٹ سے جواب دیا:

''بڑی بےانصافی ہے، حضور، میرے مالک! مجھے بالکل ہی بےقصور یہاں لاکر بندکر دیا گیا ہے۔ آپ ہی انصاف کیجئے، ایک بےچاری بیوہ سے پہلے تو شراب پی لینا اور پھر اسے حوالات میں بند کر دینا کہاں تک مناسب ہے؟،،

''تو تم سموگون کا روزگار کرتی ہو۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟،، چرنیاک نے پوچھا۔

''روزگار؟ نہیں سرکار، روزگار کیسا،، اس عورت نے مظلومی کے انداز میں کہا۔ ''کمانڈانٹ صاحب آکر چار بوتلیں لے گئے اور ایک دمڑی بھی نہیں دی۔ سرکار، یہاں تو یہی حال ہے۔ شراب تو آکر پی جاتے ہیں مگر دام کبھی نہیں دیتے۔ آپ ہی بتلائیے بھلا یہ بھی کوئی روزگار ہے؟،،

''بس بس، بھاگ یہاں سے، پھر چاہے بھاڑ میں جائے میری بلا سے!،،

عورت نے حکم دھرائے جانے کا انتظار نہیں کیا۔ اس نے اپنی ٹوکری اٹھائی اور الٹے پاؤں

بوڑھا ذرا سا اٹھا پھر اس نے اپنی پتلون اوپر سرکائی اور افسر کی ڈانٹ سے خوفزدہ ھوکر وہ زیرلب بولا:

''یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ بس انھوں نے پکڑکر بند کر دیا تب سے یہیں بند ھوں۔ میرے مکان کے صحن سے ایک گھوڑا چوری ھو گیا تھا لیکن اس میں میرا کوئی ھاتھ نہیں تھا۔،،

''کس کا گھوڑا تھا؟،، کپتان نے ٹوک کر پوچھا۔

''ظاھر ھے فوج کا گھوڑا تھا۔ میرے یہاں جو سپاھی ٹھہرائے گئے تھے انھوں نے اسے بیچ کر ساری رقم شراب میں اڑا دی اور اب سارا الزام میرے سر تھوپ دیا ھے۔،،

چرنیاک نے بوڑھے پر جلدی سے ایک نظر دوڑائی اور بڑی بےصبری کے ساتھ اپنے کندھے کو جھٹکتے ھوئے چلا کر کہا: ''اٹھاؤ اپنا سامان اور بھاگ جاؤ یہاں سے!،، اس کے بعد وہ سموگون بیچنےوالی عورت سے مخاطب ھوا۔

بوڑھے کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رھا تھا۔ اپنی چندھی آنکھیں جھپکاتے ھوئے وہ کپتان سے مخاطب ھوا:

''تو کیا اس کا مطلب ھے کہ میں سچ مچ یہاں سے جا سکتا ھوں؟،،

کپتان نے اپنا سر اس انداز سے ھلایا کہ جیسے کہہ رھا ھو: ''جتنی جلدی یہاں سے دفع ھو جاؤ اتنا ھی اچھا ھے۔،،

دفعتاً بجلی کی طرح ایک خیال اس کے ذہن میں کوند گیا: ''شائد ترکیب کام کر جائے!''

''مجھے آٹھ بجے کے بعد سڑک پر نکلنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا''، اس کے دماغ میں جو بات سب سے پہلے آئی وہی اس نے کہہ دی۔

وہ امید و بیم کے عالم میں بڑی بےقراری سے جواب کا منتظر تھا۔

''رات کے وقت تم سڑک پر کیا کر رہے تھے؟''

''ایسی کوئی بہت رات بھی نہیں تھی، یہی کوئی گیارہ بجے ہوں گے۔''

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا لیکن اب اسے یقین نہیں رہ گیا تھا کہ اس کا یہ تکا نشانے پر ٹھیک بیٹھے گا۔

جس وقت اس نے یہ حکم سنا: ''نکل جاؤ یہاں سے''، اس وقت اس کے پاؤں تھر تھر کانپ رہے تھے۔

دولینیک جلدی سے دروازے سے باہر ہو گیا اور گھبراہٹ میں اپنا کوٹ بھی لینا بھول گیا۔ کپتان نے دوسرے قیدی سے سوال کرنا شروع کر دیا تھا۔

کورچاگن سے سب سے آخر میں سوالات کئے گئے۔ وہ فرش پر بالکل ھکابکا بیٹھا ھوا اس تمام کارروائی کو دیکھ رہا تھا۔ شروع میں تو اسے یقین نہیں آیا کہ دولینیک چھوڑ دیا گیا ھے۔ آخر وہ لوگ سب کو اس طرح چھوڑے کیوں دے رہے ھیں؟ لیکن دولینیک... دولینیک نے تو ان

چلتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی۔ بیچ بیچ میں وہ جھک کر کرنل کا شکریہ ادا کرتی جاتی تھی۔

''خدا آپ لوگوں کو سلامت رکھے۔ سالک، آپ کی صحت بنی رہے۔''

دولینیک یہ سارا تماشا آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ کسی بھی قیدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ ان کی سمجھ میں صرف اتنی بات آ رہی تھی کہ یہ لوگ جو آئے ہیں وہ کسی قسم کے بڑے حاکم ہیں جنہیں اس بات کا اختیار ہے کہ ان کے بارے میں جو فیصلہ چاہیں کر دیں۔

''اور تم؟'' چرنیاک نے دولینیک سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جب حضور کرنل صاحب تجھ سے باتیں کر رہے ہیں تو تجھ کو فوراً کھڑا ہو جانا چاہئے!'' کپتان نے کتے کی طرح بھونک کر کہا۔

دولینیک بہت دھیرے دھیرے فرش پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کس لئے پکڑا گیا ہے تو؟'' چرنیاک نے اپنا سوال دھرایا۔

چند سکنڈ تک دولینیک کی آنکھیں کرنل صاحب کی نہایت صفائی کے ساتھ اینٹھی ہوئی سونچھوں اور ان کے صفاچٹ چہرے پر اور پھر اس کے بعد ان کی نئی فوجی ٹوپی کے چھجے پر جمی رہیں جس پر میناکاری کے کام کا ایک بلا لگا ہوا تھا۔



سے یہ کہا تھا کہ وہ کرفیو توڑنے کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا... یک بیک تمام باتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں۔

کرنل نے دبلے پتلے حجام زیلتسر سے اپنا وہی سوال کیا:

"تمہیں کس جرم میں پکڑا گیا تھا؟"

حجام نے جس کا چہرہ بوکھلاہٹ کے مارے زرد پڑ گیا تھا، سب کچھ سچ سچ قبول دیا:

"انہوں نے مجھ سے کہا میں لوگوں کو بھڑکا رہا تھا۔ لیکن مجھے اس بات کا قطعی علم نہیں ہے کہ آخر لوگوں کو بھڑکانے کےلئے میں نے ایسی کیا بات کی؟"

چرنیاک کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا کہا؟ بھڑکا رہے تھے؟ تم لوگوں کو کس سلسلے میں بھڑکا رہے تھے؟"

زیلتسر نے لاچاری اور حیرت کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دئے۔

"یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ اتامان اعلی کی خدمت میں پیش کرنے کےلئے ایک عرضداشت پر یہودیوں کے دستخط جمع کئے جا رہے ہیں۔"

"کیسی عرضداشت؟" چرنیاک اور کپتان دونوں خطرناک انداز میں زیلتسر کی طرف بڑھے۔

"یہی عرضداشت کہ یہودیوں پر ڈھائے جانےوالے مظالم پر پابندی لگا دی جائے۔ آپ کو تو علم ہوگا کہ یہاں منظم طور پر یہودیوں پر بہت خوفناک

مظالم ڈھائے گئے تھے۔ بستی کے تمام لوگوں کے دلوں میں دهشت بیٹھی ہوئی ہے۔،،

''بس بس بہت ہو چکا،، چرنیاک نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہیں عرضداشت کا ایسا مزا چکھائیں گے کہ عمر بھر یاد رکھوگے، ذلیل یہودی کہیں کا۔،، پھر کپتان کی طرف مڑ کر اس نے کڑک کر کہا: ''اس کا ذرا معقول انتظام کروا دو۔ تم اسے ہیڈکوارٹر بھجوا دو۔ میں وہاں اس سے خود نبٹوں گا۔ سب معلوم ہو جائے گا کہ یہ عرضداشت کا جھگڑا کس نے کھڑا کیا ہے۔،،

زیلتسر نے احتجاج کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کپتان نے اس کی پیٹھ پر گھوڑے والی چابک کا ایک ہاتھ کس کر رسید کر دیا۔

''چپ رہ، حرامی!،،

تکلیف سے تلملا کر زیلتسر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ایک کونے کی طرف چلا گیا۔ شدید تکلیف سے اس کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں روک رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا گلا رندھا جا رہا تھا۔

جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا اسی دوران میں پاویل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گودام میں زیلتسر کے علاوہ اب وہ اکیلا قیدی رہ گیا تھا۔

چرنیاک اس لڑکے کے سامنے کھڑا اپنی تیز سیاہ پتلیوں والی آنکھوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو، بولو؟،،

ایک لمحہ بعد ہی پاویل چھوٹی سی چور کھڑکی کو پار کرکے سڑک پر پہنچ گیا۔

بیچارہ زیلتسر اس گودام میں اکیلا رہ گیا۔ مظلوم نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ کر وہ بےارادہ دروازے کی طرف دوچار قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ اتنے میں ایک سنتری گارد ہاؤس میں داخل ہوا۔ دروازہ بند کرکے سنتری نے اس میں ایک بڑا سا تالا ٹھونک دیا اور دروازے کے قریب اسٹول ڈال کر بیٹھ گیا۔

چرنیاک اپنے اس کارنامے پر بہت خوش تھا۔ باہر برآمدے میں پہنچ کر اس نے کپتان سے کہا:

"اچھا ہی ہوا جو ہم لوگوں نے جاکر دیکھ لیا۔ ذرا سوچو تو کیا کیا کچرا لوگ اس نے وہاں بھر رکھے تھے۔ اس کمانڈانٹ کو خود دو ہفتے تک حوالات میں بند رکھنا پڑے گا۔ چلو اب چلنا چاہئے، کافی وقت ہو گیا۔"

سارجنٹ نے اپنے سپاہیوں کو صحن میں جمع کر دیا تھا۔ کرنل کو دیکھتے ہی وہ بھاگا ہوا آیا اور اطلاع دی:

"حضور کرنل صاحب، سب درست ہے۔"

چرنیاک گھوڑے کی ایک رکاب میں اپنا بوٹ ڈال کر بڑی صفائی سے اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کپتان کا گھوڑا بدک کر کچھ اچھل کود مچا رہا تھا۔ اپنے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے کرنل نے سارجنٹ سے کہا:

"کمانڈانٹ صاحب سے کہہ دینا کہ انہوں

کرنل کے سوال کا فوراً جواب ملا:

''میں نے جوتے میں تلا لگانے کے لئے گھوڑے کی زین سے تھوڑا سا چمڑا کاٹ لیا تھا۔''

''کس زین سے؟'' کرنل نے پوچھا۔

''میرے گھر پر دو کزاک ٹھہرائے گئے ہیں۔ میں نے انہیں کی ایک پرانی زین سے جوتے کے تلے کے لئے چمڑا کاٹ لیا تھا۔ اسی لئے ان کزاکوں نے مجھے پکڑ کر یہاں بند کروا دیا۔'' اپنی آزادی پھر حاصل کرنے کی مضطربانہ امید میں اس نے یہ بھی بتا دینا مناسب سمجھا۔ ''مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔''

کرنل نے پاویل پر حقارت کی نظر ڈالی۔

''اس کمانڈانٹ کو بھی کیا کیا باتیں سوجھتی ہیں۔ خدا غارت کرے اسے، چھانٹ چھانٹ کر کیسے کیسے قیدی جمع کر رکھے ہیں اس نے!'' پھر دروازے کی طرف مڑتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا: ''تم گھر جا سکتے ہو اور اپنے باپ سے کہنا وہی تمہاری پٹائی کرے جس کے تم مستحق ہو۔ بھاگ جاؤ یہاں سے!''

پاویل کو اب بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل اتنے زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔ پاویل نے جھپٹ کر فرش پر سے دولینیک کا کوٹ اٹھا لیا اور دروازے کی طرف لپکا۔ بھاگ کر گارد ہاؤس کو پار کرتا ہوا کرنل کی پیٹھ پیچھے سے صحن میں پہنچ گیا۔

چلا جا رہا تھا۔ ایک باڑ سے زور سے ٹکرا کر وہ چونک پڑا اور اپنے ہوش سنبھال کر جب اس نے تعجب سے ادھر ادھر نظر ڈالی تو دیکھتا کیا ہے کہ اس اونچی سی باڑ کے پیچھے ناظم جنگلات کا باغیچہ تھا۔ تو اس کے تھکے ہوئے قدم اسے یہاں لے آئے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ ادھر آنے کا اس کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن وہ وہاں پہنچ کیسے گیا؟ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

پھر بھی اس کے لئے تھوڑی دیر آرام کرنا قطعی ضروری تھا۔ صورت حال پر غور کرکے اسے اپنے اگلے قدم کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ اسے یاد آیا کہ باغ کے سرے پر ایک بنگلہ تھا۔ وہاں اس پر کسی کی نظر نہیں پڑے گی۔

وہ اچک کر باڑ کے اوپر چڑھ گیا اور پھر سرکتا ہوا نیچے باغ میں جا اترا۔ مکان پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر جو درختوں کے بیچ سے مشکل ہی سے نظر آتا تھا وہ بنگلے کی طرف روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر اسکے چھکے چھوٹ گئے کہ وہ جگہ تقریباً ہر طرف سے کھلی ہوئی تھی۔ گرمیوں کے زمانے میں اس کے چاروں طرف جنگلی انگور کی جو بیل پھیلی ہوئی تھی وہ مرجھا گئی تھی اور اب وہاں پر کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ واپس جانے کے لئے مڑا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے پیچھے ایک کتے کے بھونکنے کی خوفناک آواز آ رہی تھی۔ اس نے پھرتی

نے جو کچرا یہاں جمع کر رکھا تھا وہ سب میں نے صاف کروا دیا ھے۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ جس طرح انہوں نے یہاں کا انتظام چلایا ھے اس کی سزا کے طور پر میں انہیں دو ھفتے کےلئے کال کوٹھری میں بند کرواؤں‌گا اور جو ایک آدمی وھاں رہ‌گیا ھے اسے فوراً ھیڈکوارٹر بھجوا دو۔ اور دیکھو گارد بالکل تیار کھڑی رھے۔،،

’’جو حکم، حضور کرنل صاحب،، سارجنٹ نے فوجی سلام جھاڑتے ھوئے کہا۔

ایڑ لگاکر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ھوئے کرنل اور کپتان چوک میں واپس پہنچ گئے جہاں پریڈ تقریباً ختم ھونےوالی تھی۔

پاویل نے اچک‌کر ساتویں باڑ پار کی اور تھکن سے چور ھوکر کھڑا ھو گیا۔ اب اس میں آگے بڑھنے کا دم نہیں رہ‌گیا تھا۔ اس گھٹے ھوئے گودام میں اس نے کچھ کھائے بغیر جو دن کاٹے تھے اس کی وجہ سے اس کی ساری طاقت نچڑ گئی تھی۔

اب وہ کہاں جائے؟ گھر جانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اگر وہ بروژاک کے یہاں گیا اور کسی نے اسے وھاں دیکھ لیا تو اس کے پورے کنبے پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑےگا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رھا تھا کہ وہ کیا کرے۔ بغیر کچھ سوچے وہ پھر اندھوں کی طرح بھاگا۔ شہر کے سرےوالے سبزیوں کے کھیت اور چھوٹے چھوٹے باغیچے پیچھے چھوڑتا ھوا وہ بھاگا

"تونیا"، اس نوجوان نے نرم لہجے میں کہا۔
"پہچانا نہیں مجھے؟"
تونیا چیخ پڑی اور شدید جذبات کے ساتھ لپک کر اس کے قریب پہنچ گئی۔
"پاویل، تم؟"
تریزور اس کی چیخ کو حملہ کرنے کا اشارہ سمجھ کر آگے جھپٹا۔
"خبردار تریزور، نیچے بیٹھو!" تونیا نے اس کے دو چار تھپڑ رسید کئے اور وہ برا مان کر اپنی ٹانگوں میں دم دبائے بہت غمگین ہو کر گھر کی طرف چل دیا۔
"تو تم چھوٹ گئے؟" تونیا نے پاویل کے ہاتھوں کو کس کر دباتے ہوئے کہا۔
"تو تمہیں اس کی اطلاع تھی؟"
"مجھے سب معلوم ہے" تونیا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ایزا نے مجھے سب بتا دیا۔ لیکن آخر تم یہاں پہنچے کیسے؟ کیا ان لوگوں نے تمہیں چھوڑ دیا؟"
"ہاں — لیکن غلطی سے" پاویل نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں وہاں سے بھاگ آیا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ اب میری تلاش میں ہوں گے۔ مجھے واقعی نہیں معلوم کہ میں یہاں تک کیسے پہنچا۔ لیکن یہاں پہنچ کر میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر تمہارے بنگلے میں آرام کر لوں۔ میں بری طرح تھک گیا ہوں" اس نے معذرتی انداز سے کہا۔

سے پیچھے مڑکر دیکھا کہ ایک بڑا سا کتا گھر کی سمت سے باغ میں آنےوالے پتیوں سے ڈھکے ہوئے راستے پر ہوتا ہوا سیدھا اس کی طرف لپکا ہوا آ رہا ہے۔ اس کی خونخوار غراہٹ سے باغ کا تمام سکوت درہم برہم ہو گیا تھا۔

پاویل اپنی حفاظت کرنے کےلئے تیار ہو گیا۔ کتے کے پہلے حملے کا مقابلہ تو اس نے ایک زور کی ٹھوکر مارکر بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔ لیکن وہ جانور دوبارہ حملہ کرنے کےلئے دبک کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس معرکے کا کیا انجام ہوتا اگر اسی وقت ایک مانوس آواز میں کسی نے اس کتے کو بلا نہ لیا ہوتا: ''چلو ادھر آؤ، تریزور! ادھر چلو!،،

تونیا راستے پر بھاگی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ اس نے تریزور کا پٹا پکڑکر اسے پیچھے کھینچ لیا اور باڑ کے قریب کھڑے ہوئے نوجوان سے کچھ کہنے کےلئے مڑی:

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ابھی کتا تمہیں بری طرح زخمی کر دیتا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ میں...،،

وہ کہتے کہتے دفعتاً رک گئی اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اجنبی جو بھٹکتا ہوا اس کے باغ میں آ نکلا تھا اس کی شکل کورچاگن سے کتنی غیرمعمولی حد تک ملتی تھی۔

باڑ کے قریب کھڑے ہوئے شخص کے جسم میں حرکت سی ہوئی۔

پاویل کو بھی یہی فکر تھی اور محض اس خیال سے کہ کہیں وہ اس لڑکی کو، جو اسے اتنی عزیز ہو گئی تھی، خطرے میں نہ ڈال دے، وہ وہاں رہنے سے انکار کرتا رہا۔ لیکن اپنے ہولناک تجربات کی وجہ سے وہ اتنا شل ہو چکا تھا اور بھوک اور تھکن اسے اتنے ستا رہی تھی کہ آخرکار وہ راضی ہو گیا۔

وہ تونیا کے کمرے میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی عرصے میں باورچی خانے میں ماں اور بیٹی کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہو رہی تھی:

''ماں، ایک بات سنو! کورچاگن میرے کمرے میں بیٹھا ہے۔ تمہیں یاد ہے نا، وہی لڑکا جو مجھ سے پڑھنے آیا کرتا تھا؟ میں تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتی۔ ایک بالشویک ملاح کو قید سے چھڑانے کے جرم میں اسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اب وہ جیل سے بھاگ آیا ہے۔ لیکن اس کے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''میری اچھی ماں، اسے کچھ عرصے کےلئے یہاں رہنے کی اجازت دے دو۔''

ماں نے اپنی بیٹی کی التجا بھری آنکھوں کو بڑے تجسس کے ساتھ دیکھا۔

''اچھی بات ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن تم اسے رکھوگی کہاں؟''

تونیا کا چہرہ شرم سے عنابی ہو گیا۔ ''وہ میرے کمرے میں صوفے پر سو جایا کرے گا''

وہ اسے چند لمحوں تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رھی۔ اور اس کے جسم میں رحم اور محبت کی ایک لہر دوڑ گئی، جس میں تشویش کی آمیزش بھی تھی اور مسرت کی بھی۔

''پاویل! میرے پیارے پاویل!،، اس نے پاویل کے ھاتھ مضبوطی سے اپنے ھاتھوں میں پکڑکر زیرلب کہا۔ ''میں تم سے محبت کرتی ھوں... سنتے ھو میری بات؟ لیکن میرے دوست، تم اتنے ضدی کیوں ھو؟ اس بار تم اس طرح چلے کیوں گئے تھے؟ اب تم ھمارے پاس واپس آ رھے ھو، میرے پاس... سمجھے؟ اب چاھے کچھ بھی ھو میں تمہیں ھرگز نہیں جانے دوں‌گی۔ ھمارا گھر بہت آرام‌دہ اور پرسکون ھے۔ یہاں تم جب تک چاھو رہ سکتے ھو۔،،

پاویل نے سر ھلاکر انکار کیا۔

''اگر میں یہاں پکڑا گیا تو؟ نہیں، میں تمہارے یہاں نہیں رہ سکتا۔،،

تونیا کے ھاتھ پاویل کی انگلیوں کو کس‌کر دبا رھے تھے۔ اس کی پلکیں کانپ رھی تھیں اور اس کی آنکھوں میں ایک غیرمعمولی چمک تھی۔

''اگر تم نے انکار کیا تو میں تم سے پھر کبھی نہ بولوں‌گی۔ آرتیم یہاں نہیں ھے۔ اسے وہ لوگ فوجی پہرے میں انجن چلانے کےلئے پکڑکے لے گئے ھیں۔ ریلوے کے تمام مزدوروں کو زبردستی فوج میں بھرتی کیا جا رھا ھے۔ آخر تم کہاں جاؤگے؟،،

اتنا کہہ کر وہ پاویل کے نہانے کا پانی گرم کرنے اور اس کے لئے کچھ صاف کپڑے تلاش کرنے کے واسطے پھرتی سے وہاں سے چلی گئی۔ سب انتظام مکمل کرکے وہ بھاگی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور اس نے پاویل کا بازو پکڑ کر اسے اٹھا دیا اور زیادہ کچھ کہے سنے بغیر اسے سیدھا غسل خانے میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔

''تم اپنے سب کپڑے بدل ڈالو۔ تمہارے پہننے کے لئے میں نے یہ کپڑے نکال دئے ہیں۔ تمہارے کپڑے تو دھلوانے ہوں گے۔ تب تک کے لئے تم انہیں پہن لو،، اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتی ہوئے کہا۔ کرسی پر دھاری‌دار سفید کالر والی نیلے رنگ کی ایک ملاحوں جیسی قمیص اور چوڑے پائینچوں والی ایک پتلون بڑے سلیقے کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

پاویل کو بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ تونیا مسکرا دی۔

''میں نے ایک بار ایک نقابی ناچ کے موقعہ پر اسے پہنا تھا،، اس نے پاویل کی پریشانی دور کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں بالکل ٹھیک آئے گی۔ بس چٹ پٹ نہا ڈالو۔ جتنی دیر میں تم نہاؤ گے اتنی دیر میں میں تمہارے لئے کھانے کا کچھ انتظام کئے دیتی ہوں۔،،

اس نے باہر نکل کر دروازہ بند کر لیا۔ پاویل کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ وہ کپڑے اتار کر نہانے کے ٹب میں گھس جائے۔

اس نے بہت سٹپٹا کر کہا۔ ''ابھی پاپا کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔،،

اس کی ماں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

''اچھا تو کیا اسی وجہ سے تم ادھر کچھ دنوں سے اتنی پریشان اور رنجیدہ تھیں؟،، اس نے پوچھا۔

''ہاں۔،،

''لیکن وہ تو ابھی بالکل لڑکا ہی ہے۔،،

''مجھے معلوم ہے،، تونیا نے بوکھلاہٹ میں اپنے بلاؤز کی آستین میں انگلی پھنساتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن اگر وہ بھاگ نہ آیا ہوتا تو وہ لوگ یقیناً اسے گولی مار دیتے۔،،

یہ صاف ظاہر تھا کہ یکاترینا مخائیلوونا گھر میں کورچاگن کی موجودگی سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ پاویل کی گرفتاری اور اپنی بیٹی کی ایک ایسے لڑکے کے ساتھ، جسے وہ اچھی طرح جانتی بھی نہیں تھی، اتنی نمایاں فریفتگی یہ دونوں ہی باتیں اس کی پریشانی کا باعث تھیں۔

لیکن تونیا یہ سمجھ کر کہ معاملے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اپنے مہمان کے آرام کا انتظام کرنے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

''ماں، سب سے پہلے تو اسے نہا لینا چاہئے۔ میں ابھی اس کا انتظام کئے دیتی ہوں۔ وہ بہت ہی گندہ ہے۔ بالکل چمنی کی کالک صاف کرنے والا چھوکرا معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کتنی مدت سے اس کے منھ پر پانی کا چھینٹا بھی نہیں پڑا ہے۔،،

ابھی صبح تک وہ ایک گندی سی کوٹھری میں بند تھا اور اب وہ اجلے صاف کپڑے پہنے یہاں تونیا کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور سب سے اہم بات تو یہ تھی کہ وہ آزاد تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ زندگی بھی کیسی کیسی عجیب و غریب کروٹیں لے سکتی ہے۔ ایک لمحہ آسمان تاریک رات کی طرح سیاہ نظر آتا ہے اور پھر دفعتاً سورج چمکنے لگتا ہے۔ اگر اسے دوبارہ گرفتار کر لئے جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو اس وقت اس سے زیادہ خوش نصیب نوجوان دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ اس وقت بھی جب کہ وہ اس وسیع، پرسکون مکان میں بیٹھا ہوا تھا اس کے پکڑے جانے کا خطرہ باقی تھا۔ یہاں اب اور زیادہ ٹھہرنے کی بجائے یہاں سے اسے جلد چلا جانا چاہئے کہیں بھی چلا جانا چاہئے۔ لیکن پھر بھی وہاں، سے چلے جانے کا تصور اسکے لئے قطعی خوش گوار نہ تھا۔ گیری بالڈی کی دلیری کی داستانیں پڑھنے میں اسے کتنا مزا آتا تھا! اُسے گیری بالڈی پر رشک آتا تھا۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ گیری بالڈی کی زندگی بھی انتہائی دشواریوں میں گذری ہوگی کیوں کہ اپنے دشمنوں سے بچ کر اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرنا پڑتا تھا۔ اور اس نے تو ابھی مصیبت اور اذیت کے صرف سات ہی دن گذارے تھے لیکن وہ سات دن بھی سے ایک سال کے برابر معلوم ہوئے تھے۔

نہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں تھا کہ وہ

گھنٹے بھر بعد وہ تینوں ماں، بیٹی اور پاویل باورچی‌خانے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

پاویل کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ کافی عرصے کے بعد اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کے سامنے تین بار کھانا نکال کر رکھا جا چکا تھا اور وہ سب صاف کر گیا تھا۔ شروع میں تو وہ یکاترینا مخائیلوونا سے کچھ شرماتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ کتنی محبتی ہیں تو وہ بھی ان سے جلد ہی گھل مل گیا۔

کھانا کھا کر وہ تینوں تونیا کے کمرے میں چلے گئے اور یکاترینا مخائیلوونا کی درخواست پر پاویل نے اپنے تمام تجربات کہہ سنائے۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟،، اس کی بات ختم ہونے پر یکاترینا مخائیلوونا نے پوچھا۔

پاویل نے ایک لمحہ سوال پر غور کرنے کے بعد کہا: ''پہلے تو میں آرتیم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے یہاں سے نکلنے کا کوئی انتظام کرنا ہوگا۔،،

''لیکن تم جاؤگے کہاں؟،،

''میرا خیال ہے کہ میں کسی طرح اومان تو پہنچ ہی جاؤں‌گا یا شائد کیئف چلا جاؤں۔ اس بارے میں میں نے ابھی خود بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ لیکن مجھے یہاں سے جلدی سے جلدی نکل جانا چاہئے۔،،

پاویل کو کسی طرح یقین نہیں آ رہا تھا کہ حالات اتنی جلدی بالکل تبدیل ہو گئے ہیں۔

''تونیا، تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔ کسی کو ریلوے یارڈ جاکر یہ پتہ لگانا ہوگا کہ آرتیم کا کیا حشر ہوا اور اس کے علاوہ سرگئی کے پاس میرا ایک پرچہ بھی لے جانا ہوگا۔ میں نے کوے کے ایک گھونسلے میں اپنا ریوالور چھپا رکھا ہے۔ میں تو اسے لینے کےلئے جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ لیکن سرگئی مجھے لاکر دے سکتا ہے۔ تم میرا اتنا کام کر دوگی نا؟''

تونیا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابھی لیزا سخارکو کے یہاں جاتی ہوں۔ ہم دونوں ساتھ ریلوے یارڈ چلے جائیں گے۔ تب تک تم وہ پرچہ لکھ رکھو۔ میں اسے سرگئی کے ہاں دے آؤں گی۔ کہاں رہتا ہے وہ؟ اور اگر وہ تم سے ملنا چاہے تو کیا میں اسے یہ بتا سکتی ہوں کہ تم کہاں ہو؟''

پاویل نے جواب دینے سے پہلے ایک لمحہ کےلئے غور کیا۔

''اس سے کہہ دینا کہ آج شام کو یہاں تمہارے باغ میں ریوالور لے آئے۔''

تونیا بہت دیر بعد لوٹ کر آئی۔ پاویل گہری نیند سو رہا تھا۔ تونیا کے ہاتھ کے لمس نے اسے جگا دیا اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ تونیا اس کے اوپر جھکی کھڑی ہے اور مسرت سے مسکرا رہی ہے۔

''آرتیم ابھی تھوڑی دیر میں یہاں آئے گا۔ وہ ابھی لوٹ کر آیا ہے۔ لیزا کے باپ اس کی ضمانت

اسی سانچے میں ڈھلا ہوا نہیں تھا جس میں ھیرو ڈھالے جاتے ھیں۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' تونیا نے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں کی نیلگوں گہرائیاں اتھاہ معلوم ہو رہی تھیں۔

''تونیا، تمہیں خرستینا کے بارے میں بتاؤں؟ سنوگی؟''

''ھاں ھاں، ضرور'' تونیا نے اس سے اصرار کے ساتھ کہا۔

پاویل نے اسے اپنی اس ہم‌قفس لڑکی کی دردناک داستان سنائی۔

جس وقت اس نے اپنی داستان ختم کی اس وقت کمرے کی خاموشی میں گھڑی بڑے زور سے ٹک ٹک کر رھی تھی۔ ''...اور اس کے بعد پھر ہم لوگوں نے اسے دوبارہ نہ دیکھا۔'' اس کے الفاظ بڑی مشکل سے اس کے ھونٹوں سے نکل رہے تھے۔ تونیا نے اپنا سر جھکا لیا اور اسنڈتے ھوئے آنسوؤں کو روکنے کے لئے جن سے اس کا گلا رندھا جا رھا تھا، وہ اپنے ھونٹوں کو چبانے لگی۔

پاویل نے اس کی طرف دیکھا۔ ''مجھے آج رات ھی یہاں سے چلا جانا ھوگا'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''نہیں نہیں، آج رات تو میں تمہیں کہیں بھی نہیں جانے دوں گی۔''

وہ اس کے سخت بالوں میں بڑی محبت کے ساتھ اپنی گرم اور نازک انگلیاں پھیرنے لگی...

18*

سوچ سوچ کر اس نے شدید پریشانی میں اتنے دن گذارے تھے۔
"تو یہ طے رہا۔ کل صبح پانچ بجے مال گودام پہنچ جاؤگے۔ جس وقت انجن میں کوئلہ اور پانی بھرا جانے لگے تم چپکے سے اس پر چڑھ جانا۔ میرا جی تو بہت چاہ رہا ہے کہ میں کچھ دیر یہاں بیٹھ کر تم سے باتیں کروں لیکن مجھے اب واپس جانا ہی ہوگا۔ میں کل تمہیں چھوڑنے آؤں گا۔ وہ لوگ ریلوے مزدوروں کی ایک بٹالین تیار کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو ہتھیاربند سنتریوں کے پہرے میں جانا پڑتا ہے۔ بالکل ویسی ہی حالت ہے جیسی جرمنوں کے زمانے میں تھی۔"
آرتیم اپنے بھائی سے رخصت ہوکر چلا گیا۔
شام کا دھندلکا بڑی تیزی سے گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ سرگئی اب پستول لےکر آتا ہی ہوگا۔ اس کے انتظار میں پاویل اس تاریک کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بےقراری سے چکر لگا رہا تھا۔ تونیا اور اس کی ماں تونیا کے باپ کے پاس بیٹھی تھیں۔
چہاردیواری کے قریب اندھیرے میں سرگئی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اور دونوں دوستوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملائے۔ سرگئی اپنے ساتھ والیا کو بھی لایا تھا۔ وہ سب لوگ بہت ہی دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔
"پستول تو میں نہیں لایا،" سرگئی نے کہا۔ "تمہارے مکان کے پیچھےوالے صحن میں پیتلورا فوج

لینے کو تیار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ اسے ایک گھنٹے کی چھٹی دیں گے۔ اس کا انجن ریلوے یارڈ میں کھڑا ہے۔ اسے میں یہ نہیں بتا سکی کہ تم یہاں ہو۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ مجھے اس سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔ لو وہ آ ہی گیا!''

تونیا دروازہ کھولنے کے لئے بھاگی۔ آرتیم دروازے پر کھڑا حیرت سے ہکابکا دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ آرتیم کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد تونیا نے دروازہ بند کر لیا، تاکہ اس کے پاپا جو مطالعہ کے کمرے میں ٹائی فس کے بخار میں مبتلا پڑے تھے، ان لوگوں کی باتیں نہ سن پائیں۔

ایک لمحہ اور گذرا اور پھر آرتیم نے پاویل کو اپنی بانہوں میں اتنا کس کر بھینچ لیا کہ اس کی ہڈیاں چرمرا گئیں۔ آرتیم چیخ اٹھا: ''پاویل! میرا بھیا!''

آخرکار یہ فیصلہ ہو گیا کہ پاویل کو دوسرے دن وہاں سے چلا جانا ہے۔ آرتیم نے اس کا ذمہ لے لیا کہ وہ اس بات کا انتظام کر دے گا کہ بروژاک اسے کازاتن جانےوالی گاڑی پر اپنے ساتھ لیتا جائے۔

آرتیم جو عام طور پر بہت سنجیدہ اور خاموش طبیعت آدمی تھا اس وقت خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا کیوں کہ اتنے دنوں کے بعد اسے اس کا بھائی پھر مل گیا تھا جس کے انجام کے بارے میں

سکوت میں صرف گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔

اس رات اس مکان کے دو مکینوں سے نیند کوسوں دور تھی اور وہ سوتے بھی تو کیسے جب کہ چھ گھنٹے بعد ہی وہ ایک دوسرے سے جدا ہونے والے تھے اور اس کا بھی امکان تھا کہ وہ پھر کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔ اس مختصر سے عرصے میں کیا ان بے شمار خیالات اور جذبات کے اظہار کا تصور بھی کیا جا سکتا تھا جو ان کے دلوں میں طوفان کی طرح امنڈ رہے تھے۔

شباب! پاکیزہ شباب! جبکہ نئے، انجانے جذبے کا محض ایک مبہم سا احساس نبض کی تیز ہوتی ہوئی رفتار میں ہوتا ہے۔ جب آپ کا ہاتھ اتفاقاً اپنی محبوبہ کے سینے سے مس ہوکر دفعتاً خوف زدہ ہوکر کانپنے لگتا ہے اور ادھر ادھر بھٹکنے لگتا ہے۔ اور جب نوجوانی کی مقدس دوستی آپ کو اس آخری قدم سے باز رکھتی ہے! آپ کی گردن کے چاروں طرف محبوبہ کی بانہوں کے لمس اور آپ کے ہونٹوں پر اس کے دھکتے ہوئے بوسے سے زیادہ لطیف احساس اور کون سا ہو سکتا ہے!

اپنی دوستی کے دوران میں یہ صرف دوسری بار تھا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔ پاویل نے مار تو بہت ہاتھوں کی کھائی تھی لیکن پیار اسے اپنی ماں کے علاوہ کسی سے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اس کے وجود کی گہرائیوں تک میں شدت جذبات سے تلاطم سا برپا ہو گیا۔

کے سپاھیوں نے اڈا جما رکھا ھے۔ چاروں طرف ان کی گاڑیاں کھڑی ھوئی ھیں، اور اس کے علاوہ ان لوگوں نے الاؤ بھی جلا رکھا تھا۔ اس لئے پستول اتارنے کےلئے مجھے پیڑ پر چڑھنے کا موقع ھی نہیں ملا۔ مجھے بڑی شرمندگی ھے۔،، سرگئی کو بہت ندامت محسوس ھو رھی تھی۔

''خیر کوئی بات نہیں،، پاویل نے اسے تسلی دیتے ھوئے کہا۔ ''شائد یہ اچھا ھی ھوا کیونکہ اگر راستے میں، میں اس پستول کے ساتھ پکڑا جاتا تو بہت ھی برا ھوتا۔ لیکن خیال رکھنا، موقع ملتے ھی تم اسے لے ضرور لینا۔،،

والیا سرک کر پاویل کے اور قریب آ گئی۔

''کب جا رھے ھو تم؟،،

''کل صبح منہ اندھیرے۔،،

''اچھا یہ تو بتاؤ، تم وھاں سے بھاگ کیسے نکلے؟،،

دبی زبان بڑی تیزی سے بولتے ھوئے پاویل نے انہیں اپنی ساری داستان سنا دی۔ اس کے بعد وہ اپنے ان دونوں ساتھیوں سے رخصت ھوا۔ سرگئی کی غیر معمولی سنجیدگی اس کے جذبات کی شدت کی غمازی کر رھی تھی۔

''اچھا پاویل، ھمیں بھول نہ جانا۔ خدا حافظ،، والیا نے رندھے ھوئے گلے سے کہا۔

اس کے بعد وہ دونوں وھاں سے رخصت ھوئے اور دیکھتے دیکھتے رات کی تاریکی انہیں نگل گئی۔ مکان کے اندر مکمل خاموشی تھی۔ اس مکمل

کی آغوش ہی میں نہ سو جائیں اور پھر تونیا کی ماں انہیں اس عالم میں دیکھ کر ان کے بارے میں بدگمان نہ ہونے لگے، وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

ایک دوسرے کو کبھی نہ بھولنے کا سنجیدہ عہد کرکے جس وقت وہ دونوں سوئے اس وقت افق پر سحر کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

یکاترینا مخائیلوونا نے پاویل کو بہت سویرے جگا دیا۔ وہ اچھل کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ غسل خانے میں جا کر اس نے اپنے کپڑے اور جوتے پہنے اور اوپر سے دولینیک کا کوٹ پہن لیا۔ اسی عرصے میں یکاترینا مخائیلوونا نے تونیا کو بھی جگا دیا۔

صبح کے کہرے کی دودھیا چادر کو چیرتے ہوئے وہ جلدی جلدی اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ جس وقت وہ دونوں پیچھے کے راستے سے گودام پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ آرتیم کوئلے سے لدے ہوئے انجن کے ڈبے کے پاس کھڑا بےقراری سے ان کا انتظار کر رہا ہے۔

سن سن کرتی ہوئی بھاپ کے بادلوں میں چھپا ہوا ایک دیوھیکل انجن دھیرے دھیرے ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ بروزژاک نے انجن کے باھر جھانک کر دیکھا۔

پاویل جلدی جلدی تونیا اور آرتیم سے رخصت ہوا اور پھر انجن کے دروازے پر لگا ہوا لوھے کا ڈنڈا پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ پیچھے مڑ کر اس

زندگی نے ابھی تک اسے اپنا ظالمانہ پہلو ہی دکھایا تھا اور اسے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت اس لڑکی نے اس کو سکھا دیا تھا کہ اصلی مسرت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

پاویل نے اس کی عطربار زلفوں کی خوشبو سونگھی اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اندھیرے میں بھی اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں۔

''مجھے تم سے کس قدر محبت ہے، تونیا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں۔''

اس کے دماغ میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ اس کے لچکدار جسم میں کتنی خودسپردگی تھی... لیکن نوجوانی کی دوستی ایک مقدس امانت ہے۔

''تونیا، جب یہ سب ہنگامہ ختم ہو جائےگا تو مجھے یقیناً کہیں نہ کہیں مستری کا کام مل جائےگا اور اگر تم واقعی مجھے چاہتی ہو اور اگر تم واقعی سنجیدہ ہو اور میرے جذبات کے ساتھ کھیل نہیں رہی ہو تو میں تم سے شادی کر لوں‌گا۔ میں بہت اچھا شوہر ثابت ہوں‌گا۔ میں تمہیں کبھی نہیں ماروں‌گا۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں کروں‌گا جس سے تمہارے دل کو تکلیف ہو۔ میں قسم کھاکے کہتا ہوں۔''

اس ڈر سے کہ کہیں وہ دونوں ایک دوسرے

ہوئے اس شہر کا ہفتہ بھر تک یہ عالم رہا کہ لوگ راتوں کو توپوں کی گھن گرج اور رائفل کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی لوریاں سنتے ہوئے سو جاتے اور صبح کے وقت انہیں سازوں کی دھن پر آنکھ کھولتے۔ صرف رات کے پچھلے پہر کچھ دیر کےلئے یہ شوروغوغا دھیما پڑتا تھا۔ لیکن اس دوران میں بھی گولوں کی دھمک سے یہ سکوت تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹوٹ جاتا تھا کیونکہ اس وقت سورچوں پر قائم‌شدہ چوکیاں ایک دوسرے کی تھاہ لینے کی کوشش کرتی تھیں۔ بڑے تڑکے ہی سے سپاہی ریل کے اسٹیشن پر لگی ہوئی توپوں کے گرد اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔ جوں ہی کوئی توپ انتہائی وحشیانہ انداز میں ڈکار لےکر ایک گولہ اپنے سیاہ دھانے سے اگل دیتی ویسے ہی سپاہی اسے بارود اور آہن کا دوسرا نوالہ کھلانے کےلئے لپک پڑتے۔ ہر بار جب کوئی توپچی توپ کا کھٹکا دباتا تو اس کے قدموں کے نیچے زمین کانپ اٹھتی۔ شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر واقع اس گاؤں کے اوپر سے ہوکر توپ کے گولے سنسناتے ہوئے گذر رہے تھے۔ اس گاؤں پر سرخ فوجوں کا قبضہ تھا۔ گولوں کی آواز میں باقی تمام آوازیں گم ہو جاتی تھیں، اور ان کے گرتے ہی مٹی کے فوارے سے چھوٹنے لگتے تھے۔

سرخ فوجوں کا توپ‌خانہ ایک پرانی پولستانی خانقاہ کے میدان میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ خانقاہ گاؤں کے بیچوں بیچ ایک اونچی سی پہاڑی پر واقع تھی۔

نے دیکھا کہ ریل کی کراسنگ کے پاس دو جانی پہچانی صورتیں کھڑی ہیں - اسے آرتیم کا بلند و بالا جسم اور اس کے برابر ہی تونیا کا چھوٹا سا نازک اور دل فریب جسم صاف نظر آ رہا تھا - ہوا کے تند جھونکے غیظ کے عالم میں تونیا کے بلاؤز کے کالر اور اس کے سرخی مائل بھورے بالوں کو اڑا رہے تھے - اس نے پاویل کی طرف ہاتھ ہلایا -

آرتیم نے کنکھیوں سے تونیا پر ایک نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر کہ وہ بالکل روہانسی ہو رہی ہے اس نے ایک سرد آہ بھری -

''ان دونوں کے درمیان اگر کوئی معاملہ نہ چل رہا ہو تو میں اپنا نام بدل دوں،، اس نے اپنے دل میں کہا - ''اور یہاں میں یہ سمجھتا تھا کہ پاویل ابھی ننھا بچہ ہی ہے -،،

موڑ پر پہنچ کر جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو آرتیم نے تونیا کی طرف مڑ کر کہا: ''تو ہم دونوں کی دوستی آئندہ بھی قائم رہے گی نا؟،، اور تونیا کا ایک چھوٹا سا نازک ہاتھ اس کے بڑے سے پنجے میں کھو گیا -

دور سے گاڑی کے تیز ہونے کی گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی -

ساتواں باب

چاروں طرف سے کھائیوں کے محاصرے سے گھرے ہوئے اور کانٹے دار تاروں کے جال میں پھنسے

شکر کے کارخانے کی اونچی چمنی پر تختے جوڑکر تیار کئے ہوئے مچان پر پیتلورا فوج کا ایک افسر اور ایک ٹیلیفون کرنےوالا آدمی تعینات تھا۔ وہ لوگ چمنی کے اندروالی لوہے کی سیڑھی سے اوپر چڑھے تھے۔

اس اونچی جگہ بیٹھ کر جہاں سے انہیں پورا شہر دکھائی دیتا تھا وہ اپنے توپچیوں کو ہدایات دے رہے تھے۔ شہر کا محاصرہ کرنےوالی سرخ فوج کی ہر نقل و حرکت کو وہ اپنی دوربینوں سے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ آج بالشویکوں کی فوج خاص طور پر سرگرم عمل تھی۔ ایک بکتربند ریل گاڑی رفتہ رفتہ پودولسک اسٹیشن کے قریب پہنچ رہی تھی، اور راستے بھر گاڑی کے اوپر سے مسلسل گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ گاڑی کے اس پار پیدل سپاہیوں کی حملہآور صفوں کا سورچہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کئی بار سرخ فوجوں نے طوفانی ہلے کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لینے کی کوشش کی لیکن شہر کے اطراف کی خندقوں پر پیتلورا کی فوجیں بڑی مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔ خندقوں سے گولیوں کی بوچھار ہوتی اور ساری فضا ایک وحشیانہ شور سے گونج اٹھتی جو بڑھتے بڑھتے ایک مسلسل دھاڑ کی شکل اختیار کر لیتی۔ حملے کے وقت یہ شور اپنی انتہائی حد پر پہنچ جاتا۔ سیسے کی گولیوں کے اس بےپناہ سیلاب کے آگے قدم ٹکانا ناممکن تھا۔ اور اس ناقابل برداشت یلغار کی شدت کی تاب نہ لاکر بالشویکوں کی صفیں پیچھے ہٹ جاتیں، اور جنگ

توپ‌خانے کا فوجی کمیسار کامریڈ زاموستین اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک توپ کے پچھلے حصے پر سر ٹکائے سو رہا تھا۔ اپنی پیٹی کو کستے ہوئے جس سے ایک بھاری ماؤزر پستول لٹک رہا تھا، اس نے گولے کی پرواز کی آواز سنی اور اس کے دھماکے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے بعد خانقاہ کا میدان اس کی پاٹ‌دار آواز سے گونج اٹھا:

”کامریڈ، ہم اپنی باقی نیند کل پوری کریں گے۔ اب اٹھنے کا وقت ہو گیا ہے!“

تمام توپچی اپنی اپنی توپوں کے پاس پڑے سو رہے تھے اور وہ سب بھی کمیسار ہی کی طرح پھرتی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص نہیں اٹھا اور وہ تھا سیدورچوک، اس نے بڑی بے‌دلی سے اپنا سر اٹھایا اور نیند سے بوجھل آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

”سالے سور کہیں کے، ابھی ٹھیک سے اجالا بھی نہیں ہوا اور یہ پھر چالو ہو گئے۔ محض ہمیں جلانے کے لئے، حرامی کہیں کے۔“

زاموستین ہنس دیا۔

”ہاں، سیدورچوک یہ لوگ ہیں بڑے بداخلاق۔ ٹھیک ہے نا؟ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ اس وقت تمہارے سونے کا وقت ہے۔“

وہ توپچی بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

چند منٹ بعد خانقاہ کے میدان میں لگی ہوئی توپیں چالو ہوگئیں اور شہر میں گولے پھٹنے لگے۔

سیلاب کی طرح سڑکوں میں داخل ہونے لگے اور انھوں نے پیتلورا فوج کے بچے کھچے دستوں کو بھی سنگینوں سے حملہ کرکے پسپا کر دیا۔ یہ دستے پیچھے ہٹتی ہوئی فوج کو بھاگ نکلنے کا موقع دینے کےلئے تعینات کئے گئے تھے۔

سرگئی بروژاک کے گھروالوں اور اس کے سب سے قریبی پڑوسیوں نے ایک تہہ خانے میں پناہ لے رکھی تھی۔ لیکن سرگئی بروژاک کو وہاں ٹھہرنے کےلئے کوئی بھی قوت مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی ماں کی منتوں کے باوجود وہ اس سرد تہہخانے سے باہر نکل آیا۔ ایک بکتربند فوجی موٹر اندھادھند گولیاں چلاتی ہوئی اس کے مکان کے قریب سے گڑگڑاتی ہوئی گذری۔ موٹر پر ایک طرف اس کا نام لکھا ہوا تھا: ''ساگائیداچنی۔'' موٹر کے پیچھے پیچھے پیتلورا فوج کے سپاھی بوکھلائے ہوئے لشٹم پشٹم بھاگے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک سپاھی چپکے سے کھسک کر سرگئی کے مکان کے باھروالے صحن میں بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے جلدی جلدی اپنی کارتوسوں کی پیٹی، خود اور رائفل پھینک دی اور پھر چہاردیواری پھاندکر ترکاریوں کے باغیچوں میں غائب ہو گیا۔ سرگئی نے سڑک پر ادھر ادھر نظر دوڑاکر دیکھا۔ جنوب مغربی اسٹیشن کی طرف جانےوالی سڑک پر پیتلورا فوج کے سپاھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔ انہیں بھاگنے کا موقع دینے کےلئے ایک بکتربند موٹر دشمنوں

کے میدان میں اپنے پیچھے جابجا بےحس و حرکت لاشیں چھوڑ جاتی تھیں۔

آج شہر پر پہلے کے مقابلے میں زیادہ شدید اور پے درپے حملے ہو رہے تھے۔ توپ کے گولوں کی صدائے بازگشت سے ساری فضا مرتعش تھی۔ دھوئیں کی چمنی کے اوپر سے بالشویکوں کی صفیں متواتر آگے بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ دفعتاً سپاہی زمین پر اوندھے لیٹ جاتے تھے اور پھر دوسرے لمحہ اٹھ کر کچھ اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ سلسلہ برابر جاری تھا اور انہیں روکنا ناممکن تھا۔ اب کسی بھی دم اسٹیشن پر ان کا قبضہ ہونےوالا تھا۔ پیتلورا فوج کی اس ڈویژن کے پاس سپاہیوں کی جتنی محفوظ طاقت تھی وہ بھی لڑائی میں جھونک دی گئی لیکن ان کے مورچے میں جو شگاف ڈال دیا گیا تھا اسے پر کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اپنا سب کچھ داؤں پر لگا کر پورے عزم کے ساتھ بالشویکوں کی حملہآور صفیں اسٹیشن کے آس پاس کی سڑکوں پر جوق درجوق داخل ہونے لگیں۔ اسٹیشن کی حفاظت کرنےوالی پیتلورا ڈویژن کی تیسری رجمنٹ کو ایک مختصر لیکن زبردست حملے کے بعد شہر کے سرےوالے باغیچوں اور باغوں میں واقع اس کے آخری مورچے پر کراری شکست دی جا چکی تھی اور اب اس کے سپاہی تمام شہر میں تتربتر ہو گئے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ اس حملے کے اثرات پر کسی قدر قابو پاکر کسی نئے مقام پر اپنا مورچہ جماتے سرخ فوج کے سپاہی ایک

کے چہرے پر انتہائی مسرت کے جذبات دیکھ کر وہ رک گیا۔

''پیتلورا کہاں ہے؟،، اس چینی نے زور سے ہانپتے ہوئے اس سے چلا کر پوچھا۔

لیکن سرگئی نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ بھاگ کر اپنے مکان کے باہروالے صحن میں گیا اور کارتوسوں کی پیٹی اور رائفل اٹھا کر جو پیتلورا فوج کا سپاھی وھاں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، تیز قدم رکھتا ھوا سرخ فوج کے سپاھیوں کے پیچھے ھو لیا۔ جنوب مغربی اسٹیشن پر یلغار کرنے کے وقت تک اس پر کسی کی نظر بھی نہ پڑی۔ اس اسٹیشن پر گولے بارود اور دوسرے رسد کے سامان سے لدی ھوئی کئی ریل گاڑیوں کو دشمن کے ھاتھ سے چھڑا کر انہوں نے دشمن کی فوج کو جنگل میں کھدیڑ دیا۔ اس کے بعد وہ آرام کرنے اور اپنی صفوں کو دوبارہ منظم کرنے کےلئے وھاں رک گئے۔ مشین گن چلانےوالے اس نوجوان نے سرگئی کے قریب آ کر تعجب کے ساتھ اس سے پوچھا:

''کامریڈ، تم کہاں رہتے ھو؟،،

''میں یہیں اسی شہر میں رہتا ھوں۔ میں عرصے سے آپ لوگوں کے آنے کا انتظار کر رھا تھا۔،،

تھوڑی ھی دیر میں سرخ فوج کے سپاھی سرگئی کے گرد جمع ھو گئے۔

''میں اسے جانتا ھوں،، چینی نے ٹوٹی پھوٹی روسی میں کہا۔ ''اسی نے 'کامریڈ زندہباد!، کا

سے ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ شہر جانےوالی سڑک بالکل ویران پڑی تھی۔ اتنے میں سرخ فوج کا ایک سپاھی اس سڑک پر تیزی سے بھاگ کر آتا ھوا نظر آیا۔ وہ جھٹ سے زمین پر اوندھا لیٹ گیا اور سڑک کی سمت گولیاں چلانے لگا۔ اس کے پیچھے سرخ فوج کا ایک دوسرا سپاھی نظر آیا اور پھر تیسرا اور... سرگئی انہیں آتا ھوا دیکھ رھا تھا۔ وہ کمر دوھری کئے بھاگے آ رھے تھے، اور دوڑتے ھوئے بھی گولیاں چلا رھے تھے۔ ایک چینی سپاھی دونوں ھاتھوں میں دستی بم لئے سیدھا تن کر بغیر جھکے بھاگا آ رھا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ کانسے کا سا تھا اور اس کی آنکھیں خون‌آلود تھیں۔ وہ صرف ایک بنیان پہنے تھا اور اس کی کمر کے گرد مشین گن کے کارتوسوں کی پیٹیاں لپٹی ھوئی تھیں۔ ان سب کے آگے سرخ فوج کا ایک سپاھی چھوٹی مشین گن لئے چلا آ رھا تھا۔ وہ بھی بالکل لڑکا ھی سا تھا۔ شہر میں داخل ھونےوالی پہلی سرخ فوجوں کو دیکھ کر سرگئی کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔ وہ لپک کر سڑک پر آ گیا اور اپنی پوری آواز کے ساتھ چلایا:

”کامریڈ زندہ باد!“

وہ اتنے اچانک جھپٹ کر باھر نکلا تھا کہ چینی سپاھی کی ٹکر سے وہ زمین پر گرتے گرتے بچا۔ سرخ فوج کے اس سپاھی کا پہلا ردعمل تو یہ ھوا کہ وہ اس لڑکے پر ٹوٹ پڑے لیکن پھر اس

''سرگئی، میں کہتی ہوں، اسی دم گھر واپس آ جاؤ!،، اس نے چلا کر کہا۔ ''بدمعاش آوارہ چھوکرے، میں ابھی تیرا دماغ درست کئے دیتی ہوں۔ ابھی لڑائی کا سارا سزا معلوم ہو جائےگا!،، یہ کہتی ہوئی وہ اپنے بیٹے کو واپس لے آنے کے پختہ ارادے سے سڑک پر جا پہنچی۔

لیکن اس بار سرگئی نے، اس کے سرگئی نے جس کے کان وہ بارہا اینٹھ چکی تھی، اپنی ماں کو سختی کی نظروں سے دیکھا اور شرم اور توہین کے احساس سے تلملا کر اسے جھڑک کر کہا:

''چلا کیوں رہی ہو۔ میں یہیں رہوں گا جہاں ہوں۔،، اور بغیر رکے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

آنتونینا واسیلیونا غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گئی۔

''ماں کے ساتھ ایسے برتاؤ کیا جاتا ہے! خبردار اب گھر میں قدم رکھنے کی ہمت نہ کرنا!،،

''اچھا، نہیں رکھوں گا،، سرگئی نے مڑے بغیر ہی چلا کر کہا۔

آنتونینا واسیلیونا بالکل بوکھلائی ہوئی سڑک پر کھڑی رہی۔ سر سے پاؤں تک گرد میں اٹے ہوئے، دھوپ سے سنولائے ہوئے سپاہی صف بہ صف اس کے قریب سے ہوکر گذر رہے تھے۔

''اماں، روؤ نہیں! ہم تمہارے بیٹے کو کمیسار بنا دیں گے!،، کسی نے خوش مزاجی سے مضبوط گونجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ساری پلٹن

نعرہ لگایا تھا۔ یہ بالشویک ہے۔ ہمارا ساتھی ہے۔
بڑا نیک لڑکا ہے،، اس نے تعریف کے انداز میں
سرگئی کے کندھے پر ہاتھ مارکر مسکراتے ہوئے کہا۔
خوشی کے سارے سرگئی کا دل بلیوں اچھل رہا
تھا۔ ان لوگوں نے اسے فوراً اپنی صفوں میں شامل کر
لیا تھا، اسے اپنے ہی ایک ساتھی کی طرح ساتھ لے
لیا تھا۔ اور ان کے دوش بدوش لڑتے ہوئے اس نے
سنگینوں کی لڑائی میں اسٹیشن پر قبضہ کیا تھا۔
شہر میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ سخت
آزمائش کے دور سے اکتائے ہوئے شہری کوٹھریوں
اور تہہ‌خانوں سے نکل نکل کر شہر میں سرخ فوج
کے دستوں کو آتے دیکھنے کےلئے اپنے اپنے مکانوں
کے سامنے پھاٹکوں پر آ کھڑے ہوئے۔ یہیں سے
سرگئی کی ماں اور اس کی بہن والیا نے اسے سرخ فوج
کی صفوں میں دوسرے سپاہیوں کے ساتھ قدم ملا کر
مارچ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے سر پر ٹوپی تو نہیں
تھی لیکن کمر میں کارتوسوں کی پیٹی پڑی ہوئی
تھی اور اس کے کندھے پر ایک رائفل لٹک رہی تھی۔
آنتونینا واسیلیونا نے شدید خفگی کے انداز میں
اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دئے۔
تو اس کا سرگئی بھی اس لڑائی کے جھمیلے
میں پھنس گیا تھا! اسے اس حرکت کا خمیازہ بھگتنا
پڑےگا! ذرا سوچنے کی بات ہے، سارے شہر میں سب
کے سامنے رائفل لئے اتراتا پھر رہا ہے! بعد میں یقیناً
کوئی مصیبت آئےگی۔ آنتونینا واسیلیونا اپنے اوپر اور
زیادہ قابو نہ رکھ سکی۔



میں بے ساختہ ہنسی کی لہر دوڑ گئی۔ کمپنی کے آگے کچھ آوازوں نے سر ملا کر ترانہ چھیڑا:

ساتھیو، ڈھل بج رہے ہیں
جنگ کے لئے اپنے ھتھیار اٹھا لو
بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے ہم لوگ
آزادی کے دیس میں پہنچ جائیں گے۔

تمام سپاھی اس پرجوش کورس میں شریک ہو گئے۔ اور سرگئی کی گونجتی ہوئی آواز بھی اس تیز تر ھوتی ہوئی لے میں شامل ھو گئی۔ اسے ایک نیا کنبہ مل گیا تھا۔ اس کنبے میں ایک سنگین اس کی، سرگئی کی، بھی تھی۔

ایش چینسکی کے مکان کے پھاٹک پر سفید دفتی کی ایک چھوٹی سی تختی لٹک رہی تھی جس پر یہ مختصر عبارت لکھی ہوئی تھی: ''انقلابی کمیٹی۔'' تختی کے برابر ایک پرکشش پوسٹر لگا ہوا تھا جس میں سرخ فوج کا ایک سپاھی ھر پڑھنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا اور اس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ وھاں مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے:

''کیا تم سرخ فوج میں بھرتی ھو گئے ھو؟''

سیاسی محکمے کے لوگوں نے رات بھر محنت کرکے تمام شہر میں یہ پوسٹر چپکائے تھے۔ پوسٹر کے قریب ھی شیپیتوفکا کے محنت کش عوام کے نام انقلابی کمیٹی کا پہلا اعلان نامہ چپکا ہوا تھا:

ساتھیو! مزدوروں کی فوج نے اب اس شہر پر قبضہ کر لیا ہے! سوویت اقتدار دوبارہ قائم ہو گیا ہے۔ ہم آپ سے امن واماں قائم رکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ خونخوار قاتلوں کو بھگا دیا گیا ہے۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ اب پھر کبھی لوٹ کر نہ آنے پائیں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ انہیں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا جائے تو سرخ فوج میں بھرتی ہو جائیے۔ محنت کشوں کی حکومت کو اپنا پورا تعاون دیجئے۔ اس شہر کا فوجی اقتدار محافظ شہر فوج کے سپہ‌سالار کے ہاتھ میں ہے۔ غیر فوجی شہری معاملات کا انتظام انقلابی کمیٹی کرےگی۔

بقلم: دولینیک،
صدر، انقلابی کمیٹی۔،،

لیش‌چینسکی کے مکان میں ایک نئی قسم کے لوگ نظر آنے لگے۔ اب ہر شخص کی زبان پر وہی لفظ ''کامریڈ،، تھا جسے کہنے کے جرم میں ابھی کل تک لوگوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ کتنا ناقابل بیان حد تک دل‌گداز تھا یہ لفظ ''کامریڈ،،!

ان دنوں دولینیک کو آرام کرنے یا سونے کےلئے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ بڑھئی انقلابی حکومت قائم کرنے میں مصروف تھا۔

''اب وہ دن ہمیشہ کےلئے گذر گئے اور کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے،، اس نے پولستانی زبان میں بولتے ہوئے اعلان کیا۔ اپنے الفاظ کو زیادہ موثر بنانے کےلئے وہ بیچ بیچ میں میز پر کس کر مکا مارتا تھا۔ ''اتنا ھی کیا کم ھے کہ ھم لوگ اور ھمارے آبا و اجداد عمر بھر پوتوتسکی کی غلامی کرتے رھے۔ ھم نے اس کےلئے محل تعمیر کئے اور اس کے معاوضے میں ھز ھائی نیس کاؤنٹ صاحب نے ھمیں جو کچھ دیا وہ صرف اتنا تھا کہ ھم بھوک سے مرنے نہ پائیں۔

''کتنے عرصے تک پوتوتسکی گھرانے کے کاؤنٹ اور سانگوشکو گھرانے کے شہزادے ھماری گردنوں پر سوار رھے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ پوتوتسکی گھرانوں کے حکمرانوں نے جس طرح روسیوں اور یوکرینیوں کو کچلا اسی طرح انہوں نے لاتعداد پولستانی مزدوروں کو بھی پیس ڈالا؟ لیکن پھر بھی کاؤنٹ کے گرگوں نے اب انہیں مزدوروں کے درمیان یہ افواہ پھیلا رکھی ھے کہ سوویت طاقت ان سب پر بہت سخت گیری اور استبداد کے ساتھ حکومت کرے گی۔

''ساتھیو، یہ سراسر جھوٹ ھے! مختلف قوموں کے محنت کشوں کو اب سے پہلے کبھی بھی اتنی آزادی میسر نہ تھی۔ تمام مزدور آپس میں بھائی بھائی ھیں۔ جہاں تک ان رئیس زادوں کا سوال ھے ھم ان کا سر کچل کر رکھ دیں گے۔ آپ کو اس کے بارے میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ھونا چاھئے۔،، اس نے ایک بار پھر اپنا ھاتھ زور سے

ایک چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر کاغذ کا ایک ٹکڑا چپکا ہوا تھا جس پر پنسل سے موٹے موٹے حروف میں لکھا تھا: ''پارٹی کمیٹی''۔ اس کمرے میں کامریڈ اگناتیئوا بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور مطمئن تھی۔ سیاسی محکمے نے اس کے اور دولینیک کے ذمے سوویت اقتدار کے مختلف ادارے قائم کرنے کا کام سپرد کیا تھا۔

ایک ھی دن بعد وھاں میزوں پر دفتر کے کارکن بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک ٹائپ رائٹر بڑی تیزی سے کھٹ کھٹ کر رھا تھا۔ تیژیتسکی یوں تو بہت جلدی گھبرا جاتا تھا لیکن اس کی دوڑ بھاگ کرنے کی صلاحیت اور سوجھ بوجھ سے کسی کو بھی انکار نہیں تھا۔ اس کے ماتحت غذا اور رسد کا محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ اب چونکہ شہر میں سوویت اقتدار کے قدم مضبوطی سے جم چکے تھے، اس لئے تیژیتسکی نے جو اس سے پہلے شکر کے مقامی کارخانے میں مستری کا مددگار تھا، پختہ ارادے کے ساتھ اس کارخانے کے بڑے عہدیداروں کے خلاف جہاد بول دیا۔ کارخانے کے عہدیداروں کے دلوں میں بالشویکوں کےلئے شدید نفرت تھی اور وہ موقع کی تاک میں چپ چاپ دم دبائے اپنے دن پھرنے کا انتظار کر رھے تھے۔

شکر کے کارخانے کے مزدوروں کی ایک میٹنگ میں اس نے بلا کسی لحاظ اور مروت کے بہت ھی سخت الفاظ میں صورتحال کا خلاصہ بیان کیا:

ساتھیو، ہمارا بھی جی کھول کر خوشیاں منانے کا وقت جلد آئےگا۔ صرف ایک بات کا خیال رکھئےگا کہ ان چھپے ہوئے ناگوں کی زہریلی باتوں پر کان نہ دھرئےگا۔ آئیے ہم محنت کشوں کے نصب‌العین ہی کو اپنا عقیدہ بنا لیں، اور پھر ہم دنیا کی تمام قوموں کے درمیان برادرانہ تعلقات قائم کر سکیں‌گے!،،

یہ الفاظ بڑے خلوص اور جوش کے ساتھ کہے گئے تھے اور وہ اس سیدھے سادے مزدور کے دل کی گہرائی سے نکلے تھے۔ مجمع کے نوجوان افراد کی پرجوش صدائے تحسین و آفرین کے ساتھ وہ ڈائس سے نیچے اترا۔ لیکن نسبتاً معمر مزدور کچھ کہنے سے ھچکچا رہے تھے۔ کون جانے کس دن بالشویکوں کو شہر چھوڑ دینا پڑے اور پھر جو لوگ وہاں رہ جائیں‌گے انہیں جلدبازی میں کہے ہوئے ایک ایک لفظ کےلئے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اگر پھانسی نہ بھی دی گئی تب بھی نوکری سے تو ضرور ہی ہاتھ دھونا پڑےگا۔

چھریرے سڈول جسم‌والا چرنوپیسکی جو محکمہ تعلیم کا کمیسار مقرر کیا گیا تھا، اس وقت تک اس علاقے کا واحد مدرس تھا جو بالشویکوں کے ساتھ آیا تھا۔

انقلابی کمیٹی کے دفتر کے سامنے اسپشل ڈیوٹی کمپنی کا ڈیرہ جما تھا۔ اس کمپنی کے سپاہیوں کی ڈیوٹی انقلابی کمیٹی میں لگی تھی۔ رات کے وقت انقلابی کمیٹی کے دفتر کے پھاٹک کے قریب باغ میں ایک مشین گن ہر وقت تیار رکھی جاتی تھی

گھما کر میز کے سرے پر مکا مارا۔ ''وہ کون لوگ هیں جنھوں نے بھائی کو بھائی کا خون بہانے پر مجبور کیا؟ صدیوں تک بادشاہ اور نواب پولستانی کسانوں کو ترکوں کے خلاف لڑنے کےلئے بھیجتے رہے۔ انھوں نے همیشه ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف بھڑکایا هے۔ ذرا سوچئے ان لوگوں کی وجه سے کتنی خون‌ریزی اور تباهی هوئی هے۔ اور ان سب چیزوں سے فائدہ کسے پہنچا؟ بہرحال همیں نہیں۔ لیکن اب یه سلسله جلد ختم هو جائےگا۔ ان نابدان کے کیڑوں کا اب آخری وقت آ گیا هے۔ بالشویکوں کے اس ایک نعرے نے ''دنیا کے مزدورو، ایک هو جاؤ!'' سرمایه‌داروں کے دلوں میں دهشت بٹھا دی هے۔ اس نعرے میں هماری نجات کا راز پوشیدہ هے۔ اسی نعرے میں همارے روشن مستقبل کی امید پنہاں هے۔ اس دن کی امید جب دنیا کے تمام محنت کش ایک دوسرے کے بھائی هوں‌گے۔ ساتھیو! کمیونسٹ پارٹی میں شامل هو جائیے!

''ایک دن وہ آئےگا جب پولینڈ میں بھی جمہوریت قائم هوگی۔ لیکن وہ سوویت جمہوریت هوگی، جس میں پوتوتسکیوں کےلئے کوئی جگه نہیں هوگی کیوں که هم انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں‌گے اور اس سوویت پولینڈ کے مالک هم خود هوں گے۔ آپ سب لوگ برونک پتاشنسکی کو تو جانتے هی هوں‌گے؟ انقلابی کمیٹی نے اسے همارے کارخانے کا کمیسار مقرر کیا هے۔ ''اب تک هم کچھ بھی نہیں تھے۔ لیکن اب سب کچھ همیں هوں گے۔''

سرگئی نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔
''لیکن اس کمپنی میں میرے کام کا کیا ہوگا؟،،
''وہ سب ٹھیک ہو جائےگا۔ ہم اس کا انتظام کر لیںگے،، دولینیک نے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے گردن گھما کر کہا۔

دو ہی دن بعد شام کے وقت یوکرین کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مقامی کمیٹی کی داغ بیل پڑ گئی۔

سرگئی اپنی اس نئی زندگی کے طوفان میں دل و جان سے کود پڑا جس نے اچانک بڑی تیزرفتاری سے اس کو اپنے گرداب میں لے لیا تھا۔ یہ نئی زندگی اس کے پورے وجود میں اتنے مکمل طور پر سرائت کر گئی تھی کہ وہ اپنے گھروالوں کو بالکل ہی بھول گیا، حالانکہ وہ اس کے اتنا قریب رہتے تھے۔

وہ، سرگئی بروژاک، اب ایک بالشویک تھا۔ تقریباً دسویں بار اس نے اپنی جیب سے یوکرینی کمیونسٹ پارٹی کی کمیٹی کا جاری کیا ہوا وہ کاغذ نکالا جس پر یہ سند درج تھی کہ وہ یعنی سرگئی کمسومول ممبر ہے اور کمسومول کمیٹی کا سکرٹری ہے۔ اور اگر کسی کو اس بات پر شبہہ ہو تو اس کی تسکین کےلئے اس کے پاس وہ مین‌لیکر پستول تھا، اس کے عزیز دوست پاویل کا تحفہ، جو کرمچ کے خول میں اس کی ٹیونک کی پیٹی سے ہر وقت لٹکتا رہتا تھا۔ اس رعب‌دار پستول کے آگے اور کسی سند کی ضرورت نہیں تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس وقت پاویل بھی وہاں ہوتا!

جس کی نال کے بعدوالے حصے سے گولیوں کی ایک لمبی پیٹی لٹکتی رہتی تھی۔ دو سپاھی رائفلیں لےکر رات بھر اس کے قریب کھڑے پہرہ دیتے تھے۔

انقلابی کمیٹی کے دفتر جاتے وقت کامریڈ اگناتیئوا ان میں سے ایک کے پاس گئی جو کہ سرخ فوج کا نوجوان سپاھی تھا، اور اس سے پوچھا:

''کامریڈ، تمھاری عمر کیا ھے؟،،

''یہی تقریباً سترہ سال۔،،

''کیا تم یہیں رھتے ھو؟،،

سرخ فوج کے سپاھی نے مسکراکر کہا:

''ھاں' میں ابھی پرسوں ھی لڑائی کے دوران میں فوج میں بھرتی ھوا ھوں۔،،

اگناتیئوا نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

''تمھارے باپ کیا کرتے ھیں؟،،

''وہ ایک انجن ڈرائیور کے مددگار ھیں۔،،

اسی وقت دولینیک وھاں آیا، اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا جو فوجی وردی پہنے ھوئے تھا۔

''اچھا ھوا کہ تم آ گئے،، اگناتیئوا نے دولینیک سے مخاطب ھوکر کہا۔ ''کمسومول کی ضلع کمیٹی کے کام کی ذمہ داری سونپنے کےلئے مجھے نہایت معقول لڑکا مل گیا ھے۔ یہ یہیں کا رھنےوالا ھے۔،،

دولینیک نے تیزی سے سرگئی پر ایک نظر ڈالی کیونکہ اگناتیئوا کی مراد اسی سے تھی۔

''ارے ھاں۔ تم زاخار کے لڑکے ھو نا؟ اچھی بات ھے، بس کام شروع کردو۔ نوجوانوں کو ذرا جوش دلا دو۔،،

ایک خاکی رنگ کی نئی ٹیونک پہنے ہوئے تھی جس
کی کمر پر چمڑے کی ایک پتلی سی پیٹی بندھی
ہوئی تھی۔ اس نے سرگئی کو اس کے کام کے
متعلق بہت سی مفید باتیں بتائیں اور آئندہ بھی اس کی
مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے رخصت ہونے سے
پہلے اس نے اسے اخباروں اور کتابوں کا ایک بڑا
سا بنڈل دیا جس میں ایک کتابچہ خاص طور پر اہم
تھا جس میں کمسومول کا پروگرام اور قواعد و ضوابط
درج تھے۔

اس دن بہت رات گئے جب سرگئی انقلابی کمیٹی
کے دفتر واپس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ والیا باہر
بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی!" وہ چلا پڑی۔ "آخر
تمہارا مطلب کیا ہے؟ اتنے دنوں سے اس طرح گھر
سے غائب ہو؟ ماں رو رو کر اپنا کلیجہ نکالے دے رہی
ہے۔ اور بابا بھی تم سے بہت خفا ہیں۔ گھر
چلو، دیکھو کیسا جھگڑا ہوتا ہے۔"

"خیر سو تو نہیں ہونے کا" اس نے والیا
کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس گھر
جانے کا بالکل وقت نہیں ہے۔ سچ کہتا ہوں، ذرا
بھی فرصت نہیں ہے۔ آج رات بھی میں گھر نہ
آسکوں گا۔ لیکن بڑا اچھا ہوا کہ تم آ گئیں کیوں کہ
مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ آؤ اندر
چلیں۔"

والیا اپنے بھائی کو مشکل ہی سے پہچان سکی۔
وہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس میں جوش ابلا پڑ رہا تھا۔

سرگئی کا تمام‌تر وقت انقلابی کمیٹی کے سپرد کئے ہوئے فرائض کو پورا کرنے میں نکل جاتا تھا۔ آج بھی اگناتیئوا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس ڈویژن کے سیاسی محکمے سے انقلابی کمیٹی کےلئے اخبارات اور کتابیں لانے کےلئے ان دونوں کو اسٹیشن جانا تھا۔ سرگئی جلدی سے اس عمارت سے نکل کر سڑک پر آیا جہاں سیاسی محکمے کا ایک آدمی موٹر لئے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

پہلی سوویت یوکرینی ڈویژن کا سیاسی محکمہ اور اس کا ہیڈکوارٹر اسٹیشن پر ریل کے کچھ ڈبوں میں قائم کیا گیا تھا۔ اسٹیشن تک کا طویل راستہ طے کرنے کے دوران میں اگناتیئوا نے سرگئی سے بہت سے سوال پوچھے:

"تمہارا کام کیسا چل رہا ہے؟ کیا تم نے اپنی تنظیم بنا لی ہے؟ تمہیں اپنے دوستوں، مزدوروں کے بچوں کو کمسومول میں شریک ہونے کےلئے تیار کرنا چاہئے۔ ہمیں بہت جلدی کمیونسٹ نوجوانوں کی ایک ٹولی کی ضرورت ہوگی۔ کل ہم کمسومول کی طرف سے ایک پرچہ لکھ کر شائع کروائیں گے۔ پھر ہم تھیٹر کے ہال میں نوجوانوں کی ایک بہت بڑی میٹنگ کریں گے۔ سیاسی محکمے میں پہنچ کر میں ابھی تمہارا تعارف استینووچ سے کرا دوں گی۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو وہ بھی نوجوانوں کے درمیان کام کر رہی ہے۔"

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ استینووچ کٹے ہوئے سیاہ بالوں‌والی ایک اٹھارہ سالہ لڑکی ہے۔ وہ

''والیا، تم ماں کی فکر نہ کرو،، سرگئی نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ بات سمجھتی نہیں ہے۔ وہ تو بس یہ چاہتی ہے کہ اس کے تمام بچے دن بھر اسی کے پاس بیٹھے رہیں۔ لیکن وہ سوویت حکومت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے برخلاف وہ پوری طرح اس کے حق میں ہے۔ لیکن وہ چاہتی یہ ہے کہ لڑنے کا کام دوسروں کے بیٹے کریں۔ تمہیں بتاؤ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے؟ تمہیں یاد ہے، ژوخرائی نے ہمیں کیا بتایا تھا؟ اور پاویل ہی کو دیکھو، وہ اپنی ماں کے متعلق سوچنے کےلئے رک نہیں گیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم نوجوان اپنے اس حق کےلئے لڑیں کہ ہم اپنی زندگی کو کسی لائق بنا سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کروگی۔ کیوں والیا؟ ذرا سوچو تو کتنا اچھا رہےگا۔ تم لڑکیوں کے بیچ میں کام کرنا اور میں لڑکوں میں کام کروں گا۔ ہاں اچھا یاد آیا۔ میں اس لال بالوں والے شیطان کلیمکا کو آج ہی گھیروں گا۔ اچھا والیا تو تم کیا کہتی ہو؟ تم ہمارے ساتھ ہو یا نہیں؟ میرے پاس یہ ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جس سے تمہیں اس کی بابت سب کچھ معلوم ہو جائےگا۔،،

اس نے کمسومول کے قواعد و ضوابط کی کتاب اپنی جیب سے نکال کر اسے دے دی۔

''لیکن اگر پیتلورا پھر واپس آ گیا تو؟،، والیا نے اس سے دبی زبان میں پوچھا۔ اس کی آنکھیں اپنے بھائی کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

جوں ھی وہ اندر جاکر بیٹھی سرگئی نے فوراً کام کی بات شروع کر دی:

''والیا دیکھو، بات یہ ھے کہ تمہیں کمسوسول میں شامل ھونا ھے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم ھوگا کہ یہ ھے کیا چیز؟ میرا مطلب ھے نوجوان کمیونسٹ لیگ۔ یہاں اس جماعت کا کام میرے ھی ذمے ھے۔ کیوں تمہیں یقین نہیں آ رھا ھے؟ اچھا تو لو یہ دیکھو!''

والیا نے وہ کاغذ پڑھا اور حیرت‌زدہ ھوکر اپنے بھائی کو دیکھنے لگی۔

''کمسوسول میں میں کیا کروں گی؟''

سرگئی نے اپنے دونوں ھاتھ پھیلاکر کہا:

''میری پیاری بہن، کام تو ڈھیروں ھے۔ مجھے ھی دیکھو، میں کام میں اتنا پھنسا رھتا ھوں کہ مجھے رات کو سونے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ ھمیں پروپگنڈا کا کام کرنا ھے۔ اگناتیئوا کہتی ھے کہ جلد ھی ھم لوگ تھیٹر کے ھال میں ایک میٹنگ کریں گے جس میں سوویت اقتدار کے بارے میں بتایا جائےگا۔ اس نے کہا ھے کہ مجھے وھاں تقریر کرنی ھوگی۔ میری رائے میں تو یہ غلط ھوگا کیوں کہ مجھے تقریر کرنی آتی ھی نہیں۔ میں یقیناً سب کچھ گوڑ کے رکھ دوں گا۔ اچھا تو بتاؤ کمسومول میں شریک ھونے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ھے؟''

''میں کیا بتاؤں میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اگر میں شامل ھو گئی تو ماں مجھ پر بہت ناراض ھوگی۔''

اگناتیئوا ایک میز کے سرے پر بیٹھی ہوئی بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"ہاں"، اس نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہی سب سے اچھا ہوگا۔"

شہر بھر میں جو اعلان چپکائے گئے تھے انہیں پڑھ کر بہت سے نوجوان تھیٹر میں جمع ہو گئے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور اُن نوجوانوں کی پرجوش گفتگو سے شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح گونج رہا تھا۔ شکر کے کارخانے کے مزدوروں کا ایک دستہ بینڈ بجا رہا تھا۔ سامعین کو جن میں بیشتر شہر کے ہائی اسکول اور ثانوی اسکول کے طالب علم تھے میٹنگ سے زیادہ دلچسپی گانے بجانے کے اس پروگرام سے تھی جو میٹنگ کے بعد ہونے والا تھا۔

آخرکار پردہ اٹھا۔ ضلع کمیٹی کے سکرٹری کامریڈ رازین جو اسی وقت وہاں پہنچے تھے، اسٹیج پر آئے۔

سب کی نظریں اس پستہ قد دبلے پتلے اور چھوٹی سی نکیلی ناک والے شخص کی طرف اٹھ گئیں اور سب نے اس کی تقریر بڑے غور سے سنی۔ اس نے ان لوگوں کو جدوجہد کی اس طوفانی لہر کے بارے میں بتایا جو تمام ملک پر چھا گئی تھی، اور اس نے نوجوانوں کو کمیونسٹ پارٹی کی مدد کے لئے مجتمع ہونے کی دعوت دی۔ اس نے ایک کہنہ مشق مقرر کی طرح تقریر کی۔ لیکن اپنی تقریر کے دوران میں

یہ خیال تو سرگئی کے دماغ میں بھی ابھی تک نہیں آیا تھا اور وہ ایک لمحے تک اس سوال کے بارے میں سوچتا رہا۔

''مجھے تو خیر اوروں کے ساتھ یہاں سے چلا ھی جانا پڑےگا،، اس نے کہا۔ ''لیکن تمہارا کیا ہوگا؟ ھاں اس سے ماں کو دکھ تو بہت ھوگا۔،، یہ کہہ کر وہ خاموش ھو گیا۔

''سرگئی، کیا تم مجھے اس طرح ممبر نہیں بنا سکتے کہ ماں کو یا کسی اور کو کچھ پتہ نہ چلے؟ صرف تم کو اور مجھ کو یہ بات معلوم ھو؟ مدد تو میں تب بھی اتنی ھی کر سکونگی۔ وھی سب سے اچھا طریقہ ھوگا۔،،

''والیا، میں بھی سمجھتا ھوں کہ تمہارا کہنا ٹھیک ھے۔،،

اسی وقت اگناتیئوا کمرے میں داخل ھوئی۔

''کامریڈ اگناتیئوا، یہ میری چھوٹی بہن والیا ھے۔ میں ابھی اس سے کمسومول میں شامل ھونے کی بات کر رھا تھا۔ یہ ھماری جماعت کےلئے نہایت معقول ممبر ھوگی۔ لیکن بات یہ ھے کہ ھماری ماں شائد کچھ رکاوٹ ڈالے۔ کیا ھم ایسا نہیں کر سکتے کہ ھم والیا کو ممبر بنا لیں اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ھونے پائے؟ دیکھئے بات یہ ھے کہ شائد ھمیں کبھی یہ شہر چھوڑنا پڑے، میں تو خیر فوج کے ساتھ چلا ھی جاؤنگا لیکن والیا کو ڈر ھے کہ اس صورت میں ماں کو بڑی تکلیف ھوگی۔،،

پر وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اور اس نے مجمع پر ایک غصے کی نظر ڈالی۔ مجمع میں استینووچ کی بات تقریباً بالکل ہی نہیں سنی گئی۔ سرگئی نے زالیوانوف کو لیزا سخارکو کے کان میں کچھ کہتے دیکھا۔ زالیوانوف اسٹیج پر کھڑی ہوئی سقرورہ کو بڑی حقارت‌آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اگلی قطار میں ثانوی اسکول کی سینئر لڑکیاں چہروں پر پوڈر تھوپے مصنوعی شرم کے ساتھ ادھر ادھر نظریں ڈال رہی تھیں اور آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ دور کونے میں اسٹیج کے پیچھے‌والے دروازے کے قریب سرخ فوج کے نوجوان سپاہیوں کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ ان لوگوں میں سرگئی نے مشین گن چلانے‌والے نوجوان کو بھی دیکھا۔ وہ اسٹیج کی کگر پر بیٹھا ہوا گھبراہٹ میں پہلو بدل رہا تھا اور شوخ پوشاک میں ملبوس لیزا سخارکو اور آنا آدموفسکایا کو کھلی ہوئی نفرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں بڑی بے‌حیائی سے ان نوجوانوں کے ساتھ محو گفتگو تھیں جو ان کے ساتھ وہاں آئے تھے۔

یہ محسوس کرکے کہ اس کی بات کوئی نہیں سن رہا ہے استینووچ جلدی سے اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اگناتیئوا بولنے کےلئے کھڑی ہوئی۔ اس کے پرسکون باوقار انداز کو دیکھ‌کر بے‌چین مجمع خاموش ہو گیا۔

”ساتھیو!“ اس نے بولنا شروع کیا۔ ”میں آپ سب سے درخواست کرتی ہوں کہ یہاں جو باتیں

اس نے ”تقلید پسند مارکسی“، ”سوشل جارحانہ قوم پرست“ وغیرہ قسم کی اصطلاحوں کا بڑی کثرت سے استعمال کیا جنہیں اس کے سننےوالے بالکل ھی نہیں سمجھتے تھے۔ پھر بھی جس وقت اس نے اپنی تقریر ختم کی ان سب نے بڑے جوش کے ساتھ تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد دوسرے مقرر کا تعارف کراکے وہ چلا گیا۔ یہ دوسرا مقرر سرگئی تھا۔

وھی ھوا جس کا سرگئی کو ڈر تھا۔ اس وقت جب کہ وہ سامعین کے سامنے کھڑا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رھا تھا کہ کیا کہے۔ کچھ دیر تک تو وہ عجیب شش و پنج میں مبتلا رھا لیکن اگناتیئوا نے اس کی پریشانی دور کر دی۔ مجلس صدارت میں اپنی جگہ بیٹھے ھی بیٹھے اس نے چپکے سے اشارہ دیا:

”انہیں مرکزہ کی تنظیم کے بارے میں بتاؤ۔“

اشارہ پاتے ھی سرگئی مطلب کی بات پر آ گیا۔

”ساتھیو، اس سلسلے میں جو کچھ کہنا تھا وہ تو سب کچھ آپ کے سامنے کہا جا چکا ھے۔ اب ھمیں جو کام کرنا ھے وہ ایک مرکزہ کی تنظیم ھے۔ کون کون اس کے حق میں ھے؟“

مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اس جمود کو توڑنے کےلئے استینووچ تقریر کرنے آئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے وھاں بیٹھے ھوئے نوجوانوں کو بتایا کہ ماسکو میں نوجوانوں کو کس طرح منظم کیا جا رھا تھا۔ اس دوران میں سرگئی الجھن اور پریشانی کے عالم میں ایک طرف کھڑا رھا۔

مرکزہ کی تنظیم کے سوال پر مجمع کے ردعمل

20*

کر سکا۔ لیکن یہ سمجھنے کےلئے کہ آج کی حالت میں کس چیز کی ضرورت ہے اسے کالج کی تعلیم کی ضرورت نہیں پڑی۔،،

تمام ہال میں شور مچنے لگا۔ ایک نوجوان نے، جس کے بال بڑے سلیقے کے ساتھ سنورے ہوئے تھے، بولنے کی اجازت مانگی۔ اس کا نام اوکوشیف تھا۔ وہ ثانوی مدرسے میں پڑھتا تھا اور مقامی دوافروش کا بیٹا تھا۔ اپنا کوٹ درست کرتے ہوئے اس نے بولنا شروع کیا:

''ساتھیو، آپ مجھے معاف کیجئےگا۔ لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ ہم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہم سیاست میں حصہ لینے لگیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہم لوگ پڑھیںگے کب؟ ہمیں اپنی ثانوی تعلیم بھی تو پوری کرنی ہے۔ اگر کوئی کھیل کود کی انجمن ہوتی یا کوئی ایسا کلب منظم کیا جا رہا ہوتا جہاں ہم سب لوگ جمع ہوکر پڑھتے تو وہ دوسری بات تھی۔ لیکن سیاست میں حصہ لینے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم آگے چل کر پھانسی پر لٹکا دئے جانے کا خطرہ مول رہے ہیں۔ آپ میری بات کا برا نہ مانیں۔ لیکن میرے خیال میں کوئی بھی آپ سے اتفاق نہیں کرےگا۔،،

اسٹیج سے کودکر جوں ہی اوکوشیف اپنی جگہ پر بیٹھا ہال میں قہقہہ پڑ گیا۔ اس کے بعد مشین گن چلانےوالے نوجوان کی باری تھی۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی ٹوپی غصے سے ماتھے پر آگے

کہی گئی ہیں ان پر آپ غور کریں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو صرف تماشبین نہیں رہیں گے بلکہ انقلاب میں سرگرمی سے حصہ لیں گے۔ آپ سب کا استقبال کرنے کے لئے دروازے کھلے ہیں۔ فیصلہ آپ پر منحصر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں کو بھی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سنیں۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ میں سے جس کسی کو بھی کچھ کہنا ہو وہ یہاں ڈائس پر آ جائے۔''

ہال میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ اتنے میں پیچھے سے کسی کی آواز آئی:

''میں بولنا چاہتا ہوں!''

میشا لیوچکوف جو ذرا بھینگا سا لڑکا تھا اور اپنے سٹاپے کی وجہ سے بالکل بھالو کا بچہ معلوم ہوتا تھا مجمع میں سے ہوتا ہوا ڈائس کی طرف بڑھا۔

''موجودہ حالت میں'' اس نے کہنا شروع کیا ''ہمیں بالشویکوں کی مدد کرنی ہی چاہئے۔ میں پورے طور پر اس کے حق میں ہوں۔ سرگئی مجھے جانتا ہے۔ میں کمسومول میں شامل ہو جاؤں گا۔''

سرگئی کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ لپک کر ڈائس کے بیچ میں پہنچ گیا۔

''ساتھیو، دیکھا آپ نے!'' اس نے خوشی سے چلا کر کہا۔ ''میں تو ہمیشہ سے کہتا تھا کہ میشا ہمارے ساتھ ہے۔ اس کا باپ ریلوے میں سوئچ مین تھا اور ریل گاڑی کے ڈبے کے نیچے کچل کر مر گیا تھا۔ اس لئے میشا تعلیم حاصل نہیں

بیٹھے ہنسی مذاق کر رہے ہو لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ اس شہر پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں ہمارے دو سو ساتھی لڑائی میں مارے گئے۔ ان لوگوں نے موت کا سامنا کیا...،، ژارکی کی آواز ساز کے تنے ہوئے تار کی طرح کانپ رہی تھی۔ ''ان لوگوں نے خوشی خوشی اپنی جانیں دیں تاکہ ہم لوگ خوش و خرم رہ سکیں، تاکہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں... ملک بھر میں، جنگ کے ہر مورچے پر، لوگ اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ اور تم ہو کہ یہاں بیٹھے مزے اڑا رہے ہو۔ ساتھیو،، وہ یک بیک مجلس صدارت سے مخاطب ہوکر بولا ''ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش میں آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔،، یہ کہہ کر اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ ''کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ لوگ آپ کی باتیں سمجھیں گے؟ ہرگز نہیں! بھرا ہوا پیٹ کبھی خالی پیٹ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اتنے لوگوں میں صرف ایک شخص کام کا نکلا اور وہ بھی اس لئے کہ وہ غریب ہے، یتیم ہے۔ لیکن کوئی پرواہ نہیں،، وہ مجمع کی طرف دیکھ کر غصے کے ساتھ گرج کر بولا۔ ''ہم تمہارے بنا بھی اپنا کام چلا لیں گے۔ ہم تمہاری خوشامد کرنے نہیں جائیں گے کہ تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ تم سب کے سب جہنم میں جاؤ! تم جیسے لوگوں سے تو بات کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ ہے مشین گن سے!،، اور یہ آخری وار کرکے وہ ڈائس سے اترا اور دائیں

کی طرف کھینچ کر اور مجمع کو غصے سے گھور کر
وہ چلایا :

''سوذیو، ذلیل آدمیو، تم ہنس کس بات پر
رہے ہو؟''

اس کی آنکھیں دو دھکتے ہوئے انگاروں کی
طرح چمک رہی تھیں اور غصے کے مارے اس ک
تمام جسم سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ ایک
گہرا سانس لےکر اس نے بولنا شروع کیا :

''میرا نام ایوان ژارکی ہے۔ میں یتیم ہوں۔
مجھے کبھی اپنے ماں باپ کی صورت دیکھنا نصیب
نہ ہوئی اور میرا کبھی کوئی گھر بھی نہیں رہا۔
مجھے روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کےلئے بھیک مانگنا
پڑا اور اکثر تو فاقے ھی کرکے میں سڑکوں پر پڑا
بڑھا۔ کتوں کی سی زندگی تھی میری اور اس چیز کو
تم ماؤں کے لاڈلے، کیا جانو۔ پھر سوویت اقتدار کا
زمانہ آیا اور سرخ فوج کے سپاھیوں نے مجھے لے
جاکر میری اچھی طرح دیکھ بھال کی۔ فوج کی ایک
پوری پلٹن نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ انہوں نے مجھے
پہننے کو کپڑے دئے اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔ لیکن
سب سے اھم بات جو انہوں نے مجھے سکھائی وہ یہ
تھی کہ انسان ہونے کے کیا معنی ھیں! انہیں کی
بدولت میں بالشویک بنا اور مرتے دم تک بالشویک
رھوں گا۔ میں اچھی طرح جانتا ھوں کہ ھم لوگ کس
مقصد کےلئے لڑ رہے ھیں۔ ھم لوگ اپنے جیسے
غریبوں کےلئے لڑ رہے ھیں۔ ھم مزدوروں کی حکومت
قائم کرنے کےلئے لڑ رہے ھیں۔ تم لوگ یہاں

اسٹیشن پر گرمیوں کے لئے ایک تھیٹر کھول رہا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں ایک پروپگنڈا ٹرین آنے والی ہے۔ تب ہم اپنا کام پورے زور شور سے شروع کر سکیں گے۔ لینن کا یہ مقولہ یاد رکھو کہ جب تک ہم عوام کو، کروڑوں محنت کش لوگوں کو، جدوجہد میں اپنے ساتھ نہیں لائیں گے تب تک ہماری فتح نہیں ہو سکتی۔''

سرگئی اس شام کو بڑی دیر بعد استینووچ کو اسٹیشن چھوڑنے گیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے اس کا ہاتھ کس کر دبایا اور معمول سے کچھ زیادہ ہی دیر تک وہ اس کا ہاتھ پکڑے رہا۔ اس لڑکی کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

واپسی پر سرگئی اپنے عزیزوں سے ملنے گھر گیا۔ اس نے اپنی ماں کی ڈانٹ تو چپ چاپ سن لی۔ لیکن جب اس کا باپ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا تو سرگئی نے بجائے مدافعانہ کے جارحانہ انداز اختیار کیا، اور اس نے تھوڑی سی دیر میں زاخار واسیلیئیوچ کو خاموش کر دیا۔

''اچھا بابا، اب میری بات سن لیجئے۔ جب آپ نے جرمنوں کے اقتدار کے زمانے میں ہڑتال کی تھی اور انجن پر سنتری کو مارا تھا تب آپ نے بھی تو اپنے گھروالوں کے بارے میں سوچا ہوگا۔ سوچا تھا یا نہیں؟ ضرور سوچا ہوگا۔ لیکن پھر بھی آپ نے اپنا کام پورا کیا کیوں کہ آپ مزدور تھے اور آپ کے ضمیر نے آپ سے ایسا کرنے کو کہا۔ ایسی بات نہیں ہے کہ میں نے اپنے گھروالوں کے بارے میں

بائیں دیکھے بغیر سیدھا باھر جانےوالے دروازے کی طرف چل دیا۔

جو لوگ جلسے کی صدارت کر رھے تھے ان میں سے کوئی بھی ناچ گانے کے پروگرام کےلئے نہیں رکا۔

''سب کچھ چوپٹ ھو گیا!،، سرگئی نے انقلابی کمیٹی کے دفتر واپس جاتے وقت جھنجھلا کر کہا۔ ''ژارکی نے ٹھیک ھی کہا۔ اسکول کے ان چھوکروں کے ساتھ ھم کچھ نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کو تو دیکھ کر بس غصہ ھی آتا ھے!،،

''اس میں تعجب کی کیا بات ھے،، اگناتیئوا نے اس کی بات کاٹتے ھوئے کہا۔ ''اس مجمع میں مزدور طبقے کے نوجوان تو تھے ھی نہیں۔ مشکل سے ایک آدھ رھے ھوں گے۔ زیادہ‌تر یا تو متوسط طبقے کے لوگوں کے لڑکے تھے یا مقامی دانش‌وروں کے۔ سب کے سب نکمے ھیں۔ تمہیں لکڑی چیرنے کے کارخانے اور شکر کے کارخانے کے مزدوروں کے درمیان کام کرنا ھوگا۔ لیکن یہ میٹنگ بالکل ھی رائیگاں نہ جائےگی۔ آگے چل کر تمہیں پتہ چلےگا کہ طالب‌علموں میں بھی بعض بہت اچھے ساتھی ھیں۔،،

استینووچ نے بھی اگناتیئوا سے اتفاق کیا۔ اس نے کہا:

''سرگئی، ھمارا کام یہ ھے کہ ھم اپنے خیالات اور اپنے نعرے تمام لوگوں کے ذھن‌نشین کر دیں۔ پارٹی ھر نئے واقع کی طرف تمام محنت‌کش عوام کی توجہ مرکوز کرےگی۔ ھم بہت سے جلسے، کانفرنسیں اور کانگریسیں کریں‌گے۔ ھمارا سیاسی محکمہ

جب که تم نے بلندی کی طرف رخ کیا ہے میں تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا۔ لیکن ہم لوگوں کو کہیں بالکل ہی نہ بھول جانا۔ کبھی کبھی ادھر بھی آتے رہا کرو۔،،

رات کا وقت تھا۔ ادھ کھلے دروازے کی درز میں سے نکل کر روشنی کی ایک پتلی سی لکیر سیڑھیوں پر پڑ رہی تھی۔ اس بڑے کمرے میں جو مخملی گدوں والی کرسیوں اور دیگر فرنیچر سے آراستہ تھا، وکیل کی لمبی چوڑی میز کے گرد پانچ افراد بیٹھے ہوئے تھے: دولینیک، اگناتیئوا، چیکا* کا اعلی افسر خوشینکو جو کزاکوں جیسی سمور کی ٹوپی پہنے ہوئے شکل قرغیز معلوم ہو رہا تھا، دیوھیکل ریلوے مزدور نودیک اور ریلوے یارڈ میں کام کرنے والا، چپٹی ناک کا اوستاپچوک۔ انقلابی کمیٹی کی میٹنگ ہو رہی تھی۔

دولینیک نے میز پر جھک کر اور اپنی تیز نگاہیں اگناتیئوا پر جما کر بیٹھی ہوئی آواز میں الفاظ پر زور دے کر کہنا شروع کیا:

''مورچے پر رسد پہنچانا بہت ضروری ہے۔

---

* چیکا — انقلاب دشمنی اور توڑپھوڑ کے خلاف جدوجہد کے لئے غیرمعمولی کمیشن جو اپنے روسی نام کے پہلے حروف چ، ک (غیرمعمولی کمیشن) کی بنا پر ''چیکا،، کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ کمیشن ۱۹۱۸ء میں قائم کیا گیا تھا۔ (ایڈیٹر)

نہ سوچا ہو ۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ہم لوگوں کو یہ جگہ چھوڑکر پیچھے ہٹنا پڑا تو میری وجہ سے آپ لوگوں کو ستایا جائے گا ۔ لیکن اگر فتح ہماری ہوگی تو پھر ہم غالب ہوں گے ۔ اس کے علاوہ میں گھر پر تو بیٹھا رہ نہیں سکتا ۔ بابا، آپ تو خود سمجھتے ہیں ان سب باتوں کو، پھر یہ سب جھگڑا کیوں؟ میں ایک اچھے مقصد کےلئے کام کر رہا ہوں ۔ آپ کو رکاوٹیں پیدا کرنے کی بجائے میری حوصلہ‌افزائی کرنی چاہئے ۔ بابا، آپ میری بات اگر مان لیں تو ماں بھی مجھے ڈانٹنا پھٹکارنا چھوڑ دےگی ۔،، وہ اپنی شفاف نیلگوں آنکھوں سے اپنے باپ کی طرف دیکھ کر بڑی محبت کے ساتھ مسکرایا ۔ اسے یقین تھا کہ وہ حق بجانب ہے ۔

زاخار واسیلیئیوچ کچھ گھبرا کر بنچ پر پہلو بدل کر بیٹھ گیا اور مسکرا دیا ۔ اس کی گھنی مونچھوں اور چھوٹی الجھی ہوئی ڈاڑھی کے بیچ میں سے اس کے زردیِ مائل دانت دکھائی دینے لگے ۔

''اچھا تو مجھ سے طبقاتی شعور کی باتیں کرنے چلا ہے، کیوں نٹ کھٹ بدمعاش کہیں کا؟ تو سمجھتا ہے کہ تو جو یہ پستول لگائے اتراتا پھرتا ہے اس کے ڈر سے میں تیری اچھی طرح مرمت نہیں کر سکتا؟،،

لیکن اس کے لہجے میں غصہ کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا ۔ اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر اس نے اپنا کھردرا ہاتھ اپنے بیٹے کی طرف بڑھا دیا ۔ ''سرگئی، تم بڑی خوشی سے اپنا کام کرتے رہو ۔ ایسے وقت

تموشینکو نے حیرت سے پوچھا: ''تمہیں اس بات کا پتہ کیسے چلا؟،، وہ دولینیک کی اس بات سے کچھ چڑھ سا گیا تھا کہ جس بات کا پتہ لگانے کی ذمہ داری دراصل اس پر تھی وہ اطلاع اس سے پہلے دولینیک کو کیسے مل گئی۔

دولینیک زیرلب مسکرایا۔ ''مجھے ہر چیز کا پتہ ہے، برادر۔ اس تہہ خانے کے علاوہ مجھے یہ بھی اطلاع ہے کہ کل تم نے اور ڈویژن کمانڈر کے ڈرائیور نے مل کر سموگون کی آدھی بوتل صاف کر دی تھی۔،،

تموشینکو اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا اور اس کے زرد چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

''تم نے تو کمال کر دیا،، خواہش نہ ہونے کے باوجود اس نے دولینیک کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ لیکن ناپسندیدگی سے اگناتیئوا کی تیوریاں چڑھتی ہوئی دیکھ کر اس نے اس کے آگے کچھ نہ کہا۔ ''اس کمبخت بڑھئی کے پاس اپنا نجی جیکا ہے،، اس نے انقلابی کمیٹی کے صدر کو دیکھتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔

''مجھے یہ اطلاع سرگئی بروزاک نے دی،، دولینیک کہتا رہا۔ ''وہ کسی ایسے شخص کو جانتا ہے جو پہلے اس سرائے کے شراب خانے میں ملازم تھا۔ ہاں تو اس لڑکے کو وہاں کے باورچیوں سے معلوم ہوا کہ زان ان لوگوں کو ان کی ضرورت کی تمام چیزیں منھ مانگی مقدار میں سپلائی کیا کرتا تھا۔ کل سرگئی کو اس تہہ خانے کے بارے میں پکے طور

مزدوروں کے کھانے کا بھی کچھ انتظام ہونا چاہئے۔ جیسے ہی ہم لوگوں نے یہاں قدم رکھا دکانداروں اور نفع‌خوروں نے قیمتیں چڑھا دیں۔ زارشاہی کے یا کیرنسکی کے زمانے کے پرانے نوٹ ہی یہاں چلتے ہیں۔ وہ لوگ سوویت سکے لینے پر راضی نہیں ہوتے۔ آج ہمیں یہاں بیٹھ کر چیزوں کی قیمتیں مقرر کر دینی ہوں گی۔ ہم اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ کوئی نفع‌خور اپنا سال مقررہ قیمتوں پر نہیں بیچے گا۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ چھپا دیں گے۔ ایسی صورت میں ہمیں ان لوگوں کی تلاشی لینا ہوگی اور خون چوسنے والی ان جونکوں کا سامان ضبط کر لینا ہوگا۔ یہ وقت حد سے زیادہ محتاط ہونے کا نہیں ہے۔ کامریڈو، ہم اب اور زیادہ عرصے تک مزدوروں کو فاقے نہیں کرنے دے سکتے۔ اگناتیئوا کا کہنا ہے کہ ہمیں بہت آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو مجھے تو یہ ردعمل ایک بزدل دانشور کا سا معلوم ہوتا ہے۔ زویا، میری بات ک برا مت ماننا، میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ اور پھر یہ چھوٹے موٹے تاجروں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ مجھے آج اطلاع ملی ہے کہ سرائے کے مالک بوریس زان کے یہاں ایک خفیہ تہہ‌خانہ ہے۔ پیتلورا کی فوجوں کے یہاں آنے سے پہلے بھی بڑے بڑے دکانداروں نے اپنا بے‌شمار سال یہاں چھپا رکھا تھا۔،، یہ کہہ کر وہ رکا اور اس نے تموشینکو کی طرف ایک شرارت‌آمیز طنزیہ نظر ڈالی۔

''ہم تمہارے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں،،
تموشینکو نے سختی سے کہا۔

فرش کا اچھی طرح معائنہ کیا گیا۔ اس بہت بڑے گودام میں جس میں لکڑی کے چیرے ہوئے تختوں کا انبار لگا تھا، کھانے پینے کا سامان رکھنے کی متعدد کوٹھریوں، باورچی‌خانے، ایک کشادہ تہہ‌خانے — غرض کہ ہر جگہ کی اچھی طرح تلاشی لی گئی۔ لیکن اس خفیہ تہہ‌خانے کا کہیں پتہ نہ چلا۔

باورچی‌خانے سے ملی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھری میں ایک نوکرانی گہری نیند میں سو رہی تھی۔ وہ اتنی بےخبر سو رہی تھی کہ اس نے ان لوگوں کے اندر آنے کی آہٹ تک نہ سنی۔ سرگئی نے آہستہ سے اسے جگایا۔

''تم یہیں کام کرتی ہو؟،، اس نے پوچھا۔ خمارآلود آنکھوں‌والی اس لڑکی نے بوکھلا کر اپنا کمبل اپنے کندھوں پر گھسیٹ لیا اور روشنی کی طرف سے بچنے کرنے کےلئے اپنا ہاتھ آنکھوں کے سامنے رکھ لیا۔

''ہاں،، اس نے جواب دیا۔ ''تم کون ہو؟،،

سرگئی نے اسے بتا دیا اور اسے اچھی طرح کپڑے پہن کر تیار ہونے کی ہدایت دے‌کر وہ باہر چلا گیا۔

کھانے‌والے کشادہ کمرے میں تموشینکو سرائے کے مالک سے سوال کر رہا تھا، اور آخرالذکر ہیجان اور اشتعال کے عالم میں بےربط باتیں کر رہا تھا:

''آپ آخر مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میرے پاس اور کوئی تہہ‌خانہ نہیں ہے۔ میں آپ کو یقین

پر اطلاع ملی ھے ۔ اب مسئلہ صرف یہ ھے کہ اس تہہ‌خانے کا صحیح مقام معلوم کیا جائے ۔ تموشینکو ، تم اپنے آدمیوں کو فوراً اس کام پر لگا دو ۔ سرگئی کو بھی ساتھ لے لینا ۔ اگر ھم اپنی کوششوں میں کامیاب ھوئے تو ھم مزدوروں کےلئے اور پوری ڈویژن کےلئے کافی رسد مہیا کر لیں‌گے ۔،،

آدھے گھنٹے بعد آٹھ ھتھیاربند سپاھی سرائے کے مالک کے گھر میں داخل ھوئے ۔ دو سپاھی باھر دروازے پر پہرہ دینے کےلئے چھوڑ دئے گئے ۔

سرائے کا مالک ایک پستہ قد موٹا تازہ انسان تھا ۔ دیکھنے میں وہ بالکل ڈھول کی طرح گول تھا ۔ اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی تھی، اس لئے وہ لکڑی کی ایک مصنوعی ٹانگ لگائے رھتا تھا ۔ اس کے چہرے پر سرخ رنگ کے سخت بال اگے ھوئے تھے ۔ انتہائی بناوٹی خلوص اور انکسار کے ساتھ اس نے ان نوواردوں کا استقبال کیا :

”کاسریڈو ، کیا بات ھے؟،، اس نے اپنی پھٹی ھوئی بھاری آواز میں پوچھا ۔ ”آپ لوگ بڑی رات گئے کیوں آئے ھیں؟،،

زان کے پیچھے اس کی بیٹیاں کھڑی ھوئی تھیں جنہوں نے جلدی میں اپنے ڈریسنگ گاؤن پہن لئے تھے ۔ تموشینکو کی ٹارچ کی تیز روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیائی جارھی تھیں ۔ پاس‌والے کمرے سے زان کی بھرے جسم‌والی بیوی کے آھیں بھرنے اور کراھنے کی آواز آ رھی تھی ۔ وہ جلدی جلدی اپنے کپڑے بدل رھی تھی ۔

کیوں کہ اس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ خرستینا سے پوچھ لو، وہ خود ہی بتا دے گی۔،،

تموشینکو کا پیمانہ صبر چھلک گیا۔ ''اچھی بات ہے،، اس نے چلا کر کہا۔ ''تو اب ہمیں اچھی طرح کام شروع کرنا ہوگا!،،

صبح ہو گئی تھی لیکن تلاشی ابھی تک جاری تھی۔ تیرہ گھنٹے کی ناکام کوششوں کے بعد مشتعل ہو کر تموشینکو تو ہمت ہار بیٹھا تھا، اور وہاں سے چل دینے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ اتنے عرصے میں سر گئی نوکرانی کی کوٹھری سے باہر نکلا جس کی وہ تلاشی لے رہا تھا۔ نکلتے وقت اس نے پیچھے سے لڑکی کے کھس پھس کرنے کی آواز سنی: ''باورچی خانے میں بھٹی کے اندر جا کر دیکھو۔،،

دس منٹ کے اندر ہی روسی ڈھنگ کی بنی ہوئی وہ بھٹی اکھاڑ دی گئی اور اس کے اندر لوہے کا ایک چور دروازہ نظر آیا۔ گھنٹے بھر کے اندر دو ٹن والی ایک ٹرک پیپوں اور بوریوں سے لدی ہوئی سرائے سے روانہ ہوئی، سرائے کے گرد بھیڑ جمع ہو گئی تھی اور لوگ حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

ایک دن جب کہ سخت گرمی پڑ رہی تھی، ماریا یا کوولیونا کورچاگنا اپنی چھوٹی سی گٹھری لئے ہوئے گھر واپس آ گئی۔ جب آرتیم نے اسے پاویل کا سارا قصہ بتایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے اب اپنی زندگی میں ایک خلا اور ہولناک ویرانی کا احساس ہونے لگا۔ اسے اپنے لئے کوئی کام تلاش

دلاتا ہوں کہ آپ محض اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی زمانے میں میں سرائے چلاتا تھا۔ لیکن اب میں ایک بالکل ہی غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ سب پیتلورا کی فوجوں نے لوٹ لیا۔ انہوں نے تو تقریباً میری جان بھی لے لی تھی۔ میں بہت خوش ہوں کہ سوویتوں کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔،، یہ کہہ کر اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے گدبدے ہاتھ پھیلا دئیے۔ اس کی خون‌آلود آنکھیں برابر تیر کی طرح چیکا کے اس اعلی افسر کے چہرے سے سرگئی کے چہرے پر اور سرگئی کے چہرے سے کمرے کے کونے میں اور چھت پر دوڑ رہی تھیں۔

تموشینکو اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

''تو تم نہیں بتاؤگے؟ میں تمہیں آخری بار حکم دیتا ہوں کہ بتا دو وہ تہہ‌خانہ کہاں ہے؟،،

''لیکن کامریڈ داروغہ صاحب، ہمارے پاس خود کھانے کو کچھ نہیں ہے،، سرائے کے مالک کی بیوی نے رونی آواز میں کہا۔ ''ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ تو وہ لوگ لوٹ لے گئے۔ ،، اس نے رونے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔

''کہتی ہو کہ بھوکوں مر رہے ہیں لیکن نوکرانی کے بغیر کام نہیں چلتا،، سرگئی بیچ میں بول اٹھا۔

''وہ نوکرانی تھوڑا ہی ہے۔ وہ تو بیچاری ایک غریب لڑکی ہے۔ ہم لوگوں کے ساتھ رہتی ہے

کہئےگا۔ میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف ہوئی ہے اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کا بھائی پاویل۔

''آرتیم بھیا، ذرا ناظم جنگلات کے یہاں جا کر ان لوگوں کو اس خط کی اطلاع دے دیجئےگا۔،،

پاویل کا خط سن کر ماریا یاکوولیونا نے بہت آنسو بہائے۔ اس خبط الحواس چھوکرے نے اپنا پتہ بھی تو نہیں لکھا تھا۔

اسٹیشن پر ہرے رنگ کا ایک ریل کا ڈبہ ایک بغلی پٹری پر کھڑا تھا جس پر یہ سائن بورڈ لگا ہوا تھا: ''ڈویژن کا پروپگنڈا اور ایجی‌ٹیشن کا سیاسی محکمہ،،۔ سرگئی اکثر اس ڈبے کے چکر لگانے لگا تھا۔ پروپگنڈا اور پرچار محکمے کے ایک ڈبے میں استینووچ اور اگناتیئوا کا دفتر تھا۔ جب کبھی بھی سرگئی وہاں جاتا اگناتیئوا، جس کے ہونٹوں میں ہر وقت لازمی طور پر سگریٹ دبی رہتی تھی، بڑے معنی‌خیز انداز سے مسکرا دیتی تھی۔

کمسومول کی صوبائی کمیٹی کے سکرٹری کی ریتا استینووچ کے ساتھ کافی دوستی ہو گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہونے والی ہر مختصر ملاقات کے بعد اسٹیشن سے واپس جاتے وقت وہ کتابوں اور اخباروں کے بنڈلوں کے علاوہ اپنے ساتھ مسرت کا ایک مبہم سا احساس بھی لے جاتا تھا۔

اس ڈویژن کے سیاسی محکمے نے کھلے میدان میں جو تھیٹر قائم کیا تھا وہاں ہر روز بڑی تعداد میں مزدور اور سرخ فوج کے سپاھی جمع ہوتے تھے۔

کرنا لازمی ہو گیا تھا۔ اور کچھ ہی عرصے بعد وہ سرخ فوج کے سپاھیوں کے کپڑے دھونے کےلئے لانے لگی۔ اور اس کام کے معاوضہ کے طور پر اس کےلئے سپاھیوں کا راشن منظور کر دیا گیا۔

ایک دن شام کو اسے کھڑکی کے باھر آرتیم کے قدموں کی آھٹ معمول سے کچھ زیادہ تیز معلوم ھوئی۔ اس نے جھٹکا دے کر دروازہ کھولا اور دھلیز ھی پر سے چلا کر اعلان کیا: ''پاویل کا خط آیا ھے۔'' پاویل نے لکھا تھا:

''پیارے بھائی آرتیم، میں یہ خط آپ کو یہ اطلاع دینے کےلئے لکھ رھا ھوں کہ میں زندہ ھوں حالانکہ میری صحت بالکل ٹھیک نہیں ھے۔ میرے کولھے میں ایک گولی لگ گئی تھی۔ لیکن اب رفتہ رفتہ ٹھیک ھو رھا ھوں۔ ڈاکٹر کا کہنا ھے کہ ھڈی کو چوٹ نہیں پہنچی۔ اس لئے میرے لئے پریشان مت ھونا، میں ٹھیک ھو جاؤں گا۔ ھسپتال سے فراغت پانے پر شائد مجھے کچھ دن کی چھٹی ملے گی۔ اس وقت میں کچھ عرصے کےلئے گھر آؤں گا۔ میں ماں کے پاس نہیں پہنچ پایا۔ بات یہ ھوئی کہ میں ایک گھوڑسوار رسالے میں بھرتی ھو گیا جس کے سپہ سالار کامریڈ کوتوفسکی ھیں۔ مجھے یقین ھے کہ آپ نے ان کے بارے میں ضرور سنا ھوگا کیونکہ ان کی بہادری کی دور دور تک شہرت ھے۔ میں نے آج تک ان کا سا آدمی ھی نہیں دیکھا، اور میرے دل میں اپنے سپہ سالار کےلئے بڑی عزت ھے۔ کیا ماں گھر واپس آگئی ھیں؟ اگر آ گئی ھوں تو ان سے میرا بہت پیار

کوئی ایسی انقلاب دشمن بات تو نہیں کہی۔ یا کہی؟ اچھی بات ہے، کامریڈ استینووچ، اب میں کبھی یک لفظ بھی نہیں کہوں گا!،،

اور بڑی جلدی سے ریتا سے ہاتھ ملا کر اسے وہیں چھوڑ کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا شہر واپس لوٹا۔

اس کے بعد کئی دن تک سرگئی نے اسٹیشن کا رخ نہیں کیا۔ جب اگناتیئوا نے بلایا بھی تو وہ مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال گیا۔ اور دراصل وہ مصروف تھا بھی۔

ایک دفعہ رات کے وقت گھر واپس جاتے ہوئے جب شودیک ایک ایسی سڑک سے ہو کر گذر رہا تھا، جس پر زیادہ تر شکر کے کارخانے میں انتظامیہ عہدوں پر کام کرنے والے پولستانی رہتے تھے تو کسی نے س پر گولی چلائی۔ اس کے بعد جو تلاشیاں ہوئیں ن میں کچھ ہتھیار اور پلسودسکی کے حامیوں کی ''استریلتس،، نامی ایک تنظیم کی کچھ دستاویزات برآمد ہوئیں۔

انقلابی کمیٹی کے دفتر میں ایک کانفرنس بلائی گئی۔ استینووچ بھی وہاں موجود تھی۔ اس نے سرگئی کو الگ لے جا کر انتہائی پرسکون لہجے میں س سے کہا:

''تو تمہاری عامیانہ خودداری کو میری بات سے ٹھیس لگ گئی؟ تم اپنے ذاتی معاملات کو اپنے کام میں حائل کر رہے ہو؟ اس طرح کام نہیں چلے گا، کامریڈ۔،،

بارھویں فوج کی پرچار گاڑی رنگ برنگ کے پوسٹروں سے سجی ھوئی ایک بغلی پٹری پر کھڑی تھی۔ وھاں چوبیس گھنٹے زوروں پر کام جاری رھتا تھا۔ اس گاڑی میں ایک چھاپہ‌خانہ بھی تھا جہاں سے مسلسل اخبار، پرچے اور اعلانات شائع ھوتے رھتے تھے، یہ مقام جنگ کے مورچے سے بہت قریب تھا۔

ایک دن شام کو اتفاق سے سرگئی بھی تھیٹر پہنچ گیا۔ وھاں اس نے ریتا کو سرخ فوج کے سپاھیوں کے ایک گروہ میں کھڑا دیکھا۔ اس دن بہت رات گئے جب وہ اسے گھر چھوڑنے کےلئے اسٹیشن جا رھا تھا، جہاں سیاسی محکمے کے تمام کارکن رھتے تھے، تو اس نے بےاختیار کہہ دیا: ''کامریڈ ریتا، نہ جانے کیوں میرا ھر وقت تم سے ملنے کو جی چاھتا ھے۔'' اور پھر اس نے کہا: ''جتنی دیر میں تمہارے ساتھ رھتا ھوں مجھے بہت اچھا لگتا ھے۔ تم سے مل کر مجھے ایسا محسوس ھوتا ھے کہ میں ان‌تھک اور متواتر کام کرتا رہ سکتا ھوں۔''

ریتا رک کر کھڑی ھو گئی۔ ''دیکھو کامریڈ بروژاک'' اس نے کہا۔ ''ھم لوگ یہاں اسی وقت یہ معاھدہ کر لیں کہ تم اب کبھی مجھ سے اس طرح کی شاعرانہ گفتگو نہیں کروگے۔ مجھے اس قسم کی باتیں قطعی پسند نہیں ھیں۔''

سرگئی ڈانٹ کھائے ھوئے اسکول کے لڑکے کی طرح کھسیا گیا۔

''میرا یہ مطلب تھوڑا ھی تھا'' اس نے کہا۔ ''میں نے سوچا کہ ھم دونوں دوست ھیں... میں نے

ایک جو لمبا سا چھریرے جسم کا آدمی تھا اور چاندی کی نقشین پیٹی لگائے ہوئے تھا، سیدھا دولینیک کے پاس گیا اور بڑے فیصلہ کن انداز میں اس نے مطالبہ کیا: ''بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ سو گاڑی گھاس سیدھے میرے حوالے کر دو۔ میرے گھوڑے سرے جا رہے ھیں۔'' اس کے لہجے سے صاف ظاھر تھا کہ وہ اس مطالبے کا جواب نفی میں سننے کو تیار نہیں ھے۔

سرگئی کو سرخ فوج کے دو سپاھیوں کے ساتھ گھاس مہیا کرنے کےلئے بھیجا گیا۔ ایک گاؤں میں کولاکوں کے گروہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ سرخ فوج کے ان سپاھیوں کے ھتھیار چھین لئے گئے اور انہیں بڑی بےرحمی سے پیٹا گیا۔ سرگئی اپنی کم عمری کی وجہ سے نسبتاً سستا چھوٹا۔ غریب کسانوں کی کمیٹی کے کارکنوں نے ان تینوں کو گاڑی پر بٹھا کر شہر پہنچا دیا۔

مسلح سپاھیوں کا ایک دستہ اس گاؤں میں بھیجا گیا اور دوسرے ھی دن گھاس لادکر پہنچا دی گئی۔

سرگئی اپنے گھروالوں کو پریشانی میں نہیں ڈالنا چاھتا تھا۔ اس لئے جب تک وہ اس سانحہ کے اثرات سے پوری طرح اچھا نہیں ھو گیا تب تک وہ اگناتیئوا ھی کے گھر پر رھا۔ وھاں ریتا استینووچ اس کی عیادت کو آئی اور پہلی بار اس نے سرگئی کے ھاتھ کو اتنے خلوص اور محبت کے ساتھ دبایا

اور اس کے بعد سرگئی نے ریل گاڑی کے اس ھرے ڈبے کے چکروں ک سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

اس نے ضلع کی ایک کانفرنس میں شرکت کی اور اس کی گرما گرم بحثوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ یہ کانفرنس دو روز تک چلتی رھی۔ تیسرے دن کانفرنس میں شریک ھونےوالے دوسرے نمائندوں کے ساتھ وہ دریا کے اس پاروالے جنگل میں گیا اور وھاں اس نے تمام دن اور تمام رات زارودنی کی رھنمائی میں لوٹ‌مار کرنےوالے ڈاکوؤں سے لڑنے میں گذاری۔ زارودنی پیتلورا کی فوج کا ایک افسر تھا جو ابھی تک چھٹے سانڈ کی طرح پھرتا تھا۔

وھاں سے واپسی پر وہ اگناتیئوا سے ملنے گیا۔ استینووچ بھی وھاں موجود تھی۔ بعد میں وہ اسے گھر چھوڑنے اسٹیشن تک گیا اور رخصت ھوتے وقت اس کا ھاتھ کس‌کر پکڑ لیا۔ استینووچ نے خفا ھوکر اپنا ھاتھ کھینچ لیا۔ اس کے بعد پھر سرگئی کئی دن تک پروپگنڈا اور پرچاروالے ریل کے ڈبے کے قریب نہیں گیا۔ کام پڑنے پر بھی وہ ریتا سے ملنے نہیں جاتا تھا۔ جب وہ اس کے اس رویے کا سبب پوچھتی تو وہ روکھے‌پن سے جواب دے دیتا: ”تم سے بات کرنے سے کیا فائدہ۔ تم مجھ پر عامیانہ‌پن یا مزدور طبقے کے ساتھ غداری یا اسی قسم کا کوئی اور الزام لگا دوگی۔“

قفقازی سرخ پرچم ڈویژن کے فوجیوں سے لدی ھوئی ریل گاڑیاں آکر اسٹیشن پر رکیں۔ تین سیاہ فام کمانڈر انقلابی کمیٹی کے دفتر پہنچے۔ ان میں سے

تسموں اور کروم کے چرسر کرتے ہوئے بوٹوں میں چوژانن اس وقت بہت ہی شان‌دار آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ وہ تونیا کے ساتھ گفتگو میں محو تھا۔

سرگئی نے تونیا کو فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو اس کے پاس پاویل کا رقعہ لےکر آئی تھی۔ قریب پہنچ کر تونیا نے بھی اسے بڑے غور سے دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب وہ دونوں سرگئی کے مقابل پہنچے تو وہ اپنی جیب سے پاویل کا تازہ‌ترین خط نکال کر اس کے پاس گیا۔

''کامریڈ، ذرا بات سنئےگا۔ میرے پاس یہ ایک خط آیا ہے جس کا کچھ حصہ آپ سے تعلق رکھتا ہے۔،،

چوژانن کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاکر تونیا نے خط لے لیا۔ پڑھتے وقت کاغذ کا وہ پرزہ اس کے ہاتھ میں کچھ کانپ سا گیا۔

''آپ کے پاس پاویل کی اور بھی کوئی خبر ہے؟،، اس نے خط سرگئی کو واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں،، اس نے جواب دیا۔

اتنے میں ریتا کے قدموں کے نیچے بجری کے دبنے کی آواز آئی۔ چوژانن کو اب تک وہاں اس کی موجودگی کی خبر نہیں تھی۔ اس نے سر جھکاکر تونیا کے کان میں کہا: ''چلو، ہم لوگ یہاں سے چلیں۔،،

لیکن ریتا کی تضحیک‌آمیز اور پرحقارت آواز سن‌کر وہ رک گیا۔

که سرگئی خود بھی کبھی اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا ۔

ایک دن دو پہر کو جب خاصی گرمی پڑ رہی تھی، سرگئی ریتا سے ملنے کی غرض سے پرچار والے ریل کے ڈبے میں گیا ۔ اس نے اسے پاویل کا خط پڑھ کر سنایا اور اپنے دوست کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں ۔ وہاں سے باہر نکلتے وقت اس نے گردن گھما کر کہا : ''میرا تو ارادہ ہے کہ جنگل کی طرف جا کر ذرا جھیل میں ایک آدھ ڈبکی لگا لوں ۔''

ریتا نے کام روک کر اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا ۔ ''ذرا ٹھہرو ، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی ۔''

جھیل کی سطح آئینے کی طرح صاف اور پرسکون تھی ۔ اس کے گن گنے نیم شفاف پانی کی تازگی میں ایک بے ساختہ کشش تھی ۔

''تم سڑک پر جا کر میرا انتظار کرو ۔ میں نہانے جارہی ہوں'' ریتا نے تحکمانہ انداز میں کہا ۔

سرگئی پل کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور اپنا چہرہ سورج کی طرف اٹھا دیا ۔ پیچھے سے اسے پانی میں چھپ چھپ کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی ۔

تھوڑی ہی دیر بعد پیڑوں کے بیچ سے اس نے تونیا تمانووا اور چوژانن کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سڑک پر آتے دیکھا ۔ چوژانن پرچاروالی گاڑی کا فوجی کمیسار تھا ۔ بہت ہی عمدہ نفیس سلی ہوئی افسروں والی وردی، شاندار چمڑے کی پیٹی اور متعدد

لمبی لمبی گھاس میں چھپ گئی تھیں۔ سرگئی کی نظریں اتفاق سے اس کے پاؤں پر پڑیں۔ اس نے بوٹوں پر صفائی کے ساتھ لگے ہوئے پیوندوں کو دیکھا اور پھر اپنے بوٹ پر ایک نظر ڈالی جس کے ایک سوراخ میں سے اس کا انگوٹھا باہر جھانک رہا تھا تو وہ ہنسنے لگا۔

''ہنس کس بات پر رہے ہو؟،، ریتا نے پوچھا۔

سرگئی نے اپنے بوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''ایسے بوٹوں میں ہم لوگ لڑیں گے کس طرح؟،،

ریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھاس کا ایک تنکا چبا رہی تھی اور یہ صاف ظاہر تھا کہ اس کے خیالات اس وقت کہیں اور ہی تھے۔

''چوژانن بہت ہی گھٹیا قسم کا پارٹی ممبر ہے،، اس نے آخر کہا۔ ''ہمارے تمام سیاسی کارکن چیتھڑے لگائے گھومتے ہیں لیکن اسے اپنے علاوہ اور کسی کی فکر نہیں ہے۔ ہماری پارٹی میں تو وہ اتفاق سے آگیا ہے... جہاں تک جنگ کے مورچے کا سوال ہے وہاں بھی صورت حال بہت ہی نازک ہے۔ ہمارے ملک کو ابھی بہت طویل عرصے تک سخت لڑائی لڑنی ہوگی۔،، کچھ دیر رک کر اس نے پھر کہا: ''سرگئی، ہم لوگوں کو الفاظ اور رائفلوں دونوں ہی کی مدد سے لڑنا ہوگا۔ کیا تم نے مرکزی کمیٹی کے اس فیصلے کے بارے میں سنا ہے کہ کمسومول کے ایک چوتھائی ممبر فوج میں بھرتی کئے جائیں گے؟ سرگئی، میرا خیال تو یہ کہ ہم لوگ اب یہاں زیادہ نہیں رہیں گے۔،،

''کاسریڈ چوژانن! وهاں ریل‌گاڑی پر آج دن بھر آپ کی تلاش هوتی رهی۔''

چوژانن نے بڑی ناپسندیدگی سے اسکی طرف دیکھا۔

''کوئی بات نہیں،، اس نے بد مزاجی سے جواب دیا۔ ''وہ میرے بغیر هی کام چلا لیں‌گے۔''

ریتا فوجی کمیسار اور تونیا کو وهاں سے جاتے هوئے دیکھتی رهی۔

''اس نکمے کا تو بوریا بستر باندھ دینا هی اچھا هوگا!'' اس نے بڑے طنز کے ساتھ کہا۔

هوا کے جھونکوں سے تن‌آور شاہ‌بلوط کے درختوں کی چوٹیاں جھوم رهی تھیں۔ اور تمام جنگل ایک عجیب سی گنگناهٹ سے گونج رها تھا۔ جھیل کی سطح سے ایک لطیف سی تازگی اٹھکر فضا میں تحلیل هورهی تھی۔ سرگئی نے جھیل کے پانی میں اترنے کا فیصلہ کیا۔

جب وہ تیرکر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ ریتا سڑک سے تھوڑی هی دور پر ایک درخت کے تنے پر بیٹھی هوئی هے۔ باتیں کرتے هوئے وہ دونوں گھومتے پھرتے بہت دور جنگل کے اندر جا نکلے۔ ایک چھوٹی سی کھلی هوئی جگہ پر پہنچ کر جہاں لمبی گھاس اگی هوئی تھی وہ آرام کرنے کےلئے رک گئے۔ جنگل میں مکمل سکوت تھا۔ شاہ‌بلوط کے درخت سرگوشیاں کر رهے تھے۔ ریتا نرم گھاس پر لیٹ گئی اور اپنے دونوں هاتھوں کو آپس میں پھنسا کر اس نے سر کے نیچے تکیہ لگا لیا۔ اس کی سڈول ٹانگیں جن پر پرانے پیوند لگے هوئے بوٹ چڑھے هوئے تھے،

''لو،، اس نے چڑانے کے انداز میں مسکرا کر پستول سرگئی کی طرف بڑھا ددیا۔ ''اچھا دیکھیں تم کیسا نشانہ لگاتے ہو۔،،

سرگئی کے تین نشانوں میں سے ایک نشانہ بالکل ہی خالی گیا۔ ریتا بڑے سرپرستانہ انداز میں مسکرا دی ''مجھے تو تم سے اتنے کی بھی توقع نہیں تھی۔''

اس نے پستول زمین پر رکھ دیا اور گھاس پر لیٹ گئی۔ اس کی ٹیونک اس کی سخت چھاتیوں پر کس کر تن گئی۔

''سرگئی،، اس نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''ادھر آؤ۔،،

سرگئی کھسک کر اس کے اور قریب چلا گیا۔

''دیکھو تو آسمان کیسا نیلا ہے۔ تمہاری آنکھیں بھی اسی رنگ کی ہیں۔ لیکن یہ تو بری بات ہے۔ آنکھوں کا رنگ سرمئی ہونا چاہئے، بالکل فولاد کا ایسا۔ نیلا تو بہت ہی نازک رنگ ہوتا ہے۔،،

اور پھر یکایک ریتا نے اس کے سنہرے بالوں والے سر کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کے ہونٹوں پر پیار کر لیا۔

دو ماہ گذر گئے۔ خزاں کا موسم آ گیا۔

رات چپکے چپکے چوروں کی طرح آئی اور اس نے درختوں کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیا۔ ڈویژن کے ہیڈکوارٹر کا تار بابو اپنے آلے پر جھکا بیٹھا تھا جس پر کٹ کٹ کی آواز کے ساتھ تار برقی کے

اس وقت اس کی باتیں سنتے ہوئے سرگئی کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کی آواز میں ایک نئے لہجے کی آمیزش تھی۔ اس کی سیاہ شفاف آنکھوں کو اپنے چہرے پر گڑا ہوا دیکھ کر اس کے جی میں تو آیا کہ احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر وہ ریتا سے کہہ دے کہ اس کی آنکھیں آئینے کی طرح ہیں۔ لیکن اس نے بروقت اپنے آپ کو روک لیا۔

ریتا اُٹھ کر کہنیوں کے بل بیٹھ گئی۔ ''تمہارا پستول کہاں ہے؟''

سرگئی نے بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی پیٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''وہ تو کولاکوں کے گروہ نے مجھ سے چھین لیا۔''

ریتا نے اپنی ٹیونک کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چمکتا ہوا آٹومیٹک پستول نکالا۔

''سرگئی، وہ شاہبلوط کا پیڑ دیکھتے ہو نا؟'' جس جگہ پر وہ دونوں لیٹے ہوئے تھے وہاں سے تقریباً پچیس قدم کے فاصلے پر لگے ہوئے شاہبلوط کے ایک پیڑ کے ناہموار تنے کی طرف پستول سے اشارہ کرتے ہوئے ریتا نے پوچھا اور پھر پستول کو اپنی آنکھوں کی سطح میں لاکر اس نے کم و بیش بغیر نشانہ لئے ہی گولی چلا دی۔ درخت کی چھال ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر بکھر گئی۔

''دیکھا؟'' اس نے اپنی کامیابی پر بےحد خوش ہوکر کہا اور دوبارہ گولی چلائی۔ ایک بار پھر درخت کی چھال پرزے پرزے ہوکر گھاس پر گر پڑی۔

لگی۔ اسپشل ڈیوٹی کمپنی فوراً صف بستہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ گھنٹے بھر بعد ھی انقلابی کمیٹی کے سامان سے لدی ہوئی گاڑیاں شہر کی سڑکوں پر گڑگڑاتی ہوئی پودولسک اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئیں جہاں پر یہ سب سامان ریل کے ڈبوں میں لاد دیا گیا۔

تار کے مضمون کی اطلاع پاتے ھی سرگئی سوٹر سائیکل والے کے پیچھے بھاگا ھوا باھر آیا۔

”کامریڈ، آپ مجھے اسٹیشن تک چھوڑ دیں گے؟،، اس نے موٹر سائیکل والے سے پوچھا۔

”پیچھے بیٹھ جاؤ۔ لیکن خیال رکھنا کہ تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو۔،،

پرچاروالی گاڑی سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر جو کہ ٹرین میں جوڑی جا چکی تھی، سرگئی نے ریتا کو دیکھا۔ اس نے اس کے کندھے پکڑ لئے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ابھی تھوڑی ھی دیر میں اس سے ایک ایسی چیز چھن جائےگی جو اس کےلئے بےحد عزیز اور بیش قیمت بن چکی تھی، اتنی عزیز کہ الفاظ میں بیان کرنا ناممکن تھا۔ اس نے زیرلب کہا: ”میری عزیز کامریڈ ریتا، الوداع۔ ہم پھر ملیں گے۔ مجھے بھول نہ جانا۔،،

اسے یہ محسوس کرکے بڑی پریشانی ہوئی کہ آنسوؤں کی روانی سے اس کا گلا بھر آیا تھا۔ اسے فوراً یہاں سے چلے جانا چاھئے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بولےگا تو بےقابو ھو جائےگا اسلئے اس نے ریتا کا ہاتھ اتنے کس کر دبایا کہ وہ دکھنے لگا۔

اشارتی ابجد سے مسلسل پیغام آ رہے تھے۔ اس نے کاغذ کی اس پتلی سی طویل پٹی کو جو اس کی انگلیوں کے بیچ میں سانپ کی طرح لہرا رہی تھی، لپیٹ لیا اور جلدی سے اس کے نقطوں اور چھوٹی چھوٹی لکیروں کو الفاظ اور فقروں میں منتقل کر دیا:

"چیف آف اسٹاف، پہلی ڈویژن۔ نقل برائے صدر انقلابی کمیٹی شپیتوفکا۔ تار ملنے کے دس گھنٹے کے اندر شہر کے تمام سرکاری ادارے ہٹا دو۔ این رجمنٹ کے کمانڈر کی تحویل میں ایک بٹالین شہر میں چھوڑ دو۔ وہی مورچے کے اس خطے کے کمانڈر ہیں۔ ڈویژن ہیڈکوارٹر، سیاسی محکمہ اور تمام فوجی ادارے ہٹا کر بارانچیف اسٹیشن پہنچا دئے جائیں۔ تعمیل کی اطلاع ڈویژن کمانڈر کے پاس بھیج دو۔"

دستخط

دس منٹ بعد ایک موٹرسائیکل طوفانی رفتار سے شہر کی خوابیدہ سڑکوں پر شور کرتی ہوئی گذری۔ اس کی گیس کی تیز روشنی تاریکی کا سینہ چاک کرتی جارہی تھی۔ انقلابی کمیٹی کے دفتر کے پھاٹک کے باہر وہ پھٹ پھٹ کرتی ہوئی رک گئی۔ جو شخص اس موٹرسائیکل پر آیا تھا وہ جلدی سے اندر گیا اور اس نے کمیٹی کے صدر دولینیک کو تار پکڑا دیا۔ آناً فاناً اس جگہ بڑی چہل پہل نظر آنے

''جہاں تک میرا خیال ہے ان کا قوسی نشان ایک سروالا عقاب ہے۔''

''بھلا بتاؤ، وہ کہاں ملے گا؟''

آوتونوم پترووچ الجھن سے اپنا سر کھجانے لگا۔ ایک آدھ لمحے تک سوچنے کے بعد اس نے کہا:

''ان کا کیا جاتا ہے، یہ تو اٹھے اور دامن جھاڑ کر چل دئے۔ مصیبت تو ہماری ہے کہ ہم کو نئے حکمرانوں کے ساتھ نباھنے کے لئے اپنا سر کھپانا پڑتا ہے۔''

یک بیک خاموشی کو چیرتی ہوئی مشین گن کی گولیوں کی تڑتڑاھٹ سنائی دی۔ اسٹیشن کی سمت سے اچانک ایک انجن کی سیٹی سنائی دی اور اس کے فوراً بعد ھی اسی جانب سے توپ دغنے کی آواز آئی۔ ایک بھاری سا گولہ تیزی سے بھن بھناتا ہوا فضا میں اوپر اٹھا اور شکر کے کارخانے کے اس پار سڑک پر جا کر گرا۔ سڑک کے کنارے کی جھاڑیاں نیلے دھوئیں کے بادلوں میں چھپ گئیں۔ پیچھے ھٹنے والی سرخ فوج کے سپاھی نہایت سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ قدم سے قدم ملائے سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے بیچ بیچ میں وہ پیچھے مڑ کر ایک نظر ڈال لیتے تھے۔

سرگئی کے گال پر ایک سرد آنسو ڈھلک گیا۔ اس نے جلدی سے اسے پونچھ ڈالا، اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے دیکھا تو نہیں، اس نے ان پر چپکے سے نظر ڈالی۔ آنتک کلوپوتووسکی اس کے برابر مارچ کر رہا تھا۔

صبح ہوئی تو سارا شہر اوز اسٹیشن ویران اور سنسان پڑا تھا۔ آخری ٹرین سیٹی دے کر جیسے کہ وہ شہر کو خیرباد کہہ رہی ہو، اسٹیشن سے روانہ ہو چکی تھی۔ دشمن کو روکنے کےلئے جو بٹالین شہر میں چھوڑ دی گئی تھی اس کے سپاہی ریل کی پٹری کے دونوں طرف تعینات کر دئے گئے۔

پیڑوں سے زرد سوکھی پتیاں جھڑ رہی تھیں اور ان کی شاخیں بالکل سونی ہوئی جا رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے نیچے گری ہوئی پتیوں کو اپنی لپیٹ میں لےکر راستوں پر اڑاتے پھر رہے تھے۔

سرگئی سرخ فوج کا اوورکوٹ پہنے اپنے کندھوں پر کرسچ کی بنی ہوئی کارتوسوں کی پیٹیاں لٹکائے سرخ فوج کے ایک درجن سپاہیوں کے ساتھ شکر کے کارخانے کے سامنےوالے چوراھے پر تعینات کیا گیا تھا۔ پولستانی فوجیں شہر کی طرف بڑھتی آ رہی تھیں۔

آوتونوم پتروِوچ نے اپنے پڑوسی گیراسیم لیونتیوِچ کے دروازے پر دستک دی۔ گیراسیم نے ابھی تک پوری طرح کپڑے بھی نہیں پہنے تھے، اس لئے اس نے دروازے سے باھر سر نکال کر جھانکا۔

"کیوں کیا معاملہ ھے؟"

آوتونوم پتروِوچ نے سڑک پر جاتے ہوئے سرخ فوج کے سپاھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنکھ مارکر کہا: "ڈیرہ بڑھا گئے۔"

گیراسیم لیونتیوِچ نے اس کی طرف پریشانی کے ساتھ دیکھ کر پوچھا: "آخر ان پولستانیوں کا قومی نشان کس قسم کا ھے؟ تمہیں کچھ معلوم ھے؟"

کی غیرملکی، ظالم اور جابر فوجیں قریب آتی جا رہی ھیں۔

ریلوے یارڈ کے مزدور تیل سے چکٹی ہوئی قمیصیں پہنے کھڑے اداس آنکھوں سے سرخ فوج کے سپاھیوں کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔

"ساتھیو، ہم پھر لوٹ کر آئیں گے!" سرگئی نے درد بھرے دل سے پکار کر کہا۔

آٹھواں باب

صبح کے دھندلکے میں دریا کے پانی کی ایک مدھم سی جھلملاھٹ نظر آ رھی ھے۔ ساحل کی چکنی روڑیوں سے ٹکرا کر دریا کا پانی قل قل کی ایک نرم سی آواز پیدا کر رھا ھے۔ دریا کے کناروں کے قریب جہاں پانی بہت گہرا نہیں ھے اس کی سطح پرسکون ھے اور اس جگہ دریا کی روپہلی سطح پر کم‌وبیش کسی قسم کی حرکت نظر نہیں آرھی ھے۔ لیکن بیچ دھارے میں پانی کا رنگ گہرا اور اس کی سطح پر اضطراب ھے اور وھاں پر پانی بڑی تیزرفتاری کے ساتھ آگے بہتا جا رھا ھے۔ دریائے دنیپر، جسے گوگول نے اپنی ایک تصنیف کے ذریعہ لافانی بنا دیا ھے، پرشکوہ حسن کا ایک شاھکار ھے۔ داھنی طرف والا اونچا سا کنارہ شدید ڈھلان کے ساتھ جا کر پانی میں اس طرح گم ھو جاتا ھے جیسے دریا کے چوڑے دھارے نے کسی پہاڑ کی روش کو یک بیک روک

اس کی ایک انگلی رائفل کی لبلبی پر رکھی ہوئی تھی۔ آنتک بہت افسردہ اور اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ جب سرگئی سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو اس نے اپنے وہ خیالات جو اسے پریشان کر رہے تھے، سرگئی کو بتائے:

''وہ لوگ ہمارے گھروالوں پر بہت سختیاں کریں گے۔ خاص طور پر میرے گھروالوں پر کیوں کہ ہم پولستانی ہیں۔ وہ کہیں گے تم پولستانی ہوکر پولینڈ کی فوج کی مخالفت کرتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ میرے بوڑھے باپ کو لکڑی چیرنے کے کارخانے سے ٹھوکر مارکر نکال دیں گے اور اسے کوڑے لگوائیں گے۔ میں نے تو اس سے کہا تھا کہ ہم لوگوں کے ساتھ چلے۔ لیکن وہ گھروالوں کو اکیلا چھوڑکر جانا نہیں چاہتا تھا۔ قسمیہ، اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اب تو میں جلد سے جلد ان ملعون موذیوں سے نبٹ لینا چاہتا ہوں۔،، اور یہ کہہ کر آنتک نے اپنی خود جو سرک کر اس کی آنکھوں پر گئی تھی، غصے سے پیچھے ہٹا دی۔

...رخصت، اے میرے دیرینہ محبوب شہر!

حالاں کہ اپنے چھوٹے چھوٹے بھدے مکانوں اور اپنی ٹیڑھی میڑھی سڑکوں کی وجہ سے تم بہت ہی بدنما اور گندے دکھائی دیتے ہو تاہم تم مجھے بہت عزیز ہو۔ الوداع، میرے عزیزو! الوداع، والیا اور میرے دوسرے ساتھیو جو روپوش رہ کر کام کرنے کے لئے اس شہر میں رہ گئے ہو! پولستانی سفیدگاردوں

پولستانی فوجیں سرخ دستوں کو دارنیتسا سے نکال دینے کے بعد اب ریل کے پل کے قریب دریا کے بائیں ساحل پر ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ کرکے اپنا سورچہ جمائے ہوئے تھیں۔ لیکن سرخ فوج کے زبردست جوابی حملوں کی وجہ سے ان کے اس مقام سے آگے بڑھنے کے تمام منصوبوں پر پانی پھر گیا تھا۔

دریا کے بہاؤ کو دیکھتے وقت سرگئی کو کل کے تمام واقعات یاد آ رہے تھے۔

کل دوپہر کے وقت اس کے دستے نے پولستانی فوجوں پر ایک زبردست جوابی حملہ کیا تھا۔ کل پہلی بار دشمن کے ساتھ اس کی روبرو ٹکر ہوئی تھی۔ ایک صفاچٹ چہرےوالا پولستانی سپاھی اس پر بڑی تیزی کے ساتھ جھپٹا تھا۔ اس کی رائفل جس پر ایک لمبی تیغ نما فرانسیسی سنگین لگی ہوئی تھی، اس کے سامنے تنی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیا چیختا ہوا وہ خرگوش کی طرح چھلانگیں مارکر سرگئی کی طرف لپکا۔ ایک مختصر سے لمحے کےلئے سرگئی نے دیکھا کہ اس کے دشمن کی آنکھیں غیظ کے عالم میں پھٹی ہوئی ہیں اور دوسرے ھی لمحہ سرگئی کی سنگین اس پولستانی سپاھی کی سنگین سے ٹکرائی اور وہ چمکتی ہوئی فرانسیسی سنگین ایک طرف کو ھٹ گئی۔ سپاھی زمین پر گر پڑا...

سرگئی کے ھاتھ میں ذرا بھی لرزش نہیں ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ آگے چل کر بھی اسے مسلسل اسی طرح لوگوں کو قتل کرنا ہوگا۔ ھاں اسی سرگئی کو جو

دیا ہو - بائیں طرف کا ساحل سپاٹ اور نیچا ہے - اور جب موسم بہار کے سیلاب کے بعد دریا کا پانی اتر جاتا ہے تو اس پر جابجا ریتیلے جزیرے ابھر آتے ہیں -

دریا کے کنارے کھدی ہوئی ایک چھوٹی سی خندق میں ایک نکٹی مشین گن لگی تھی اور اس کے پاس پانچ جوان لیٹے ہوئے تھے - یہ ساتویں رائفل ڈویژن کی ایک بیرونی چوکی تھی - مشین گن کے سب سے قریب دریا کی طرف منھ کئے سرگئی بروژاک لیٹا ہوا تھا -

کل ہی مسلسل لڑائیوں سے تھک کر اور پولستانی فوجوں کے توپخانے کی طوفانی بمباری کی تاب نہ لا کر انہوں نے کیئف کا شہر چھوڑ دیا تھا، اور پیچھے ہٹ کر دریا کے بائیں کنارے پر اپنا مورچہ جمایا تھا -

دشمن کے حملے کے سامنے پیچھے ہٹنا، جان‌ومال کا بھاری نقصان اور آخرکار کیئف شہر کو مجبوراً دشمن کے قبضے میں جانے دینا — ان تمام باتوں نے سپاہیوں کو ایک زبردست دھچکا پہنچایا تھا - ساتویں ڈویژن نے بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دشمن کے محاصرے کو توڑا تھا - اور جنگل کے راستے آگے بڑھتے ہوئے وہ سالین اسٹیشن کے قریب ریلوے لائن پر آ نکلی تھی، اور پھر ایک زبردست ہلے کے ساتھ اس نے پولستانی فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا اور کیئف کا راستہ صاف کر دیا تھا -

لیکن انہیں اس خوبصورت شہر کو چھوڑ دینا پڑا تھا اور سرخ فوج کے سپاہی اپنے اس بھاری نقصان کا سوگ منا رہے تھے -

بھی چکے تھے۔ اور اس کے کندھے پر رائفل کے تسمے کے نیچے ایک سخت گٹا پڑ گیا تھا۔

اس ایک سال کے دوران میں پاویل نے بہت سی ہولناک چیزیں دیکھی تھیں۔ اپنے ھی جیسے شکستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ھوئے ھزاروں مصروف جنگ سپاھیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر، جن کے دلوں میں اپنے طبقے کے اقتدار کی خاطر لڑنے کا ایک ناقابل شکست جذبہ موجزن تھا، اس نے اپنے وطن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگائے تھے۔ صرف دو بار ایسا ھوا تھا کہ یہ سیلاب اس کے بغیر ھی آگے بڑھ گیا تھا۔ پہلی مرتبہ تو اس وقت جب اس کے کولھے میں گولی لگ گئی تھی اور دوسری مرتبہ ۱۹۲۰ء کی سرد فروری میں جب وہ ٹائی‌فائیڈ کے بخار میں مبتلا ھو گیا تھا اور کڑاکے کی سردی کے باوجود اس کا تپتا ھوا جسم پسینے سے چپ چپا رھا تھا۔

بارھویں فوج کی رجمنٹوں اور ڈویژنوں کے جتنے سپاھی پولستانی توپ کا شکار ھوئے تھے اس سے کہیں زیادہ تو ٹائی‌فائیڈ کی نذر ھو گئے۔ اس وقت بارھویں فوج بہت وسیع مورچے پر لڑ رھی تھی جو تقریباً پورے شمالی یوکرین میں پھیلا ھوا تھا۔ اور وہ پولستانی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکے ھوئے تھی۔

پاویل ابھی اپنی علالت سے پوری طرح صحت یاب بھی نہ ھو پایا تھا کہ وہ پھر اپنے فوجی دستے میں واپس پہنچ گیا۔ اس کا دستہ اس وقت کازاتن سے اوسان جانے‌والی برانچ لائن کے فرنتوفکا اسٹیشن کی حفاظت کر رھا تھا۔ فرنتوفکا اسٹیشن جنگل کے علاقے میں

اتنی لطیف محبت اور اتنی پرخلوص دوستی کی صلاحیت رکھتا تھا، یہ سب کرنا ہوگا۔ وہ طبیعتاً بےرحم یا ظالم نہیں تھا۔ لیکن وہ اس بات کو بخوبی سمجھتا تھا کہ اسے ان گمراہ سپاہیوں کے خلاف لڑنا ہوگا جنہیں دنیا بھر کی خون چوسنےوالی حرام‌خور جونکوں نے ورغلا کر ان میں ایک حیوانی نفرت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا اور انہیں اس کے وطن کے خلاف لڑنے کےلئے بھیجا تھا۔ اور اس لئے اسے یعنی سرگئی کو لوگوں کو قتل کرنا ہوگا تاکہ وہ دن قریب آسکے جب کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے خون کا پیاسا نہ ہو۔

پاراسونوف نے اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ مارکر کہا:

''سرگئی، ہم لوگوں کو یہاں سے کھسک چلنا چاہئے ورنہ وہ ہمیں دیکھ لیں‌گے۔''

پچھلے ایک سال سے پاویل کورچاگن اپنے وطن کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتا رہا تھا۔ کبھی مشین‌گن کی گاڑیوں پر، کبھی توپوں کےلئے گولےبارود لے جانےوالی گاڑیوں پر اور کبھی ایک چھوٹی سی بھورے رنگ کی گھوڑی پر سوار ہوکر جس کے کان کا ایک کونا کٹا ہوا تھا۔ وہ اب ایک پورا مرد تھا۔ مصیبتوں اور دشواریوں نے اسے پختہ اور سخت جان بنا دیا تھا۔ کارتوسوں کی وزنی پیٹیوں کی رگڑ سے اس کی نازک جلد پر زخم پڑ گئے تھے۔ لیکن یہ زخم اب تو نہ جانے کب کے بھر

ساڑھے سولہ ہزار تیغیں! یوکرینی سرغزاروں کے تپتے ہوئے، سورج کی دھوپ میں سنولائے اور مرجھائے ہوئے ساڑھے سولہ ہزار مصروف جنگ سپاہی!

سرخ فوج کی اعلی کمان اور جنوب مغربی محاذ کی کمان کی اس وقت سب سے بنیادی ذمےداری یہ تھی کہ دشمن اس فیصلہ کن حملے کو ناکام نہ بنانے پائے۔ اس بےحساب گھوڑسوار طاقت کو کامیابی کے ساتھ ایک جگہ جمع کرنے کےلئے جو کچھ بھی ضروری تھا کیا گیا۔

اوسان کے محاذ پر جنگی سرگرمیاں عارضی طور پر ملتوی کر دی گئیں۔ ماسکو سے خارکوف میں جنگی محاذ کے ہیڈکوارٹر تک اور وہاں سے چودھویں اور بارھویں فوجوں کے ہیڈکوارٹروں تک لگی ہوئی تار کی براہ‌راست لائنوں پر مسلسل پیغام آتے جاتے رہتے تھے۔ تار بابو تاربرقی کے اشارتی ابجد میں فوجی حکم ایک جگہ سے دوسری جگہ کھٹ‌کھٹاتے رہتے تھے: ''گھوڑسوار فوج کے مرکز کی طرف سے پولستانی فوجوں کا رخ دوسری طرف موڑ دو۔'' دشمن کے ساتھ جم کر ٹکر اسی وقت لی جاتی تھی جب پولستانی فوجوں کے آگے بڑھنے سے بودیونی کی گھوڑسوار ڈویژنوں پر آنچ آنے کا خطرہ ہوتا تھا۔

الاؤ کے شعلوں کی سرخ زبانیں بڑی اونچائی تک لپک رہی تھیں۔ آگ سے دھوئیں کے سیاہ حلقے چکر کھاتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ اور ان کی وجہ سے بےچین بھن‌بھناتے ہوئے بھنگوں کے غول بھاگے جا رہے تھے۔ آگ کے گرد سپاہی ایک نیم دائرے

واقع تھا۔ اور اسٹیشن کی چھوٹی سی عمارت اور اس کے آس پاس کی چند ٹوٹی ویران جھونپڑیوں ھی پر وھاں کی کل بستی مشتمل تھی۔ تین سال تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد لڑائیاں ھوتے رھنے کی وجہ سے اس خطے میں عام شہریوں کا رھنا ناممکن ھو گیا تھا۔ فرنتوفکا کبھی کسی کے قبضے میں چلا جاتا کبھی کسی کے!

بہت بڑے بڑے اھم واقعات ظہورپذیر ھونےوالے تھے۔ اپنے سپاھیوں کی تعداد میں بےشمار کمی ھو جانے کے بعد اور کچھ حد تک غیرمنظم ھوکر بارھویں فوج جس وقت پولستانی فوجوں کے حملوں کے آگے کیئف کی طرف ھٹ رھی تھی، اسی وقت مزدوروں کی جمہوریت اپنی تمام طاقت بٹور کر فتح کے نشے میں چور پولستانی سفید فوجوں پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاریاں کر رھی تھی۔

متعدد لڑائیوں کی آگ میں تپ کر نکھری ھوئی پہلی گھوڑسوار فوج کی ڈویژنیں شمالی قفقاز کے دوردراز علاقوں سے یوکرین منتقل کی جا رھی تھیں۔ فوجی نقل و حرکت کی یہ مہم دنیا کی فوجی تاریخ میں بےنظیر تھی۔ چوتھی، چھٹی، گیارھویں اور چودھویں گھوڑسوار ڈویژنیں ایک ایک کرکے اومان کے علاقے میں پہنچ کر جنگی محاذ کے عقب میں ایک جگہ پر مرکوز ھوتی گئیں۔ اور میدان جنگ کے اس خطے کی طرف جاتے ھوئے جہاں فیصلہ کن لڑائیاں ھونےوالی تھیں وہ راستے میں ماخنو کے لٹیروں کو بھی پسپا کرتی گئیں۔

بڑی محنت کے ساتھ اپنے تھیلے کا تسمہ سی رہا تھا۔ اس نے اپنے دانتوں سے کھردرے دھاگے کو کاٹا اور بچا ہوا آدھا دھاگا سوئی پر لپیٹ کر اپنی خود کے اندر کھونس لیا۔ ''اگر کوئی عشق کی داستان ہے تو میں سننے کےلئے سب سے پہلے تیار ہوں۔''

اس فقرے پر ایک زور کا قہقہہ پڑا۔ ساتویچک نے اپنا منڈا ہوا سر اٹھایا اور اس نکٹے لڑکے کی طرف شرارت بھری نظروں سے دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے کہا: ''عشق کا کیا کہنا، سریدا، اور پھر تم ہو بھی تو اتنے حسین کہ بالکل تصویر معلوم ہوتے ہو۔ جہاں کہیں ہم لوگ جاتے ہیں وہاں کی تمام لڑکیوں کے جوتوں کے تلے تمہارے پیچھے بھاگتے بھاگتے پھٹ جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایک بات بہت بری ہے کہ تمہارا جیسا سندر مکھڑا ایک چھوٹے سے عیب کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ ناک کی بجائے معلوم ہوتا ہے تمہارے چہرے پر ایک موٹا پیسہ لگا ہوا ہے۔ لیکن اس کا بڑی آسانی سے علاج ہو سکتا ہے۔ اپنی ناک کے سرے پر ایک نووتسکی* پن سیرا لٹکائے رہو بس صبح ہوتے ہی بالکل ٹھیک ہو جائےگی۔''

اس فقرےبازی کے بعد اتنے زور کا قہقہہ پڑا

---

* نووتسکی نام کا دستی بم تقریباً پانچ سیر کا ہوتا ہے اور تار کے جالوں کو توڑنے کے کام آتا ہے۔

کی شکل میں لیٹے ہوئے تھے اور آگ کی روشنی سے ان کے چہرے تانبے کی طرح دمک رہے تھے۔ نیلگوں سرمئی راکھ پر رکھے ہوئے ٹین کے برتنوں میں پانی کھول رہا تھا۔

ایک سلگتے ہوئے کندے کے نیچے سے دفعتاً آگ کے ایک شعلے نے اپنی زبان بےتحاشا لپکا کر کسی کے الجھے ہوئے بالوں کو چاٹ لیا۔ اس شخص نے جھنجھلا کر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا سر پیچھے ہٹا لیا اور بھنا کر کہا: ''لعنت ہے!'' اور آگ کے گرد بیٹھے ہوئے سپاہی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

بہت چھوٹی کتری ہوئی مونچھوں والے ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے جو سرخ فوج کی وردی پہنے ہوئے تھا، آگ کی روشنی میں اپنی رائفل کی نلی کا معائنہ کیا اور گونجتی ہوئی پاٹ دار آواز میں کہا:

''یہ چھوکرا تو عالم فاضل بننے کے چکر میں اتنا غرق ہے کہ اسے آگ کی گرمی بھی محسوس نہیں ہوتی۔''

''کورچاگن، کچھ ہم لوگوں کو بھی بتاؤ کہ کیا پڑھ رہے ہو'' کسی نے تجویز پیش کی۔

سرخ فوج کا وہ نوعمر سپاہی اپنے جھلسے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیر کر مسکرا دیا۔

''کامریڈ آندروشچک، سچ سچ بہت ہی عمدہ کتاب ہے۔ بس چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''کا ہے کے بارے میں ہے؟'' کورچاگن کے پاس بیٹھے ہوئے چپٹی ناک والے ایک لڑکے نے پوچھا جو

تھی۔ میں تو اس میں بالکل ھی کھو گیا ھوں۔ ساتھیو، اگر آپ لوگ خاموش بیٹھ کر سنیں تو میں پڑھنا شروع کروں۔،،

''ھاں ھاں، تم شروع کرو! ھم کسی کو بھی گڑبڑ نہیں کرنے دیں گے۔،،

تھوڑی دیر بعد جب رجمنٹ کا کمانڈر پوزی ریوسکی اپنے کمیسار کے ساتھ چپکے سے گھوڑے پر سوار الاؤ کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ گیارہ آدمیوں کی آنکھیں بڑے انہماک کے ساتھ پڑھنے والے پر جمی ھوئی ھیں۔ اس نے کمیسار سے مخاطب ھوکر الاؤ کے گرد بیٹھے ھوئے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا:

''رجمنٹ کے آدھے اسکاؤٹ یہاں بیٹھے ھیں۔ ان میں سے چار ابھی بالکل حال ھی میں نوجوان کمیونسٹ لیگ میں شریک ھوئے ھیں۔ لیکن یہ سب کے سب بہت اچھے سپاھی ھیں۔ وہ لڑکا جو کتاب پڑھ رھا ھے اس کا نام کورچاگن ھے۔ اور وہ جو ادھر بیٹھا ھے جس کی آنکھیں بھیڑیئے کے بچے جیسی ھیں ژارکی ھے۔ ان دونوں کی آپس میں بڑی دوستی ھے لیکن چپکے چپکے وہ دونوں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے رھتے ھیں۔ کورچاگن میرا سب سے اچھا اسکاؤٹ تھا لیکن اب اس کا ایک زبردست رقیب پیدا ھو گیا ھے۔ اس وقت یہ لوگ جو کام کر رھے ھیں وہ سیاسی کام ھے، اور بہت موثر قسم کا سیاسی کام ھے۔ میں نے سنا ھے کہ نوجوانوں کی اس ٹولی کا نام ''ینگ گارد،، رکھا گیا ھے۔ میری

کہ مشین گنوں کی گاڑیوں سے بندھے ہوئے گھوڑے ڈر کر ہنہنانے لگے۔

سریدا نے گردن گھما کر بے پروائی سے بولنے والے کی طرف دیکھا، اور بڑے پرمعنی انداز میں اپنے ماتھے کو انگلی سے تھپ تھپا کر کہا: ”صورت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہارے بھیجے میں کیا بھرا ہے۔ اپنے ہی کو لے لو۔ تمہاری زبان تو قینچی کی طرح چلتی ہے اور بالکل زہر میں بجھی ہوئی ہے۔ مگر ہو تم پورے گدھے کے گدھے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کانوں کو سردی لگ رہی ہے۔ انہیں گرم کرنے کی ضرورت ہے۔“

”بس بس، رہنے دو، چھوکرو! غصہ کرنے سے کیا فائدہ؟“ سکشن کمانڈر تاتاری نوف نے ان دونوں کو جھڑکتے ہوئے کہا جو کسی بھی دم ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کو تلے بیٹھے تھے۔ ”اس سے بہتر یہی ہے کہ اگر کورچاگن واقعی کوئی دلچسپ چیز پڑھ رہا ہے تو ہمیں بھی سنائے۔“

”یہ بات ٹھیک ہے۔ ہاں پاویل، سناؤ،“ ہر طرف سے سب نے پاویل سے فرمائش کی۔

پاویل نے گھوڑے کی زین آگ کے قریب سرکا لی اور اطمینان سے اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے وہ چھوٹی سی موٹی کتاب اپنے گھٹنوں پر کھول کر رکھ لی۔

”کامریڈو، اس کتاب کا نام ہے ”دی گیڈ فلائی“۔ یہ کتاب مجھے بٹالین کمیسار نے دی

کمیسار کی طرف مڑکر کہا: ''دورونن، تم چلو، میں تھوڑی دیر یہاں ٹھہروں گا۔ اگر ہیڈکوارٹر میں میری ضرورت ہو تو مجھے اطلاع بھجوا دینا۔'' دورونن کے چلے جانے کے بعد پوزی ریوسکی نے کورچاگن سے کہا: ''ہاں ہاں، تم پڑھتے رہو، میں بھی سنوں گا۔''

پاویل نے کتاب ختم کرکے اپنے گھٹنوں پر رکھ دی اور کچھ سوچتا ہوا آگ کو گھورنے لگا۔ چند لمحوں تک کوئی بھی نہیں بولا۔ سب لوگ ''گیڈفلائی'' کے المناک انجام کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ پوزی ریوسکی نے سگریٹ کا کش لگایا اور پھر وہ بحث شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

سریدا نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا: ''بڑی ہی دردناک کہانی ہے۔ تو دنیا میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔ اس نے جو کچھ برداشت کیا وہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر آدمی کسی مقصد کےلئے لڑ رہا ہو تو اس میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ ہر دشواری کا مقابلہ کر سکتا ہے۔''

صاف ظاہر تھا کہ سریدا اس کتاب سے بہت متاثر نظر آرہا تھا۔ اس کتاب نے اس کے دل پر ایک گہرا نقش ڈالا تھا۔

''اگر وہ پادری میرے ہتھے چڑھ جاتا جس نے اس کے حلق میں صلیب ٹھونسنے کی کوشش کی تھی تو میں اس سور کو وہیں ختم کر دیتا'' آندریوشا فومیچیف نے غصے کے ساتھ کہا۔ وہ بیلایا زرکوف کسی مقام کا رہنےوالا تھا اور فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے ایک موچی کے ہاں کام کرتا تھا۔

رائے میں ان کےلئے یہ بہت ھی مناسب نام ھے۔،،

''وہ لڑکا جو کتاب پڑھ رہا ھے کیا سیاسی تعلیم دینے کا کام اسی کے ذمے ھے؟،، کمیسار نے پوچھا۔

''نہیں، سیاسی تعلیم دینے کا کام تو کرامیر کا ھے،، پوزی ریوسکی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاکر آگے بڑھاتے ھوئے کہا۔

''ساتھیو، سلام!،، اس نے پکار کر کہا۔

سب لوگوں نے سر گھماکر کمانڈر کی طرف دیکھا۔ اور کمانڈر بڑی مشاقی کے ساتھ گھوڑے پر سے نیچے اترا اور سپاھیوں کے اس گروہ کی طرف چل دیا۔

''دوستو! آگ تاپی جا رھی ھے؟،، اس نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا اور اس کے سنجیدہ چہرے پر سے جس پر دو چھوٹی چھوٹی کچھ منگولوں جیسی آنکھیں چمک رھی تھیں، خشک سنجیدگی یک لخت غائب ھو گئی۔ سپاھیوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اپنے کمانڈر کا استقبال کیا، جیسے کوئی اپنے ساتھی اور گہرے دوست کا کرتا ھے۔ کمیسار جو آگے جانے کا ارادہ رکھتا تھا اپنے گھوڑے پر سے نہیں اترا۔

اپنے خول میں رکھے ھوئے پستول کو ایک طرف سرکاتے ھوئے پوزی ریوسکی کورچاگن کے پاس بیٹھ گیا۔

''کیوں، کچھ سگریٹ پینے کا ارادہ ھے؟،، اس نے ان لوگوں کے سامنے تجویز رکھی۔ ''میرے پاس تھوڑا بہت ھی عمدہ قسم کا تمباکو ھے۔،،

اس نے ایک سگریٹ تیار کرکے اسے سلگایا اور

سوت۔ میں آپ لوگوں کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو ایزیاسلاف کے مقام پر لڑائی کے دوران میں پیش آیا تھا۔ ایزیاسلاف دریائے گورن کے کنارے بسا ہوا ایک بہت پرانا شہر ہے، جس کی تعمیر بہت زمانہ پہلے شاہزادوں کے زمانے میں ہوئی تھی۔ وہاں ایک پولستانی گرجا گھر تھا، جو قلعہ‌نما بنا ہوا تھا۔ خیر ہم لوگ اس شہر میں داخل ہوئے اور ایک ایک کی قطار میں اس کی پرپیچ گلیوں میں ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ لاتویائی سپاہیوں کی ایک کمپنی ہمارے داہنے پہلو پر لڑ رہی تھی۔ جب ہم لوگ بڑی سڑک پر پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک مکان کی چہاردیواری کے جنگلے سے تین گھوڑے بندھے ہوئے ہیں اور ان کی پیٹھ پر زینیں کسی ہوئی ہیں۔ ہم بہت خوش ہوئے، سوچا اب یہاں کچھ پولستانی سپاہی ہاتھ لگیں گے۔ ہم تقریباً دس لوگ مکان کے صحن میں بھاگتے ہوئے داخل ہوئے۔ ہمارے آگے آگے اپنا ماؤزر پستول اٹھائے اس لاتویائی کمپنی کا کمانڈر بھاگا جا رہا تھا۔

”سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہم لوگ بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ لیکن پولستانی سپاہیوں کی بجائے ہماری ملاقات اپنے ہی سپاہیوں سے ہوئی۔ وہ لوگ ایک گھوڑسوار گشتی دستے کے سپاہی تھے۔ وہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہماری آنکھوں نے جو منظر وہاں دیکھا وہ قطعی خوشگوار نہیں تھا۔ وہ لوگ ایک عورت کی آبروریزی کر رہے تھے جو اس مکان میں رہنے والے

''اگر انسان کو یہ معلوم ہو کہ وہ کس چیز کےلئے اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے تو اس کےلئے مرنا اتنا دشوار نہیں ہوتا،، آندروشچک نے ایک لکڑی سے ٹین کے برتن کو آگ کے اور قریب سرکاتے ہوئے تیقن کے ساتھ کہا۔ ''یہی ہے وہ چیز جس سے انسان کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ حق پر ہے تو وہ خوشی خوشی جان دے سکتا ہے۔ ہیرو اسی طرح بنتے ہیں۔ کچھ دن ہوئے میں ایک لڑکے کو جانتا تھا۔ اس کا نام پورائکا تھا۔ اودیسا میں جب وہ سفید فوجوں کے نرغے میں گھر گیا تو اس نے تن تنہا ایک پوری پلٹن سے ٹکر لی۔ اور قبل اس کے کہ وہ لوگ اپنی سنگینوں سے اسے چھلنی کر سکتے اس نے خود کو اور ان تمام لوگوں کو بھی ایک دستی بم سے اڑا دیا۔ اور دیکھنے میں اس میں کوئی ایسی خاص بات بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اس قسم کا آدمی بھی نہیں تھا جن کے بارے میں آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ گو اس میں شک نہیں کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے بارے میں لکھا جائے۔ ہم جیسے لوگوں کے درمیان ایسے بہت سے شاندار کردار ملتے ہیں۔،،

اس نے ٹین کے برتن کو ایک چمچے سے چلایا اور پھر اس میں پکتی ہوئی چائے کو تھوڑا سا نکال کر اپنے آگے کو نکالے ہوئے ہونٹوں سے چکھا اور پھر اپنی تقریر دوبارہ جاری کر دی:

''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کتے کی موت مرتے ہیں، بہت ہی ذلت اور بےعزتی کی

آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں - یقین کیجئے مجھے
اس وقت بہت افسوس ہو رہا تھا کہ ناحق میں نے اس
سے اتنی بات کہی - اس نے اپنا پستول میری طرف تانا -
میں سات برس سے جنگ میں لڑ رہا ہوں لیکن اس وقت
تو میرے بھی ہوش اڑ گئے، اس بات کو میں قطعی
تسلیم کرتا ہوں - میں نے دیکھا کہ وہ گولی چلانے
کو پہلے تیار ہو جاتا تھا سوال بعد میں پوچھتا تھا -
اس نے بہت ھی ٹوٹی پھوٹی روسی میں چیخ کر مجھ
سے کچھ کہا اس لئے میں بڑی مشکل سے سمجھ پایا
کہ وہ کیا کہہ رہا ھے - وہ کہہ رہا تھا : 'ھمارا پرچم
ھمارے خون میں رنگا ھے - اس قسم کے لوگ تمام
فوج کے ساتھے پر کلنک لگاتے ھیں - اس لٹیرےپن کی
سزا موت ھے -'

''میں اور زیادہ برداشت نہ کر سکا اور اپنی
پوری رفتار سے بھاگ کر صحن سے نکل کر سڑک پر
آ گیا - اپنے پیچھے کی طرف میں نے ان لوگوں کے
گولی چلانے کی آواز سنی - میں سمجھ گیا کہ ان
تینوں کا کام تمام کر دیا گیا - جب تک ھم لوگ
اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس واپس پہنچے شہر پر
ھمارا قبضہ ھو چکا تھا - کتے کی موت مرنے سے میرا
مطلب یہی ھے جس طرح یہ لوگ مرے تھے - یہ گشتی
دستہ ان سپاھیوں میں سے ایک تھا جو میلتوپول میں
ھمارے ساتھ آئے تھے - ایک زمانے میں یہ لوگ ساخنو
کے ساتھ تھے - بالکل ھی ذلیل و رذیل قسم کے
لوگ تھے وہ -''

پولستانی افسر کی بیوی تھی۔ جب اس لاتویائی کمانڈر نے دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے تو اس نے اپنی زبان میں چلا کر کچھ کہا۔ اس کے سپاہی ان تینوں کو پکڑ کر باہر گھسیٹ لے گئے۔ ہم میں سے صرف دو آدمی روسی تھے، باقی سب لاتویائی تھے۔ ان کے کمانڈر کا نام بریڈس تھا۔ میں ان کی زبان تو نہیں سمجھتا لیکن میں اتنا ضرور سمجھ گیا کہ اس نے ان تینوں کا کام تمام کر دینے کا حکم دیا تھا۔ لاتویائی لوگ بہت ہی سخت ہوتے ہیں۔ ذرا بھی مروت نہیں کرتے۔ وہ لوگ ان تینوں کو گھسیٹ کر اصطبل میں لے گئے۔ میں سمجھ گیا کہ اب ان کا انجام قریب ہے۔ ان میں سے ایک شخص اپنی پوری طاقت لگا کر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بہت لحیم شحیم طاقت‌ور جسم‌والا آدمی تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ محض ایک فاحشہ عورت کی وجہ سے اسے گولی نہیں ماری جا سکتی۔ باقی دونوں بھی رحم کی درخواست کر رہے تھے۔

”میرے تو ہوش اڑ گئے اور سرد پسینہ چھٹنے لگا۔ میں بھاگا ہوا بریڈس کے پاس گیا اور بولا: 'کامریڈ کمپنی کمانڈر، ان لوگوں پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلوائیے۔ آپ اپنے ہاتھ ناحق کیوں ان لوگوں کے خون سے ناپاک کرنا چاہتے ہیں؟ ابھی شہر میں لڑائی چل رہی ہے اور ہم لوگ ہیں کہ یہاں ان دوزخیوں کے ساتھ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔' اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں شیر کی

کیوں؟ اور یہاں رہ کر تو ہم لوگوں کو ان اہم واقعات میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملے گا۔،،

کرامیر نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہاں کی بجائے وہاں بھرتی ہو جاؤں سے کیا مطلب؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ سنیما کی سیٹ کی طرح تم فوج کا دستہ بھی جب چاہے بدل سکتے ہو؟،،

''لیکن آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان کہاں رہ کر لڑتا ہے؟،، پاویل نے اس کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''میں میدان جنگ چھوڑ کر عقب میں جانے کی بات تو نہیں کر رہا ہوں۔ یا کر رہا ہوں؟،،

لیکن کرامیر پورے طور پر اس کی اس تجویز کے خلاف تھا۔

''ڈسپلن کا بھی کچھ خیال ہے تمہیں؟ پاویل، یوں تو مجموعی طور پر تم بڑے نوجوان نہیں ہو۔ لیکن بعض معاملات میں تم کچھ نراجیت‌پسند واقع ہوئے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے جی میں جو آئے کر سکتے ہو؟ میرے دوست، تم بھولتے ہو کہ پارٹی اور کمسومول کی تنظیم ایک آہنی ڈسپلن کی بنیاد پر قائم ہے۔ پارٹی کا مفاد ہمارے سامنے سب سے پہلے رہنا چاہئے اور ہم میں ہر شخص کو اس جگہ پر ہونا چاہئے جہاں ہماری سب سے زیادہ ضرورت ہو، نہ کہ جہاں ہمارا جی چاہے۔ پوزی‌ریوسکی نے تمہاری تبدیلہ کی عرضی رد کر دی تھی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟ تمہارے سوال کا جواب تمہیں دیا جا چکا ہے۔،،

کرامیر اس قدر ہیجانی کیفیت میں بول رہا

آندروشچک نے اپنا ٹین کا برتن اپنے قریب رکھ لیا اور اپنا روٹیوں کا تھیلا کھولنے لگا۔

"کبھی کبھی ہماری صفوں میں بھی اس قسم کے ذلیل لوگ نکل آتے ھیں۔ ہر شخص کی ہر حرکت کی ذمہ‌داری تو ہم نہیں لے سکتے۔ بظاہر تو سبھی انقلاب کےلئے لڑ رہے ھیں۔ ایسے ھی لوگوں کی وجہ سے ہماری بدنامی ہوتی ھے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ وہ میرے لئے بہت ھی تکلیف‌دہ منظر تھا۔ میں آسانی سے اسے نہیں بھلا سکتا،، اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اپنی تقریر ختم کی۔

جس وقت کیمپ کے تمام لوگ سوئے اس وقت رات بہت کافی بیت چکی تھی۔ رات کی خاموشی میں سریدا کے سیٹی کی آواز پیدا کرنےوالے خراٹے سنائی دے رہے تھے۔ پوزی‌ریوسکی ایک گھوڑے کی زین کا تکیہ لگائے سو رہا تھا۔ کراسیر جو سپاہیوں کو سیاسی تعلیم دیتا تھا، بیٹھا اپنی نوٹ‌بک میں کچھ لکھ رہا تھا۔

دوسرے دن سراغ رسانی کے کسی کام سے لوٹ کر پاویل نے اپنا گھوڑا ایک درخت سے باندھ دیا اور کراسیر کو پکارکر جو ابھی چائے کا پیالہ ختم کرکے بیٹھا ھی تھا، اس سے کہا:

"اے کراسیر، تمہارا کیا خیال ھے، میں یہاں کی بجائے پہلی گھوڑسوار فوج میں بھرتی ہو جاؤں؟ قرائن سے تو معلوم ہوتا ھے کہ بہت بڑے بڑے واقعات ہونےوالے ھیں۔ سپاھیوں کو اتنی بڑی تعداد میں محض تفریحاً تو نہیں جمع کیا جا رہا ہوگا۔

ڈھالی برجس پہنے مستانہ‌وار گوپک ناچ ناچ رہا تھا، وہ باجے کے بے سرےپن پر جھنجھلا اٹھتا تھا۔

گاؤں کے چھوکرے اور چھوکریاں مشین گن کی گاڑی یا چہاردیواریوں پر چڑھ کر بڑی مشتاق نگاھوں سے ان فوجیوں کے کرتب دیکھ رھی تھیں۔ ان کا بریگیڈ ابھی تھوڑی دیر پہلے ھی گاؤں میں داخل ھوا تھا۔

''ھاں تپ‌تالو، ذرا رهے۔ زمین کھد جائے تب کی بات ھے! اخ۔ یہ ھوئی بات، برادر! ارے! اکارڈین ذرا اور تیز کرو۔ ابھی گرمی نہیں آئی!،،

لیکن اکارڈین بجانےوالے کی موٹی موٹی بھدی انگلیاں جو بڑی آسانی کے ساتھ گھوڑے کی نعل کو موڑ سکتی تھیں اس ساز کے پردوں پر بہت ھی بھونڈےپن سے چل رھی تھیں۔

''بڑا برا ھوا کہ آفاناسی کلیابکو ماخنو کی نذر ھو گیا،، ایک گھوڑسوار نے جس کا چہرہ کانسے کے رنگ کا تھا، افسوس کا اظہار کرتے ھوئے کہا۔ ''وہ لڑکا بہت ھی عمدہ اکارڈین بجاتا تھا۔ وہ ھماری ٹکڑی میں دائیں بازو کی طرف اپنے گھوڑے پر سوار چل رھا تھا۔ بہت ھی برا ھوا کہ وہ مارا گیا۔ اور وہ سپاھی بھی بہت اچھا تھا۔ اور اس سے عمدہ اکارڈین بجانےوالا تو ھمارے پاس کبھی ھوا ھی نہیں۔،،

پاویل دائرے میں کھڑا ھوا تھا۔ اس نے یہ آخری فقرہ سنا اور وہ دوسروں کو دھکا دیتا ھوا مشین گن کی گاڑی کے قریب جا پہنچا۔ وھاں

تھا کہ اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ یہ لمبے قد کا دبلا پتلا آدمی فوج میں داخل ہونے سے پہلے ایک چھاپہ‌خانے میں کام کرتا تھا۔ سیسے کا چورا اس کے پھیپھڑوں میں گہرائی تک پیوست ہو گیا تھا اور اس کے زرد بےآب چہرے پر اکثر اوقات سرخی کی ایک گہری لہر دوڑ جاتی تھی جو تپ‌دق کی علامت تھی۔

جوں ہی کراسیر کو سکون حاصل ہوا پاویل نے دبی ہوئی لیکن فیصلہ‌کن آواز میں کہا:

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔ لیکن پھر بھی میں بودیونی کی فوج میں بھرتی ہوکر ہی رہوں‌گا۔''

دوسرے دن شام کو جب کیمپ کے تمام لوگ الاؤ کے گرد جمع ہوئے تو پاویل وہاں سے غائب تھا۔

قریب ہی کے ایک گاؤں میں بودیونی کے گھوڑسواروں کی ایک ٹولی پہاڑی کے اوپر اسکول کی عمارت کے باہر وسیع دائرے کی شکل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک دیوقامت شخص اپنی ٹوپی پیچھے کی طرف سرکائے مشین گن کی گاڑی کی پشت پر بیٹھا ہوا اکارڈین بجا رہا تھا۔ اس کی غیرمشاق انگلیوں کی حرکت سے وہ باجا بہت ہی بےسرے طریقے سے، ایک دردناک سی آواز میں چلا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بجانے کی بجائے کوئی اسے ایذا پہنچا رہا ہو۔ دائرے کے بیچ میں جو زندہ‌دل گھوڑسوار سرخ رنگ کی بہت ہی ڈھیلی

ھوا وہ دائرے میں داخل ھوا اور حیرت‌انگیز پینترے بدلتے ھوئے اس نے موسیقی کی تال پر بڑی چستی کے ساتھ باری باری سے اپنی رانوں، گھٹنوں، سر، ماتھے، جوتے کے تلوں اور آخر میں منھ پر تھپکیاں دینی شروع کیں۔

اکارڈین کی رفتار تیز ھوتی جارھی تھی، اور ...ں سے مدھوش کر دینے‌والا پرکیف نغمہ پھوٹ رھا تھا۔ تپ‌تالو بھی اپنی ٹانگوں کو بڑی چستی کے ساتھ اچھال کر ایڑی کے بل ناچتا ھوا پورے دائرے کا چکر لگاتا رھا جیسے کوئی لٹو ناچ رھا ھو۔

کئی مختصر سی لیکن گھمسان ٹکروں کے بعد پانچ جون ۱۹۲۰ء کو بودیوننی کی پہلی گھوڑ سوار فوج پولستانی محاذ کو تیسری اور چوتھی پولستانی فوجوں کے درمیان چیرتی ھوئی آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد اس نے جنرل ساوتسکی کی رھنمائی میں لڑنے‌والے ایک پولستانی گھوڑسوار بریگیڈ کو جو راستے میں پڑاؤ ڈالے ھوئے تھا، پسپا کیا اور پھر طوفانی رفتار سے ژیتومیر کی طرف روانہ ھوئی۔

پولستانی کمان نے حملہ کرنے کےلئے جلدی جلدی ایک رسالہ منظم کیا اور اسے اس شگاف کو پر کرنے کےلئے لڑائی میں جھونک دیا۔ پانچ ٹینک ...گرے بشچیے اسٹیشن سے میدان جنگ کی طرف فوراً روانہ کئے گئے۔ لیکن گھوڑ سوار فوج زارودنتسی سے ...را کر نکل گئی اور پولستانی فوجوں کے عقب میں

پہنچ کر اس نے اپنا ھاتھ اکارڈین کی دھونکنیوں پر رکھ دیا اور موسیقی کا سلسلہ رک گیا۔

''آخر تم چاھتے کیا ھو؟،، اکارڈین بجانے والے نے ترش روئی سے اس سے پوچھا۔

تپ‌تالو ناچتے ناچتے یک‌بیک رک گیا۔ اور مجمع میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ''آخر معاملہ کیا ھے؟ کیا ھو رھا ھے وھاں؟،،

پاویل نے آگے بڑھ کر ساز کی طرف ھاتھ بڑھایا۔ ''لائیے میں کوشش کرتا ھوں،، اس نے کہا۔

بودیونئی کی فوج کا وہ گھوڑسوار کچھ بےیقینی کے ساتھ اس سرخ سپاھی کو دیکھنے لگا، اور بڑی بےدلی کے ساتھ اس نے اپنے کندھے سے اکارڈین کا تسمہ سرکا دیا۔

ایک کہنہ مشق کی طرح پاویل نے ساز اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور اس کی لہردار دھونکنیوں کو پنکھے کی طرح کھولا اور ایک پھڑکتی ھوئی دھن چھیڑ دی۔ اکارڈین پر جتنی پرکیف اور سریلی موسیقی ممکن ھے وہ اس دھن میں موجود تھی:

کدھر چلی
او نئی نویلی نار؟
چیکا پکڑ لے جائے گی
پھر کبھی نہ آئے گی

تپ‌تالو نے جانی پہچانی دھن فوراً پکڑ لی اور اپنے بازوؤں کو ایک بہت بڑی چڑیا کی طرح پھڑپھڑاتا

اهم جنکشن تھے اور حکومت کے کاروبار کے بھی اہم مرکز تھے۔ ے جون کو علی الصباح چوتھی گھوڑسوار ڈویژن پوری رفتار کے ساتھ ژیتومیر کی طرف بڑھی آ رہی تھی۔

گھوڑسواروں کی ایک ٹکڑی کے داھنے بازو کی طرف اکارڈین بجانےوالے کلیابکو کی جگہ پر، جس کی موت کا سب کو بہت غم تھا، اب کورچاگن ایک گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ تمام سپاھیوں کی مجموعی درخواست پر اسے اس ٹکڑی میں بھرتی کر لیا گیا تھا کیوں کہ وہ لوگ اتنے اچھے اکارڈین بجانےوالے کو ھاتھ سے جانے نہیں دینا چاھتے تھے۔

اپنے پسینے میں تر گھوڑوں کو سستانے کا موقع دئے بغیر وہ لوگ پنکھے کی شکل میں ژیتومیر کے آس پاس پھیل گئے اور سورج کی دھوپ میں اپنی ننگی تلواریں چمکاتے ھوئے شہر پر ٹوٹ پڑے۔

گھوڑوں کی ٹاپوں تلے زمین کراہ رھی تھی، گھوڑے بری طرح ھانپ رہے تھے، اور سپاھی رکابوں پر زور دےکر گھوڑوں کی گردنوں پر جھکے ھوئے آگے بڑھے جا رہے تھے۔

ان کے گھوڑوں کے قدموں کے نیچے زمین بڑی تیزی کے ساتھ پیچھے بھاگی جا رھی تھی۔ اور وہ بڑا سا شہر اپنے باغوں اور سبزہ‌زاروں سے آراستہ اس ڈویژن کا استقبال کرنے کےلئے ان کے سامنے تیزی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ گھوڑوں پر سوار یہ طوفانی سیلاب باغوں کے قریب سے برق رفتاری کے ساتھ گذرتا ھوا شہر کے بیچوں بیچ ٹوٹ پڑا۔ ان کے دل

جا پہنچی۔ پولستانیوں نے زارودنتسی ھی میں اس فوج پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

جنرل کورنتسکی کی گھوڑسوار ڈویژن پہلی گھوڑسوار فوج کا تعاقب کرنے کےلئے روانہ کی گئی، اور اسے پیچھے کی طرف سے اس فوج پر حملہ کرنے کی ھدایت دی گئی۔ پولستانی کمان کا خیال تھا کہ یہ فوج کازاتن کی طرف جا رھی ھے جوکہ جنگ کے نقطۂ نگاہ سے پولستانی مورچہ کی عقب میں اھم‌ترین مقاموں میں سے ایک تھا۔ لیکن اس چال سے بھی پولستانی فوجوں کی حالت سدھر نہ سکی۔ حالانکہ وہ اس شگاف کو پر کرنے اور پہلی گھوڑسوار فوج کو باقی فوجوں سے الگ کر دینے میں کامیاب ھو گئے لیکن یہ بات ان کےلئے کافی تکلیف اور بےاطمینانی کا باعث بنی رھی کہ ان کے مورچے کے پیچھے ایک مضبوط گھوڑسوار فوج تھی جو ان کے عقبی اڈوں کو نیست و نابود کر دینے پر تلی ھوئی تھی، اور جو کسی بھی وقت کیئف میں مقیم ان کی فوجی ٹکڑی پر یلغار کر سکتی تھی۔ آگے بڑھتے ھوئے سرخ گھوڑسوار ڈویژنوں نے راستے میں ریل کے کئی چھوٹے چھوٹے پل اڑا دئے اور ریل کی پٹریاں اکھاڑ دیں تاکہ پولستانی فوجوں کےلئے پیچھے بھاگنا دشوار ھو جائے۔

قیدیوں سے یہ اطلاع پاکر کہ پولستانی فوج کا ایک ھیڈکوارٹر ژیتومیر میں قائم ھے (دراصل پورے محاذ کا ھیڈکوارٹر وھیں پر قائم تھا) پہلی گھوڑسوار فوج کے کمانڈر نے ژیتومیر اور بردی‌چیف پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ دونوں شہر ریل کے

سیدھے موت کے منھ میں مشین گن کی سمت سرپٹ بڑھتے گئے۔ گولی سنسناتی ہوئی پاویل کے گال کے قریب سے گذر گئی اور دوسرے لمحے زناٹے کے ساتھ بنا گتے ہوئے گھوڑے کی ٹکر کھاکر لفٹیننٹ کا سر سڑک کے پتھروں سے ٹکرایا اور وہ بےحس و حرکت پیٹھ کے بل گر پڑا۔

اسی لمحہ مشین گن سے بےتحاشہ گولیوں کی ایک وحشیانہ بوچھار ہوئی اور تپ‌تالو اور اس کا سیاہ گھوڑا دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

پاویل کا گھوڑا دھشت‌زدہ ہوکر ھنہناتا ہوا الف ہو گیا اور اپنے سوار سمیت زمین پر پڑی ہوئی لاشوں کو پھاندتا ہوا وہ مشین گن چلانےوالے سپاھیوں پر کودا۔ پاویل کی تیغ فضا میں ایک روشن خط بناتی ہوئی ایک نیلے رنگ کی مستطیل فوجی ٹوپی میں دھنس گئی۔

تیغ دوبارہ چمکتی ہوئی اوپر کو اٹھی اور دوسرے سر پر پڑنے ھی والی تھی کہ دھشت‌زدہ گھوڑا چھٹک کر الگ ھٹ گیا۔

ایک تند کوھستانی آبشار کی طرح گھوڑسوار رسالہ سڑک کے اس نکڑ پر ٹوٹ پڑا اور بیسیوں تیغیں فضا میں چمکنے لگیں۔

قید خانے کے تنگ، لمبے گلیارے لوگوں کی چیخ پکار سے گونج رہے تھے۔

کوٹھریوں میں ایک خلفشار مچا ہوا تھا۔ ان کوٹھریوں میں لاتعداد مرد اور عورتیں بری طرح

دہلا دینےوالے جنگی نعروں سے، جن میں موت کی سی بےرحمی تھی، فضا گونج اٹھی۔

پولستانی فوجیں اس قدر ششدر و حیران رہ گئیں کہ انہوں نے زیادہ مزاحمت بھی نہیں کی۔ اس شہر کی مقامی محافظ فوج پسپا کر دی گئی۔

اپنے گھوڑے کی گردن پر پوری طرح جھکا ہوا کورچاگن تپ‌تالو کے پہلو بہ پہلو بھاگم بھاگ چلا جا رہا تھا۔ تپ‌تالو ایک پتلی ٹانگوں‌والے سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ پاویل نے دیکھا کہ اس جانباز گھوڑسوار نے ایک پولستانی سپاہی پر اچوک وار کرکے کس طرح اس کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اس آدمی کو اپنی بندوق اٹھاکر کندھے تک لانے کا موقعہ بھی نہیں مل پایا۔

سڑک پر آگے بڑھتے ہوئے ان کے گھوڑوں کی لوہے کی نعلیں سڑک کے پتھروں سے ٹکراکر ایک کرخت آواز پیدا کر رہی تھیں۔ کچھ دور آگے ایک چوراہے پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ان کے بالکل سامنے سڑک کے بیچوں بیچ ایک مشین گن لگی ہوئی ہے۔ نیلی وردیاں اور لمبوتری پولستانی ٹوپیاں پہنے ہوئے تین سپاہی مشین گن پر جھکے کھڑے تھے۔ ایک چوتھا آدمی بھی وہاں پر موجود تھا جس کے کوٹ کے کالر پر سنہری ڈوری سے ایک چھلےدار بیل بنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ماؤزر پستول سے گھوڑسواروں پر نشانہ لیا۔

تپ‌تالو اور پاویل دونوں میں سے کوئی بھی اپنے گھوڑے کو نہ روک سکتا تھا۔ لہذا وہ دونوں

چابیاں آئی جاتی ھیں۔ جو تالا آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا اسے ہم چابیوں سے کھول لیں گے۔،،

قید خانے کی گارد کے سپاھیوں کی پیٹھ میں ریوالور اڑا کر انھیں گلیارے میں سے ھوکر کہیں لے جایا جا رہا تھا۔ اس کے تھوڑی ھی دیر بعد وہ گلیارے شکستہ حال اور میلے کچیلے مردوں اور عورتوں سے بھر گئے جو خوشی کے مارے دیوانے ھو اٹھے تھے۔

کوٹھری کا دروازہ پورا کھول کر پاویل بھاگ کر اندر داخل ھوا۔

''ساتھیو، آپ آزاد ھیں! ھم لوگ بودیوننی کی فوج کے سپاھی ھیں، ھماری ڈویژن نے شہر پر قبضہ کر لیا ھے!،،

ایک عورت جس کی آنکھیں ڈبڈبائی ھوئی تھیں، بھاگتی ھوئی پاویل کے قریب آئی، اور اسے اپنی باھوں میں بھینچ کر اس طرح سسک سسک کر رونے لگی جیسے اسے بہت دن کا بچھڑا ھوا اپنا کوئی عزیز مل گیا ھو۔

پانچ ھزار اکہتر بالشویکوں کی رھائی جنہیں پولستانی سفید فوجوں نے ان پتھر کے تہ خانوں میں گولی مارے جانے یا پھانسی پر لٹکائے جانے کا انتظار کرنے کےلئے بند کر رکھا تھا، اور ان کے ساتھ سرخ فوج کے دو ھزار سیاسی کارکنوں کی رھائی ان سپاھیوں کے نزدیک تمام نمائشات فتح سے زیادہ اھمیت رکھتی تھی۔ یہ انعام ان کےلئے خود فتح سے بھی بڑھ کر تھا۔ ماہ جون کے تپتے ھوئے دنوں کے تابناک

ٹھونس کر بند کر دئے گئے تھے۔ ان کے چہرے سوکھے، مرجھائے ہوئے اور ستم‌زدہ نظر آ رہے تھے۔ ان لوگوں کو اس کا علم تھا کہ شہر میں لڑائی ہو رہی ہے اور ان کو اس بات پر آسانی سے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا مطلب تھا ان کی رہائی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو حملہ‌آور اتنے اچانک طور پر شہر پر ٹوٹ پڑے تھے وہ ان کے اپنے ھی آدمی تھے۔

قید خانے کے صحن میں گولیاں چلنے لگیں۔ گلیاروں میں لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور پھر یک‌بیک انہیں وہ عزیز ازجان اور انتہائی مانوس الفاظ سنائی دئے جن کی وہ آس لگائے بیٹھے تھے: ''ساتھیو، آپ آزاد ھیں!،،

پاویل ایک مقفل دروازے کی طرف لپکا جس میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی تھی۔ درجنوں قیدیوں کی آنکھیں اس کھڑکی میں سے بیتابی سے جھانک رہی تھیں۔ اس نے اپنی رائفل کا کندہ کئی بار تالے پر زور سے مارا۔

''ٹھہرو، میں ابھی اسے ایک بم سے اڑائے دیتا ھوں،، میرونوف نے پاویل کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا دستی بم نکال کر کہا۔

پلٹن کے کمانڈر تسیگارچنکو نے دستی بم اس کے ھاتھ سے جھپٹ کر چھین لیا۔

''کیا کر رہے ھو، بے‌وقوف کہیں کے! تمہارا کچھ دماغ خراب ھوا ھے؟ ابھی ذرا سی دیر میں

میں سے کسی نے غداری کی تھی! پاویل ، میں ان دنوں کے بارے میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے ان میں سے بہتوں کو تم جانتے ہو۔ مثلاً والیا بروژاک اور روزا گرتسمان، کیسی پیاری لڑکی تھی وہ! روزا حال ھی میں سترہ سال کی ہوئی تھی۔ پاویل، کس قدر اعتبار تھا اس کی آنکھوں میں! اس کے علاوہ ساشا بن‌شافٹ پکڑا گیا تھا۔ اسے تو تم جانتے ہوگے۔ وہ ھمارے چھاپے خانے میں ٹائپ بٹھانے کا کام کرتا تھا۔ بڑا مست لڑکا تھا۔ ھمیشہ چھاپے خانے کے مالک کے کارٹون بناتا رھتا تھا۔ وہ لوگ اسے اور اس کے ساتھ ثانوی مدرسے کے دو لڑکوں، نوووسیلسکی اور تژتس کو بھی پکڑ لے گئے۔ غالباً تمہیں وہ دونوں بھی یاد ہونگے؟ باقی لوگ بھی مقامی آدمی تھے۔ چند لوگ ضلع کے مرکز کے بھی تھے۔ کل ملا کر انتیس لوگ گرفتار کئے گئے تھے جن میں سے چھہ عورتیں تھیں۔ ان سب کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ پہلے ھی دن والیا اور روزا کی عصمت‌دری کی گئی۔ ان موذیوں نے ان کے ساتھ ھر قسم کی شرمناک حرکتیں کیں اور پھر ان بےچاریوں کو گھسیٹ کر کوٹھری میں ڈال گئے۔ اس وقت ان کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ اس واقعہ کے کچھ ھی عرصے کے بعد روزا بہکی بہکی باتیں کرنے لگی اور کچھ ھی دن بعد بالکل پاگل ہو گئی۔

”ان لوگوں کو یقین نہیں آیا کہ وہ سچ سچ پاگل ہو گئی ھے! وہ کہتے تھے کہ بنتی ھے۔ اس

سورج نے ان سات ہزار انقلابیوں کے لئے رات کی بھیانک تاریکی کو ہمیشہ کےلئے ختم کر دیا۔

ایک قیدی جس کی جلد نیبو کی طرح زرد پڑ گئی تھی، خوشی سے بےتاب ہوکر پاویل کی طرف لپکا۔ وہ سیموئیل لیخر تھا جو شپیتوفکا کے چھاپے خانے میں کمپوزیٹر کا کام کرتا تھا۔

جب پاویل نے سیموئیل سے اس خون چکاں المیہ کی پوری داستان سنی، جو اس کی جنم بھومی میں کھیلا گیا تھا، تو اس کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ گیا اور سیموئیل کے الفاظ اس کے دل میں پگھلی ہوئی دھات کے قطروں کی طرح پیوست ہوتے گئے۔

''انہوں نے ہمیں رات کے وقت گرفتار کیا، ہم سب لوگوں کو بیک وقت۔ کسی بدمعاش نے ہمارے ساتھ غداری کرکے فوجی پولیس کو ہمارے نام بتا دئیے ہیں۔ اور ایک بار جب ہم ان کے چنگل میں آ گئے تو انہوں نے ہمارے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کی۔ پاویل، ان لوگوں نے ہمیں بڑی بےرحمی سے مارا۔ مجھے تو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کم تکلیف ہوئی کیوں کہ میں پہلے ہی چند لمحوں کے بعد بیہوش ہوکر گر پڑا۔ لیکن دوسرے لوگ نسبتاً زیادہ طاقت‌ور تھے۔ ہم لوگوں کے پاس کوئی خفیہ راز نہیں تھا۔ فوجی پولیس کو ہر بات کے بارے میں ہم سے زیادہ معلومات حاصل تھیں۔ انہیں ہم لوگوں کی ایک ایک گذشتہ حرکت کا پتہ تھا۔ اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے جب کہ ہم ہی

فوجی عدالت نے والیا اور دوسرے دو شخصوں کےلئے پھانسی کی سزا تجویز کی اور باقی تمام لوگوں کےلئے گولی سے اڑا دئے جانے کی۔ جن پولستانی سپاهیوں نے همارے ساتھ مل کر کام کیا تھا، ان پر دو دن پہلے هی مقدمه چلایا جا چکا تھا۔ کارپوریل سنے گورکو پر وطن کے ساتھ غداری اور سپاهیوں میں کمیونسٹ خیالات کا پرچار کرنے کا الزام لگایا گیا اور اسے گولی سے اڑا دئے جانے کی سزا دی گئی۔ جنگ سے پہلے وہ لودز کے شہر میں بجلی کا مستری تھا۔ گرفتاری کے وقت وہ تاربرقی کے آلوں پر کام کرتا تھا۔ اس نے سزائے موت کے خلاف کوئی اپیل بھی نہیں کی اور سزا سنانے کے چوبیس گھنٹے بعد اسے گولی مار دی گئی۔

''اس کے مقدمے میں والیا کو شہادت کےلئے طلب کیا گیا تھا۔ بعد میں اس نے هم لوگوں کو بتایا که سنے گورکو نے عدالت کے سامنے کمیونسٹ خیالات کا پرچار کرنے کے الزام کو تسلیم کیا لیکن اس بات کو قطعی تسلیم نہیں کیا که اس نے اپنے ملک کے ساتھ کسی قسم کی غداری کی تھی۔ اس نے کہا: میرا وطن پولستانی سوویت سوشلسٹ جمہوریت ہے۔ هاں، میں پولینڈ کی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر هوں۔ مجھے میری مرضی کے خلاف فوج میں بھرتی کیا گیا ور میں نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی که میں پنے جیسے متعدد دوسرے لوگوں کی آنکھیں کھول دوں جنہیں زبردستی جنگ کے محاذ پر بھیج دیا گیا تھا۔ مجھے اس جرم کےلئے بیشک پھانسی دی جا

لئے ہر بار جب وہ اسے سوال کرنے کےلئے لے جاتے تھے تو بڑی بےرحمی سے پیٹتے تھے۔ آخرکار جب ان لوگوں نے اسے گولی ماری تو اس وقت اس کی حالت انتہائی عبرت ناک ہو چکی تھی۔ اس کا تمام چہرہ زخموں سے سیاہ پڑ گیا تھا، اس کی آنکھوں میں دیوانگی تھی اور وہ بالکل بڑھیا معلوم ہونے لگی تھی۔

''والیا بروژاک کا رویہ آخر تک بہت قابل تعریف رہا۔ ان سب نے سچے سورماؤں کی طرح اپنی جانیں دیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں اتنی قوت برداشت کہاں سے آئی۔ آہ پاویل! میں ان کی موت کا منظر تم سے کس طرح بیان کروں۔ بہت ہی ہولناک تھا وہ منظر! والیا کے ذمے بہت ہی خطرناک قسم کا کام تھا۔ پولستانی فوج کے ہیڈکوارٹر میں تاربرقی کے آلوں پر کام کرنےوالے لوگوں اور ضلع کے مرکز میں ہمارے لوگوں کے ساتھ وہی تعلق قائم رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ جب اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے یہاں سے ایک پستول اور دو دستی بم برآمد ہوئے۔ وہ دستی بم تو اسے اس شخص نے دئے تھے جو دشمن کے ساتھ ساز باز کرکے ہمیں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پوری سازش اس طرح مرتب کی گئی تھی کہ ان لوگوں پر یہ الزام لگایا جائے کہ وہ فوجی ہیڈکوارٹر کو اڑا دینا چاہتے تھے۔

''آہ پاویل! کیا بتاؤں، ان آخری دنوں کا ذکر کرتے ہوئے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ لیکن چوں کہ تم اصرار کر رہے ہو اس لئے میں تمہیں بتاؤں گا۔



سکتی ھے لیکن اس لئے نہیں کہ میں نے وطن کے ساتھ غداری کی ھے کیونکہ نہ تو میں کبھی غدار تھا اور نہ کبھی آئندہ اپنی مادر وطن کے ساتھ غداری کروں گا۔ تمہارا وطن میرا وطن نہیں۔ تمہارا وطن رؤسا کا وطن ھے اور میرا وطن مزدوروں اور کسانوں کا وطن ھے۔ اور میرے وطن میں جو ایک دن قائم ہو کے رھے گا — اس بات کے بارے میں مجھے کسی قسم کا شبہہ نہیں ھے — مجھے کبھی کوئی غدار نہیں کہہ سکے گا۔،

''مقدمے کے بعد ھم سب کو ساتھ رکھا گیا۔ سزائے موت کی تعمیل سے فوراً پہلے ھم لوگوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ رات کو ان لوگوں نے جیل کے سامنے ھسپتال کے قریب پھانسی کا تختہ تیار کیا۔ گولی مارنے کےلئے انہوں نے سڑک سے تھوڑے فاصلے پر جنگل کے قریب کی ایک بڑی سی خندق کے پاس ایک جگہ منتخب کی تھی۔ ھم سب لوگوں کےلئے ایک مشترکہ قبر تیار کی گئی تھی۔

''ان سزاؤں کا اعلان کرتے ھوئے تمام شہر میں پوسٹر چپکا دئے گئے تھے تاکہ ھر شخص کو ان کی اطلاع ھو جائے۔ شہر کے تمام باشندوں کے دلوں میں دھشت بٹھانے کےلئے پولستانیوں نے برسر عام یہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ صبح ھی سے وہ لوگ شہروالوں کو کھدیڑ کھدیڑ کر قتل گہ کی طرف لانے لگے۔ حالانکہ یہ بہت ھی ھولناک منظر تھا لیکن کچھ لوگ وھاں محض تماشہ دیکھنے کی غرض سے گئے تھے۔ تھوڑی ھی دیر میں جیل خانے کی دیوار کے باھر بہت بڑا مجمع جمع کر لیا گیا۔

اپنی جیل کی کوٹھری سے ہمیں ان لوگوں کی آوازوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ مجمع کے پیچھے سڑک پر انہوں نے مشین گنیں لگا رکھی تھیں اور اس علاقے کے ہر حصے سے گھوڑسوار اور پیدل خفیہ پولیس کو خاص طور پر بلا لیا گیا تھا۔ ان پولیس والوں کی پوری بٹالین سڑکوں کو اور ان کے اس پاروالے سبزیوں کے کھیتوں کو گھیرے کھڑی تھی۔ جن لوگوں کو پھانسی دی جانےوالی تھی ان کےلئے پھانسی کے تختے کے پاس ایک بڑا سا گڑھا کھودا گیا تھا۔

''ہم لوگ خاموشی کے ساتھ اپنے انجام کا انتظار کر رہے تھے، کبھی کبھی آپس میں بس ایک آدھ بات کر لیتے تھے۔ اس سے پچھلی رات کو ہم لوگوں کو جو کچھ بھی کہنا سننا تھا سب کہہ سن چکے تھے اور ایک دوسرے سے رخصت ہو چکے تھے۔ صرف روزا کوٹھری کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی اپنے آپ سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہی تھی۔ اتنی مارپیٹ اور اذیتیں برداشت کرنے کے بعد دنیا میں تو ہلنے جلنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی اور وہ تمام وقت بےحس و حرکت پڑی رہتی تھی۔ دو مقامی کمیونسٹ لڑکیاں جو آپس میں بہنیں تھیں، جب آخری بار ایک دوسرے سے رخصت ہونے کےلئے گلے ملیں تو ان کی آنکھوں سے بےاختیار آنسو نکل پڑے۔ ستیپانوف نے جو ایک دیہاتی کڑیل جوان تھا اور جس نے دو پولیس والوں کو زخمی کیا تھا جب وہ اسے گرفتار کرنے کےلئے گئے تھے، ان

کرتے ہوئے ہم اپنے ساتھیوں کو مرتے ہوئے دیکھیں۔ پھانسی کا چوکھٹا بہت اونچا تھا اور موٹے موٹے شہتیروں سے تیار کیا گیا تھا۔ چوکھٹے کے درمیانی بڑے شہتیر سے موٹی رسی کے تین پھندے لٹک رہے تھے اور ہر پھندے کے نیچے ایک زینےدار چبوترہ لکڑی کے کندوں پر ٹکا ہوا تھا۔ لکڑی کے یہ کندے پیر کی ٹھوکر سے کھسکائے جا سکتے تھے۔ مجمع کے بیکراں سمندر سے جو ہولے ہولے ھلکورے لے رہا تھا ایک ھلکی سی سرسراھٹ کی آواز اٹھی۔ تمام نظریں ہم لوگوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ہم نے مجمع میں اپنے کچھ عزیزوں کو پہچانا۔

''وھاں سے کچھ فاصلے پر ایک برساتی کے قریب پولستانی رؤسا اور افسران کا گروہ دوربینیں لئے کھڑا تھا۔ وہ لوگ بالشویکوں کو پھانسی دئے جانے کا تماشہ دیکھنے آئے تھے۔

''ھمارے قدموں کے نیچے نرم برف بچھی ہوئی تھی۔ تمام جنگل برف سے سفید ہو رہا تھا۔ اور درختوں پر برف کی موٹی موٹی تہیں روئی کے گالوں کی طرح جمی ہوئی تھیں۔ برف کے گالے فضا میں چکر کاٹتے ہوئے دھیرے دھیرے گر رہے تھے اور ھمارے تمتماتے ہوئے چہروں پر آکر پگھل جاتے تھے۔ پھانسی کے تختے کے زینوں پر بھی برف کا غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ ہم لوگ بہت ھی ناکافی کپڑے پہنے ہوئے تھے لیکن ہم میں سے کسی کو بھی سردی نہیں لگ رہی تھی۔ ستیپانوف کو تو اتنا بھی ہوش

دونوں بہنوں کو رونے سے منع کیا : 'ساتھیو، آنسو نہ بہاؤ ! تم یہاں تو خیر رو سکتی ہو لیکن وہاں باہر قطعی نہیں۔ ہم لوگ ان بدمعاشوں قاتلوں کو دل ہی دل میں خوش ہونے کا موقعہ نہیں دے سکتے۔ ہمارے ساتھ اب کسی قسم کا رحم کئے جانے کی امید تو ہے نہیں۔ ہمیں مرنا تو بہرحال ہے، پھر کیوں نہ ہم عزت کے ساتھ مریں۔ ہم ان کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے۔ ساتھیو، یاد رہے ہم لوگ شان کے ساتھ مریں گے۔'

''پھر وہ لوگ ہمیں لینے آئے۔ ان کے آگے آگے محکمۂ سراغ رسانی کا اعلی حاکم شوارکوفسکی تھا۔ وہ بالکل پاگل کتے کی مانند تھا اور ایذا پسند تو حد درجے کا تھا۔ جب وہ خود زنا نہیں کرتا تھا تو اپنے پولیس‌والوں کو زنا کرتے دیکھ کر لطف‌اندوز ہوتا تھا۔ ہمیں خفیہ پولیس کی دو قطاروں کے درمیان سے ہو کر پھانسی کے تختے کی سمت سڑک پر لے جایا گیا۔ ہم ان پولیس‌والوں کو 'کینری' کہتے تھے کیوں کہ ان کے شانوں پر زرد رنگ کے جھبے لگے رہتے تھے۔ وہ ہاتھوں میں بے‌نیام تیغیں لئے سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔

''اپنی رائفلوں کے کندوں سے ٹھیل کر انہوں نے ہمیں جیل خانے کے صحن میں جلدی جلدی نکالا اور ہمیں چار چار کی قطاروں میں کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے پھاٹک کھولا اور ہمیں باہر سڑک پر لا کر پھانسی کے تختے کی طرف منہ کر کے کھڑا کر دیا تاکہ اپنی باری کا انتظار

شخص جو اپنی موت کا سامنا کرنے جا رہا ہو، جذبات کی اتنی شدت کے ساتھ گا سکتا ہے۔ وہ ''وارشاویانکا،، نامی ترانہ گا رہی تھی اور باقی دونوں بھی اس کی آواز میں آواز ملا کر گانے لگے۔ گھوڑسوار سپاہیوں نے غصے سے بیتاب ہوکر ان پر ندھادھند کوڑے برسانے شروع کئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان تینوں کو چوٹ کا احساس ہی نہ ہو رہا ہو۔ وہ مارتے مارتے گرا دئے گئے اور پھر بوروں کی طرح گھسیٹ کر انہیں پھانسی کے تختے پر لے جایا گیا۔ سزائے موت جلدی جلدی پڑھ کر سنائی گئی اور ان کی گردنوں میں پھندے ڈال دئے گئے۔ اسی وقت ہم لوگوں نے گانا شروع کیا:

اٹھ جاگ بھوکے بندی...

''چاروں طرف سے سپاہی ہم لوگوں کی طرف جھپٹ پڑے اور اس ہنگامے میں میں صرف اتنا دیکھ سکی کہ رائفل کے کندوں سے ٹھیل ٹھیل کر چبوتروں کے نیچے سے ان کو سہارا دینے والی لکڑی سرکا دی گئی اور تین جسم ان پھندوں میں جھٹکا کھا کر جھول گئے...

''ہم دس لوگوں کو بھی دیوار کے سہارے کھڑا کیا جا چکا تھا کہ اتنے میں اعلان کیا گیا کہ ہم میں سے دس کی سزائیں گھٹا کر بیس سال قید کی سزائیں کر دی گئی ہیں۔ باقی سولہ کو گولی مار دی گئی۔،،

نہیں تھا کہ وہ صرف موزے ھی پہنے ھوئے چل رہا ھے۔

''پھانسی کے تختے کے نزدیک فوجی وکیل اور دیگر بڑے بڑے افسران کھڑے تھے۔ آخرکار والیا اور دوسرے دو ساتھیوں کو جنہیں پھانسی دی جانےوالی تھی، جیل سے باھر نکالا گیا۔ وہ تینوں ھاتھ میں ھاتھ ڈالے چل رھے تھے۔ والیا بیچ میں تھی اور وہ دونوں اسے سہارا دئے ھوئے تھے کیوں کہ اس میں اپنے بل پر چلنے کی سکت نہیں تھی لیکن وہ اپنے آپ کو سیدھا رکھنے کی پوری کوشش کر رھی تھی۔ اسے ستیپانوف کے الفاظ یاد تھے: 'ساتھیو، ھم لوگ شان کے ساتھ مریں گے'۔ وہ صرف ایک اونی جیکٹ پہنے تھی۔ اس کے جسم پر کوٹ بھی نہیں تھا۔

''ظاھر ھے شوارکوفسکی کو ان کا اس طرح ھاتھ میں ھاتھ ڈال کر چلنا قطعی پسند نہیں تھا کیوں کہ وہ انہیں پیچھے سے ٹھیل رھا تھا۔ والیا نے کچھ کہا اور خفیہ پولیس کے ایک گھوڑسوار نے پورے زور کے ساتھ اس کے چہرے پر اپنی چابک رسید کر دی۔ مجمع میں سے ایک عورت دردناک انداز میں چیخ پڑی اور گھیرے کو توڑکر قیدیوں تک پہنچ جانے کی کوشش میں دیوانوں کی طرح کش مکش کرنے لگی۔ لیکن اسے گھسیٹ کر پیچھے ھٹا دیا گیا۔ یقیناً وہ والیا کی ماں ھوگی۔ جب وہ لوگ پھانسی کے تختے کے قریب پہنچے تو والیا نے گانا شروع کیا۔ اپنی عمر میں میں نے ویسی آواز نہیں سنی۔ صرف وھی

باندھے کھڑے تھے۔ پولستانی قیدیوں کا ایک جتھہ سڑک پر لے جایا جا رہا تھا۔ قید خانے کے پھاٹک پر رجمنٹ کا کمیسار کھڑا کاغذ پر کوئی حکم تحریر کر رہا تھا۔

''کامریڈ آنتیپوف،، اس نے ایک تنومند اسکواڈرن کمانڈر کو پرچی تھماتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو اور تمام قیدیوں کو گھوڑسوار سپاھیوں کی نگرانی میں نووو گراد والنسکی کے راستے تک پہنچا دو۔ جو لوگ زخمی ھیں ان کی طبی دیکھ بھال کا پورا خیال رکھنا۔ انہیں گاڑیوں پر بٹھا کر شہر سے تقریباً بارہ پندرہ میل دور لے جا کر چھوڑ دینا۔ ھمارے پاس اب اتنا وقت نہیں ھے کہ ھم ان سے اپنا سر کھپائیں۔ لیکن دیکھو، قیدیوں سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی جائے۔،،

اپنے گھوڑے پر سوار ھو کر پاویل نے مڑ کر سیموئیل کی طرف دیکھا اور کہا: ''سنا تم نے؟ وہ تو ھمارے آدمیوں کو پھانسی دیں اور ھم ان کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں لے جا کر ان کی طرف واپس پہنچا دیں۔ اور اوپر سے طرہ یہ کہ ان کے ساتھ سلوک بھی اچھا کریں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ھے؟،،

رجمنٹ کے کمانڈر نے مڑ کر دیکھا اور یہ الفاظ کہنے والے کو سختی سے گھورا۔ ''نہتے قیدیوں کے ساتھ بےرحمی کا سلوک کرنے والے کو،، پاویل نے سے کہتے سنا جیسے وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا ھو ''موت کی سزا دی جائے گی۔ ھم لوگ سفید فوج کے آدمی نہیں ھیں!،،

اپنے گھوڑے پر آگے بڑھتے وقت پاویل کو

سیموئیل نے بڑے مضطربانہ طریقے سے اپنی قمیص کا کالر پکڑ لیا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

"تین دن وہ لاشیں ان پھندوں میں جھولتی رہیں۔ پھانسی کے تختے کے قریب دن رات پہرہ لگا رہتا تھا۔ اس کے بعد قیدیوں کا ایک نیا جتھا جیل میں لایا گیا اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ جس پھندے سے کامریڈ توبولدین کی لاش لٹک رہی تھی وہ چوتھے دن ٹوٹ گیا۔ وہ ان تینوں میں سب سے زیادہ بھاری تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے باقی دونوں لاشیں بھی اتار لیں اور سب کو دفن کر دیا۔

"لیکن پھانسی کا چوکھٹا نہیں اتارا گیا۔ جب ہم لوگ یہاں لائے گئے تب تک وہ وہاں بدستور قائم تھا۔ نئے شکار کے انتظار میں پھانسی کے پھندے ابھی تک اس میں لٹک رہے ہیں۔"

سیموئیل چپ ہو گیا اور اپنے سامنے کی طرف خلا میں گھورنے لگا۔ لیکن پاویل اس بات سے بےخبر تھا کہ قصہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ تینوں لاشیں خاموشی سے اس کی نظروں کے سامنے جھول رہی تھیں اور ان کے سر بہت ہی بھیانک انداز میں ایک طرف کو جھکے ہوئے تھے۔

باہر بگل کی آواز سن کر پاویل چونک کر ہوش میں آیا۔ سپاہیوں کے جمع ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

"آؤ سیموئیل، چلیں" اس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ اسے سننا بھی دشوار تھا۔

سڑک کے دونوں طرف گھوڑسوار سپاہی قطار

طرف والے ڈھلوان کنارے کے پار کہیں سے ایک گولہ انتہائی خطرناک انداز سے سنسناتا ھوا ان کے سروں پر سے گذرا اور ایک زبردست چھپاکے کے ساتھ بہت سا پانی اچھالتا ھوا دریا میں گرا۔ اسی لمحہ میشا پل کی ایک کشتی کے نیچے غائب ھو گیا۔ دریا نے اسے نگل لیا اور پھر واپس نہیں کیا۔ سنہرے بالوں والا ایک سپاھی یاکی‌مینکو جو ایک فرسودہ سی ٹوپی پہنے ھوئے تھا، چیخ پڑا: ''میشا! ارے وہ تو میشا تھا! ھائے، بیچارہ پتھر کی طرح ڈوب کے رہ گیا!،، دھشت سے وہ ایک لمحے تک پانی کے اندر گھورتا رھا۔ لیکن اس کے پیچھے بھاگ کر آتے ھوئے سپاھیوں نے اسے آگے کی طرف دھکا دے کر کہا: ''بے وقوف کہیں کا، وھاں کیا جھانک رھا ھے؟ آگے کیوں نہیں بڑھتا؟،، ان کے پاس کسی کےلئے پریشان ھونے کا بھی وقت نہیں تھا۔ ان کی بریگیڈ باقی لوگوں سے پیچھے رہ گئی تھی جو آگے جا کر دریا کے داھنے کنارے پر قبضہ کر چکے تھے۔

سرگئی کو چار دن تک میشا کی موت کی خبر نہیں ملی۔ اس وقت تک بریگیڈ بوچا کے اسٹیشن پر قبضہ کر چکی تھی اور تیزی کے ساتھ کیئف کی طرف مڑ کر پولستانیوں کے زبردست حملے کا مقابلہ کر رھی تھی۔ پولستانی ان کی صفوں کو چیر کر کوروستین پہنچنے کی کوشش کر رھے تھے۔

یاکی‌مینکو گولیاں چلانے والوں کی صف میں آ کر سرگئی کے برابر پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر سے مسلسل گولیاں چلا رھا تھا اور اب اسے اپنی رائفل

انقلابی فوجی کونسل کے اس حکم کے آخری الفاظ یاد آئے جو پوری رجمنٹ کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا تھا:

''مزدوروں اور کسانوں کی سرزمین اپنی سرخ فوج سے محبت کرتی ہے۔ اور اسے اس فوج پر ناز ہے۔ اس فوج کے پرچم پر کبھی ایک بھی دھبہ نہیں لگنے پائے گا۔''

''ایک بھی دھبہ نہیں'' پاویل کے ھونٹوں نے دھرایا۔

جس وقت چوتھی گھوڑسوار ڈویژن نے ژیتومیر پر قبضہ کیا اس وقت ساتویں رائفل ڈویژن کی بیسویں بریگیڈ جو کامریڈ گولیکوف کی رھنمائی میں لڑنے والے ایک طوفانی رسالے کا حصہ تھی، آکونینووا گاؤں کے قریب دریائے دنیپر کو پار کر رھی تھی۔

اس رسالے کو جو پچیسویں ڈویژن اور ایک بشکیر گھوڑسوار بریگیڈ پر مشتمل تھا، دریائے دنیپر پار کرکے ایرشا اسٹیشن کے قریب کیئف اور کوروستین کے درمیان کی ریلوے لائن کے دونوں طرف مورچہ جمانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس چال کا کامیاب ھو جانے سے پولستانیوں کا کیئف سے بھاگ نکلنے کا آخری راستہ بھی بند ھو جاتا تھا۔

دریا پار کرنے کے دوران میں شیپیتوفکا کی کمسومول تنظیم کے رکن میشا لیوچکوف کا انتقال ھو گیا۔ وہ لوگ کشتیوں کے ھلتے ڈولتے پل پر سے ھوکر بھاگ رھے تھے کہ اتنے میں دریا کی دوسری

کا گولے بارود کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جس سے پورے محاذ کو گولہ‌بارود پہنچایا جاتا تھا اڑا دیا گیا۔ اس زبردست دھماکے سے دور دور تک کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ کر چور چور ہو گئے اور مکان اس طرح لرزنے لگے جیسے دفتی کے بنے ہوئے ہوں۔

ژیتومیر اور بردی‌چیف پر قبضہ ہو جانے سے پولستانی عقب حملہ‌آور فوجوں کی زد میں آ گیا۔ اور پولستانی فوجیں کیئف شہر سے دو دھاروں میں جوق در جوق باہر نکلنے لگیں۔ جو آہنی شکنجہ ان کے گرد کستا جا رہا تھا اسے توڑ کر نکل جانے کی کوشش میں وہ اپنا سب کچھ داؤں پر لگا کر لڑ رہی تھیں۔

لڑائی کے طوفانی سیلاب میں گھر کر پاویل ان دنوں اپنی ذات کا احساس بھی کھو بیٹھا تھا۔ اس کی شخصیت جماعت کی شخصیت میں ضم ہو گئی تھی، اور ہر مصروف جنگ سپاھی کی طرح اس کے ذھن میں بھی لفظ ”میں“ کا کوئی وجود باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے ذھن میں اب صرف لفظ ”ھم“ باقی رہ گیا تھا: ”ھماری رجمنٹ، ھمارا اسکواڈرن، ھماری بریگیڈ۔“

حالات طوفانی رفتار سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ھر دن اپنے ساتھ کوئی نیا واقعہ لے کر آتا تھا۔

بودیونی کی گھوڑسوار فوج ایک تند سیلاب کی طرح آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ وہ دشمن پر پے در پے حملے کر رہی تھی، یہاں تک کہ پولستانی عقب کے پرخچے اڑ گئے۔ اپنی فتوحات کے ھیجانی جوش سے مست ہو کر ان گھوڑسوار ڈویژنوں نے

کا توڑا جھٹکے کے ساتھ آگے کرنے میں بھی دقت ہورھی تھی کیوں کہ رائفل بہت گرم ہو گئی تھی۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا سر بالکل نیچے کئے ہوئے وہ سرگئی سے مخاطب ہوکر بولا: ''اسے کچھ دیر کےلئے آرام دینا ہوگا۔ بالکل تپ رہی ہے۔''

گولیاں چلنے کے شوروغل میں سرگئی اس کی بات بھی ٹھیک سے نہ سن سکا۔

جب شور کچھ کم ہوا تو یاکی‌سینکو نے یوں ھی غیرارادی طور پر کہا: ''تمہارا ساتھی تو دنیپر میں ڈوب گیا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کر سکتا وہ ڈوب چکا تھا۔'' اس نے صرف اتنا ھی کہا۔ اس نے اپنی رائفل کا توڑا آگے سرکانے کی کوشش کی اور آزما کر دیکھا کہ وہ ٹھیک کام کر رھا ہے یا نہیں۔ پھر اس نے کارتوسوں کی ایک نئی پیٹی نکالی اور دوبارہ رائفل میں کارتوس بھرنے میں مصروف ھو گیا۔

گیارھویں ڈویژن کو جو بردی‌چیف پر قبضہ کرنے کےلئے بھیجی گئی تھی، پولستانیوں کی سخت مدافعت کا سامنا کرنا پڑا۔ شہر کی سڑکوں پر بہت ھی گھمسان رن پڑا۔ مشین گن کی گولیوں کی بوچھار میں سے ھوکر سرخ سوار فوج آگے بڑھتی گئی۔ شہر پر قبضہ کر لیا گیا اور شکست کھائی ہوئی پولستانی فوج کے بچے کھچے لوگ شہر چھوڑکر بھاگ گئے۔ اسٹیشن میں ریل گاڑیاں جوں کی توں قابل استعمال حالت میں ان کے قبضے میں آگئیں۔ لیکن پولستانیوں کےلئے سب سے زیادہ تباہ‌کن نقصان تو یہ ھوا کہ ان

انہیں طوفانی دنوں کے دوران میں پاویل کورچاگن کے ساتھ ایک نہایت غیرمتوقع واقعہ پیش آیا۔ اس کو بریگیڈ کے کمانڈر نے کسی کام سے اسٹیشن بھیجا تھا جہاں ایک بکتر بند ٹرین کھڑی ہوئی تھی۔ پاویل گھوڑے کو دلکی چال سے بھگاتا ہوا ریلوے لائن کے کنارےوالے پشتے کو پار کر گیا اور فولادی خاکستری رنگ کے اگلے ڈبے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ ی۔ چھوٹی چھوٹی گول برجیوں سے توپوں کے سیاہ دھانے نکلے ہوئے تھے، اور ان توپوں کی وجہ سے گاڑی بہت بھیانک اور مرعوب کن معلوم ہو رہی تھی۔ تیل سے چکٹے کپڑے پہنے کئی آدمی گاڑی کے قریب پنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ لوگ فولاد کی س بھاری چادر کو چڑھا رہے تھے جو پہیوں کی حفاظت کےلئے لگائی جاتی ہے۔

''میں اس ٹرین کے کمانڈر سے کہاں مل سکتا ہوں؟،، پاویل نے سرخ فوج کے ایک سپاھی سے پوچھا جو چمڑے کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا اور ھاتھ میں نی کی ایک بالٹی لئے چلا آ رہا تھا۔

''وھاں چلے جاؤ،، اس آدمی نے ریل کے انجن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

پاویل اپنا گھوڑا بڑھا کر انجن کے قریب جا پہنچا۔ ''میں کمانڈر سے ملنا چاھتا ھوں،، اس نے کہا۔ ایک شخص نے جس کے چہرے پر چیچک کے غ تھے اور جو سر سے پاؤں تک چمڑے کا لباس پہنے ہوئے تھا اس کی طرف مڑکر کہا: ''کہو، میں کمانڈر ھوں۔،،

نووو گراد والنسکی پر، جو کہ پولستانی عقب کا سب سے اہم مرکز تھا، انتہائی غضب‌ناک طریقے سے یلغار کردی۔ جس طرح سمندر کی لہریں چٹانی ساحل سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر آگے بڑھتی ہیں، اسی طرح وہ بھی پیچھے ہٹتے تھے لیکن دلوں میں دہشت بٹھا دینے والے ''بزن! بزن!'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے پھر آگے بڑھنے لگتے تھے۔

پولستانیوں کو اب کوئی بھی طاقت بچا نہیں سکتی تھی — نہ کانٹے‌دار تاروں کے گھیرے اور نہ اس محافظ فوج کی شدیدترین مدافعت جو کہ شہر میں مضبوطی سے اپنے قدم جمائے ہوئے تھی۔ اور ۲۷ جون کی صبح کو بودیوننی کی گھوڑسوار فوجیں گھوڑوں پر سے اترے بغیر ہی دریائے سلوچ کو پار کر گئیں۔ اور نووو گراد والنسکی میں داخل ہو کر انہوں نے پولستانیوں کو کوریتس کی سمت شہر سے باہر نکال دیا۔ اسی وقت پینتالیسویں ڈویژن نے نووی سیروپول ناسی مقام کے قریب دریائے سلوچ کو پار کیا۔ اور کوتوفسکی کی گھوڑ سوار بریگیڈ لیوبار ناسی بستی پر ٹوٹ پڑی۔

پہلی گھوڑسوار فوج کے ریڈیو اسٹیشن میں جنگی محاذ کے کمانڈر انچیف کا یہ حکم آیا کہ رووِنو پر قبضہ کرنے کے لئے تمام گھوڑسوار فوجوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کیا جائے۔ سرخ ڈویژنوں کی ناقابل شکست یلغار کے آگے پولستانی فوجیں پست ہمت ہو کر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تتر بتر ہو گئیں۔

''عجیب بات ہے کہ دو بھائی اچانک اس طرح مل جائیں،، انھوں نے کہا۔

یہ واقعہ ۱۹ اگست کو لووف کے علاقے کی ایک لڑائی کے دوران میں پیش آیا۔ لڑائی میں پاویل کی ٹوپی کہیں گم ہو گئی تھی، اور وہ اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ کر رک گیا تھا۔ اس کے آگےوالے سکواڈرن پولستانی مورچے کو چیر کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اسی وقت دریا کی سمت سرپٹ اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا دیمیدوف جھاڑیوں کے بیچ میں سے نکلا۔ پاویل کے قریب سے ہوکر آندھی کی طرح گذرتے ہوئے اس نے چلا کر کہا:

''ڈویژن کا کمانڈر مارا گیا!،،

پاویل چونک پڑا۔ لیتونوف، اس کا دلیر وجانباز کمانڈر، وہ جوہردار شجاعت کا مالک، مارا گیا! پاویل پر ایک وحشیانہ غیظ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

اپنے تھکن سے چور گھوڑے گنیدکو کو آگے بڑھانے کی غرض سے اس نے اپنی تیغ کے کند سرے سے اسے کونچا اور آندھی کی طرح گھوڑا دوڑاتا ہوا اس گھمسان لڑائی میں کود پڑا۔ گھوڑے کے منھ سے خون آلود جھاگ ٹپک رہا تھا۔

''مار ڈالو ان موذیوں کو۔ قتل کر دو! پولستانی درندوں کی بوٹیاں اڑا دو۔ انھوں نے ہمارے لیتونوف کو مار ڈالا ہے!،، اور بے سوچے سمجھے پاویل نے سبز وردیوالے ایک سپاھی پر بھرپور وار

پاویل نے فوراً اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا۔
''بریگیڈ کے کمانڈر نے یہ حکم آپ کےلئے بھیجا ھے۔ لفافے پر دستخط کر دیجئے۔''

کمانڈر نے لفافہ اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنے دستخط گھسیٹ دئے۔ انجن کے نیچے ریل کی پٹری کے قریب ایک آدمی تیل کی کپی لئے انجن کے بیچ والے پہیے میں تیل دے رہا تھا۔ پاویل کو صرف اس کی چوڑی پیٹھ اور اس کی چمڑے کی پتلون کی جیب سے باھر جھانکتی ھوئی پستول کی موٹھ دکھائی دے رہی تھی۔

ٹرین کے کمانڈر نے لفافہ پاویل کو واپس پکڑا دیا۔ پاویل نے اپنے گھوڑے کی باگ سنبھالی اور وہ چلنے ھی کو تھا کہ تیل کی کپی‌والا وہ شخص اٹھ کر کھڑا ھو گیا اور اس کی طرف مڑا۔ چشم‌زدن میں پاویل اپنے گھوڑے سے کود پڑا جیسے ھوا کے تیز جھونکے سے اڑ کر گر پڑا ھو۔

''آرتیم!''

اس شخص نے تیل کی کپی زمین پر ڈال دی اور سرخ فوج کے اس نوجوان سپاھی کو اپنی ریچھ کی سی آغوش میں کس کر بھینچ لیا۔

''پاویل! شیطان! یہ تو ھے!'' وہ خوشی سے چلا پڑا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرھا تھا۔

بکتربند ٹرین کا کمانڈر اور قریب کھڑے ھوئے کئی توپچی کھلی ھوئی مسکراھٹ کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے۔



کر دیا۔ اپنی ڈویژن کے کمانڈر کی موت پر غصے سے پاگل گھوڑسوار سپاھیوں نے پولستانی فوجیوں کی ایک پوری پلٹن کا صفایا کر دیا۔

دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے وہ میدان جنگ میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے بےتحاشہ آگے بڑھے۔ لیکن اتنے میں پولستانی توپ خانے کا ایک دستہ آگ اگلنے لگا۔ گولوں کے دھماکے سے فضا گونج رہی تھی اور چاروں طرف موت کی بارش ہو رہی تھی۔

دفعتاً پاویل کی آنکھوں کے سامنے ایک سبز رنگ کا خیرہ کن شعلہ سا کوند گیا۔ اس کے کان ایک زبردست دھماکے کی گونج سے سن ہو گئے اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دھکتے ہوئے سرخ لوھے کی ایک سلاخ اس کی کھوپڑی میں گھس گئی ہو۔ اس کے چاروں طرف زمین ایک عجیب و غریب اور ھیبتناک انداز میں گھومنے لگی اور رفتہ رفتہ الٹ پلٹ ہونے لگی۔

پاویل ایک تنکے کی طرح زین پر سے اچھل پڑا اور بڑی تیزی سے گنیدکو کی گردن پر سے ھوتا ھوا دھم سے زمین پر آ رھا۔ اور چشم زدن میں چاروں طرف سیاہ رات چھا گئی...

نواں باب

سمندری کیکڑے کی ایک آنکھ بلی کے سر کے برابر، باھر کو ابھری ہوئی ہوتی ھے! ایک چمکتی ہوئی سرخی مائل آنکھ جس کے سبز مرکز میں ایک

دسکتی ہوئی ضوفگن روشنی لرزتی رہتی ہے۔ یہ خوفناک درندہ ہیبتناک ٹانگوں کا ایک لوتھڑہ ہے جو متعدد سانپوں کی ایک الجھی ہوئی گرہ کی طرح بلبلاتا اور بل کھاتا رہتا ہے۔ اور جب اس کی یہ ٹانگیں جنبش کرتی ہیں تو ان کی خشک، فلس‌دار جلد سے ایک گھناونی سی سرسراہٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ سمندری کیکڑا حرکت کر رہا ہے۔ وہ اس کو اپنی آنکھوں سے بالکل قریب نظر آ رہا ہے۔ اور اب ٹانگیں اس کے جسم پر رینگ رہی ہیں۔ اس کی ٹانگیں سرد ہیں اور بچھوے کی طرح چبھ رہی ہیں۔ وہ اپنا ڈنک نکال کر اس کے سر میں جونک کی طرح چبھا رہا ہے۔ اور عجیب تشنجی طریقے سے اینڈتا ہوا وہ اس کا خون چوس رہا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس کا خون اس کے جسم سے نکل کر اس درندے کے پھولتے ہوئے جسم میں بھرتا جا رہا ہے۔ اس کا ڈنک خون چوستا جا رہا ہے اور خون چوسنے کے اس عمل کی وجہ سے اسے ناقابل برداشت تکلیف ہو رہی ہے۔

دور کہیں دور سے اسے انسانی آوازیں سنائی دے رہی ہیں:

"اس کی نبض اب کیسی ہے؟"

ایک دوسری آواز جو کسی عورت کی ہے نرمی سے جواب دیتی ہے:

"اس کی نبض کی رفتار ایک سو اڑتیس ہے۔ اور اسے ۱۰۳ء۱ ڈگری بخار ہے۔ تمام وقت وہ سرسامی کیفیت میں پڑا رہتا ہے۔"

ایک بار پھر تاریکی اسے آکر دبوچ لیتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد تاریکی کے چنگل سے نکل کر اسے یاد آتا ہے ''مجھے پیاس لگی ہے۔''

اور اسے کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہوش میں آرہا ہے۔''

وہ نرم آواز اب زیادہ قریب اور زیادہ صاف سنائی دیتی ہے:

''مریض، پانی پیوگے؟''

''کیا یہ لوگ مجھ سے سوال کر رہے ہیں؟ کیا میں بیمار ہوں؟ ارے ہاں، مجھے تو ٹائیفائیڈ ہے۔ اب یاد آیا۔'' اور تیسری بار وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ آخرکار وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کی ادھ کھلی آنکھوں کی محدود بصارت کے توسط سے جو چیز سب سے پہلے اس کے شعور پر اپنی چھاپ ڈالتی ہے وہ ہے ایک سرخ رنگ کی گیند جو اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔ لیکن کوئی تاریک سی چیز اس کے جسم پر جھکتی ہے اور اس کی آڑ میں وہ سرخ گیند غائب ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ہونٹ ایک گلاس کی سخت بٹ اور نمی، جانفزا نمی کا لمس محسوس کرتے ہیں۔ اس کے جسم کے اندر سلگتی ہوئی آگ دب جاتی ہے۔ مطمئن ہوکر وہ زیرلب کہتا ہے: ''یہ بہتر ہے۔''

''مریض، کیا تم مجھے دیکھ سکتے ہو؟''

یہ اس شخص کی آواز ہے جس کے جسم کا تاریک سایہ اس پر جھکا ہوا ہے۔ اور قبل اس کے کہ غنودگی اس پر پھر غالب آجائے وہ بس اتنا کہہ

سمندری کیکڑا غائب ہو گیا۔ لیکن درد بدستور ٹیسیں مارتا رہا۔ پاویل نے محسوس کیا کہ کوئی اُ کی کلائی چھو رہا ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے پپوٹے اتنے بھاری ہو گئے تھے کہ اس میں انہیں اٹھانے کی بھی قوت نہ تھی۔ آخر اتنی گرمی کیوں ہے؟ یقیناً ماں نے آتش‌دان میں آگ سلگائی ہوگی۔ اسے پھر وہی آوازیں سنائی دیتی ہیں:

''نبض کی رفتار اب ایک سو بائیس ہے۔''

وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے جسم کے اندر ایک آگ سلگ رہی ہے۔ اس کا دم گھٹ رہا ہے۔

اسے بےانتہا پیاس لگ رہی ہے۔ اسے فوراً اٹھ کر پانی پینا چاہئے۔ لیکن وہ اٹھ کیوں نہیں پاتا؟ وہ ہلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے اعضا اس کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کا جسم خود اس کے لئے اجنبی ہو گیا ہے۔ ماں اسے فوراً تھوڑا سا پانی لا دےگی۔ وہ ماں سے کہےگا: ''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' اس کے قریب کوئی چیز ہل رہی ہے۔ کیا سمندری کیکڑا پھر اس کے جسم پر رینگنے کی تیاری کر رہا ہے؟ دیکھو وہ آ رہا ہے۔ اسے اس کی سرخ آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں...

کہیں دور سے وہ نرم آواز آرہی ہے:

''فروسیا، تھوڑا سا پانی لے آؤ!''

''کس کا نام ہے یہ؟'' لیکن اس میں تو اتنی سکت بھی نہیں کہ یہ یاد کرنے کی کوشش کرے اور

رھی تھی جس میں نہایت خوبصورت ترچھی لکھائی میں متعدد مختصر اندراج تھے:

"۲٦ اگست ۱۹۲۰ء

آج ایمبولینس ٹرین سے کچھ ایسے مریض لائے گئے جن کی حالت خطرناک تھی ۔ ان میں سے ایک کے سر میں بہت ھی بھیانک زخم آیا ھے ۔ ھم نے اسے کھڑکی کے قریب کونے میں رکھا ھے ۔ وہ ابھی صرف سترہ سال کا ھے ۔ اس کی جیب میں رکھے ھوئے کاغذات اور اس کی علالت کی تفصیلات سجھے ایک لفافے میں رکھ کر دی گئیں ۔ اس کا نام ھے پاویل آندریئوچ کورچاگن ۔ اس کے کاغذات میں حسب ذیل چیزیں تھیں: یوکرین کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی رکنیت کا ایک بہت ھی گھسا ھوا کارڈ (نمبر ۹٦۷)، سرخ فوج کا سپاھی ھونے کی شناختی سند جو کافی پھٹ چکی تھی، رجمنٹ کی طرف سے دی ھوئی ایک سند کی نقل جس میں یہ درج تھا کہ سرخ فوج کے سپاھی کورچاگن کے سپرد دشمن کی فوج کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کا جو کام کیا گیا تھا اس کو قابل تقلید طریقے سے انجام دینے کی وجہ سے اس کی ستائش کی گئی ۔ ان کاغذات میں ایک پرچہ اور بھی تھا جو بظاھر اس نے اپنے ھی ھاتھ سے لکھا تھا ۔ اس پرچے میں لکھا تھا: "اگر میں مر جاؤں تو میری موت کی اطلاع میرے گھروالوں کو اس پتے پر دی جائے: میکینک آرتیم کورچاگن، ریلوے یارڈ، شپیتوفکا ۔"

پاتا ہے: ''مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن سن سکتا ہوں...''

''بھلا کسے یقین تھا کہ یہ بچ جائے گا؟ دیکھو تو کس طرح رفتہ رفتہ گھسٹتے ہوئے وہ پھر زندگی کے دائرے میں واپس آگیا ہے۔ کمال کی ساخت پائی ہے اس کے جسم نے۔ نینا ولادی‌میروونا، تم اپنے اوپر فخر کر سکتی ہو۔ دراصل تمہیں نے اس کی جان بچائی ہے۔''

اور اس عورت کی آواز، جس میں ہلکا سا ارتعاش ہے، جواب دیتی ہے:

''مجھے بےحد خوشی ہے!''

تیرہ دن بےہوش رہنے کے بعد پاویل کورچاگن کو ہوش آیا۔ اس کا نوخیز جسم مرنا نہیں چاہتا تھا اور رفتہ رفتہ اس میں پھر طاقت آنے لگی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دوبارہ جنم لے رہا ہو۔ ہر چیز نئی اور معجزہ‌نما معلوم ہوتی تھی۔ صرف اس کا سر بےحس و حرکت پڑا تھا۔ پلستر کے خول میں اس کا سر اس قدر ناقابل برداشت حد تک بھاری ہو گیا تھا کہ اس میں اسے ہلانےڈلانے کی بھی طاقت نہیں تھی۔ لیکن اس کے جسم کے باقی حصوں میں قوت احساس واپس آ گئی تھی اور جلد ہی وہ اپنی انگلیوں کو موڑنے کے قابل ہو گیا۔

فوجی ہسپتال کی چھوٹی ڈاکٹر نینا ولادی‌میروونا اپنے کمرے میں ایک چھوٹی سی میز کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک موٹی سرخ رنگ کی ڈائری کے ورق الٹ

سے زیادہ نازک حالت اسی کی ہے ۔ میں بیٹھی اس کی بے ربط باتیں سنتی رہی ۔ بعض اوقات اس کی باتیں ایک افسانہ معلوم ہوتی ہیں، اور ان سے مجھے اس کی زندگی کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے ۔ لیکن کبھی کبھی وہ بہت ہی گندی گالیاں بکتا ہے ۔ وہ بہت ہی نامعقول الفاظ کا استعمال کرتا ہے ۔ نہ جانے کیوں اس کے منھ سے ایسی بری گالیاں سن کر مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے ۔ اناتولی استپانووچ کو اس کے بچنے کی قطعی امید نہیں ۔ وہ بوڑھا جھنجھلا کر کہتا ہے : ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر فوج ایسے نادان بچوں سے کیا کام لینا چاہتی ہے ۔ بڑی شرم کی بات ہے ۔''

۳۰ اگست

کورچاگن ابھی تک بے ہوش ہے ۔ اسے وہاں سے ہٹا کر ان مریضوں کے وارڈ میں پہنچا دیا گیا ہے جن کے بچنے کی کوئی امید نہیں ۔ نرس فروسیا تقریباً ہر وقت اسی کے پاس رہتی ہے ۔ معلوم ہوا کہ وہ اسے پہلے سے جانتی ہے ۔ کبھی دونوں نے ساتھ کام کیا تھا ۔ وہ اس کے ساتھ کتنی نرمی سے پیش آتی ہے ! اب تو مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ۔

۲ ستمبر، ۱۱ بجے شب

آج کا دن میرے لئے بہت ہی خوشی کا دن ہے ۔ آج میرے مریض کورچاگن کو ہوش آ گیا ۔

۱۹ اگست کو بم کا ایک گولا پھٹنے سے اسے چوٹ آئی تھی۔ اسی وقت سے وہ بےہوش ہے۔ کل اناتولی استپانووچ اس کا معائنہ کریں گے۔

۲۷ اگست

آج ہم لوگوں نے کورچاگن کے زخم کا معائنہ کیا۔ زخم بہت گہرا ہے۔ کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور سر کا پورا داھنا حصہ مفلوج ہو گیا ہے۔ داھنی آنکھ کی ایک شریان پھٹ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھ بری طرح سوجی ہوئی ہے۔

اناتولی استپانووچ سوزش اور ورم کو روکنے کےلئے آنکھ نکال دینا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انہیں روک دیا کیوں کہ ابھی تک امید ہے کہ شائد سوجن کم ہو جائے۔ میں نے محض جمالیاتی نقطۂ نظر سے ایسا کیا۔ شائد وہ لڑکا بچ جائے۔ کتنا برا ہوگا اگر اچھا ہونے پر اس کی شکل بدنما ہو چکی ہو۔

وہ تمام وقت سرسامی کیفیت میں پڑا رہتا ہے اور انتہائی بیچین رہتا ہے۔ اس کے پلنگ کے پاس ہر وقت ہم میں سے کسی نہ کسی کی ڈیوٹی رہتی ہے۔ میں اپنا زیادہ‌تر وقت اسی کے پاس گذارتی ہوں۔ وہ اتنا کم عمر ہے کہ اسے ابھی ہرگز نہیں مرنا چاھئے۔ اور میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں اس کی نوخیز زندگی کو موت کے پنجوں سے چھڑا لوں‌گی۔ مجھے اس میں کامیاب ہونا ہے۔

اپنی ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد کل میں نے کئی گھنٹے اس کے وارڈ میں گذارے۔ اس وارڈ میں سب

اپنی عمر کے لحاظ سے وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ وہ اتنی تیزی سے اچھا ہو رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کی اور فروسیا کی بڑی دوستی ہے۔ میں اکثر فروسیا کو اس کے پلنگ کے پاس ہی پاتی ہوں۔ یقیناً وہ اس سے میرے بارے میں باتیں کرتی ہوگی، اور ظاہر ہے میری تعریف کے پل باندھتی ہوگی کیوں کہ اب میں جب بھی اپنے مریض کے پاس جاتی ہوں تو وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کرتا ہے۔ کل اس نے مجھ سے پوچھا:

"ڈاکٹر، آپ کے بازو پر وہ نیلے نشان کس چیز کے ہیں؟"

میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ سرحد کی حالت میں اس نے میرے بازو میں کس کر اپنی انگلیاں گاڑ دی تھیں۔ اسی سے یہ داغ پڑ گئے تھے۔

۱۷ ستمبر

کورچاگن کے ماتھے کا زخم کافی تیزی سے بھر رہا ہے۔ یہ نوجوان زخم پر پٹی بندھواتے وقت اس شدید تکلیف کو جس غیرمعمولی صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتا ہے اس پر ہم سب ڈاکٹروں کو بڑی حیرت ہوتی ہے۔

عام طور پر مریض ایسی حالت میں بہت زیادہ کراہتا ہے اور عموماً بہت زیادہ ہنگامہ کرتا ہے۔ لیکن یہ مریض بالکل چپ چاپ لیٹا رہتا ہے۔ اور جب کھلے ہوئے زخم کو آیوڈین سے تر کیا جاتا ہے تب وہ اپنے جسم کو تان کر وائلن کے تار کی طرح

وہ خطرے سے باھر ہو گیا ہے۔ میں پچھلے دو دن ہسپتال ھی میں رھی۔ گھر گئی ھی نہیں۔

میں بیان نہیں کر سکتی کہ مجھے اس بات کی کتنی خوشی ہے کہ ایک اور جان بچ گئی۔ ھمارے وارڈ میں ہونےوالی موتوں کی تعداد میں ایک کی کمی ہو گئی۔ میرے اس تھکا کر چور کرنےوالے کام میں سب سے زیادہ خوشی کا موقع وھی ہوتا ہے جب کوئی مریض اچھا ہو جاتا ہے۔ مریض بالکل بچوں جیسے ہو جاتے ھیں۔ ان کی محبت بہت سادہ اور پرخلوص ہوتی ہے اور مجھے بھی ان سے بڑا لگاؤ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے جب وہ ہسپتال چھوڑ کر جانے لگتے ھیں تو اکثر میرے آنسو نکل آتے ھیں۔ میں جانتی ہوں کہ ایسا کرنا حماقت ہے لیکن میں بالکل بےقابو ہو جاتی ہوں۔

۱۰ ستمبر

آج میں نے کورچاگن کی طرف سے اس کے گھروالوں کو پہلا خط لکھا۔ اس نے خط میں لکھوایا کہ اس کی چوٹ زیادہ خطرناک نہیں ہے اور وہ جلد ھی اچھا ہوکر گھر آئےگا۔ اس کے جسم سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے۔ اس لئے وہ بالکل مردوں کی طرح پیلا پڑ گیا ہے اور ابھی تک بہت کمزور ہے۔

۱۴ ستمبر

آج کورچاگن ہسپتال آنے کے بعد پہلی بار مسکرایا۔ اس کی مسکراھٹ بہت ھی حسین ہے۔

۸ اکتوبر

اب کورچاگن باغ میں اکیلا ٹہلنے لگا ہے۔ وہ مجھ سے بار بار پوچھتا ہے کہ اسے ہسپتال سے چھٹی کب ملے گی۔ میں اسے یقین دلا دیتی ہوں کہ جلد۔ مریضوں سے ملاقات کے دن وہ دونوں لڑکیاں پابندی کے ساتھ اسے دیکھنے آتی ہیں۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کبھی کراھتا کیوں نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تھا۔ اس نے جواب دیا: ''دی گیڈفلائی' نام کی ایک کتاب ہے، اسے پڑھنے سے اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔''

۱۴ اکتوبر

کورچاگن کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ وہ مجھ سے رخصت ہوتے وقت بڑے تپاک سے باتیں کرتا رہا۔ اس کی آنکھ پر سے پٹی کھول دی گئی ہے۔ اب صرف اس کے سر پر پٹی بندھی ہے۔ اس کی آنکھ اندھی ہو گئی ہے لیکن دیکھنے میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اس بہت ہی اچھے نوجوان کامریڈ سے جدا ہونے کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ لیکن یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ یہ لوگ اچھے ہو جاتے ہیں اور ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور شائد ہی کبھی ایسا ہوتا ہو کہ دوبارہ ان سے ہماری ملاقات ہو۔

جاتے وقت اس نے کہا:

''کاش میری بائیں آنکھ خراب ہوتی۔ اب میں نشانہ کیسے لگاؤں گا؟''

سخت کر لیتا ہے - اکثر وہ بےہوش بھی ہو جاتا ہے - لیکن اس کے منھ سے کراھنے کی آواز ہم نے ایک بار بھی نہیں سنی -

اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ کورچاگن صرف بےہوشی کی حالت میں ہی کراھتا ہے! میں حیران ہوں کہ آخر اس میں برداشت کی اتنی قوت کہاں سے آئی؟

۲۱ ستمبر

آج ہم لوگ کورچاگن کو پہیوں‌والی کرسی پر بٹھاکر پہلی بار بڑی بالکنی میں لے گئے - باغ کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کیسا کھل اٹھا! تازہ ہوا میں وہ کیسے ندیدوں کی طرح گہرے گہرے سانس لیتا رہا! اس کا تمام سر پٹیوں سے لپٹا ہوا ہے - صرف ایک آنکھ کھلی ہے - اور اس کی اس زندہ و تابندہ آنکھ نے چاروں طرف اس انداز سے دیکھا جیسے وہ اس دنیا کو پہلی بار دیکھ رہی ہو -

۲۶ ستمبر

آج دو نوجوان لڑکیاں کورچاگن کو دیکھنے هسپتال آئی تھیں - میں ان سے بات کرنے کےلئے نیچے ویٹنگ روم میں گئی - ان میں سے ایک بہت ہی خوبصورت تھی - انہوں نے اپنے نام تونیا تمانووا اور تتیانا برانوفسکایا بتائے - تونیا کا نام میں پہلے بھی سن چکی تھی - سرسام کی کیفیت میں کورچاگن نے کئی بار اس کا ذکر کیا تھا - میں نے انہیں اس سے ملنے کی اجازت دے دی -

رہے تھے کہ پاویل کو شدید الجھن ہونے لگی۔ تمام نوجوان اسے اپنے حلقے سے باہر کا سمجھ رہے تھے۔ اور تونیا نے بھی، جسے ان کی ناپسندیدگی کا احساس ہو گیا تھا، حقارت‌آمیز اور مدافعانہ رویہ اختیار کر لیا۔

جہاز گھاٹ کی کمسومول تنظیم کا سکرٹری چوڑے شانوں‌والا جہازی مزدور پان‌کراتوف گھٹیا قسم کی لنن کی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اس نے پاویل کو الگ بلایا اور تونیا کی طرف آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے بہت خفگی کے ساتھ کہا:

''اس گڑیا کو تم لائے تھے یہاں؟،،

''ہاں،، پاویل نے ترشی سے جواب دیا۔

''ہوں،، پان‌کراتوف نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''صورت سے تو اس جگہ کے لائق نہیں معلوم ہوتی۔ اس کا رکھ رکھاؤ بالکل ہی بورژوا قسم کا ہے۔ یہ یہاں کیسے آ گئی؟،،

پاویل کی کنپٹیاں پھڑکنے لگیں۔

''وہ میری دوست ہے۔ اسے یہاں میں لایا ہوں۔ سمجھے؟ اگرچہ وہ اپنے کپڑوں کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ دیتی ہے لیکن اس کا رویہ ہماری طرف دشمنی کا قطعی نہیں ہے۔ لوگوں کے لباس سے ان کے بارے میں ہمیشہ صحیح رائے نہیں قائم کی جا سکتی۔ اس بات کو میں بھی اتنی ہی اچھی طرح سمجھتا ہوں جتنا کہ آپ، کہ کسے یہاں لانا چاہئے اور کسے نہیں۔ اس لئے کامریڈ، آپ

وہ ابھی تک جنگی محاذ ھی کے بارے میں سوچتا رھتا ھے۔،،

ھسپتال سے آنے کے بعد پاویل کچھ عرصے تک برانوفسکی کے یہاں رھا جہاں تونیا ٹھہری ھوئی تھی۔

پاویل نے فوراً تونیا کو کمسومول کی سرگرمیوں میں کھینچ لانے کی کوشش کی۔ ابتدا کے طور پر اس نے تونیا کو شہر کی کمسومول تنظیم کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔ تونیا چلنے پر راضی ھو گئی۔ لیکن جس وقت وہ میٹنگ میں جانے کے کپڑے پہن کر اپنے کمرے سے باھر نکلی تو پاویل نے جھنجھلاھٹ سے اپنے ھونٹ کاٹ لئے۔ وہ خودآرائی کے جذبے کے تحت نہایت خوبصورت لباس میں بہت سج دھج کر آئی تھی۔ پاویل سوچ رھا تھا کہ کمسومول کی میٹنگ میں اس کا یہ بناؤسنگار قطعی غیرمناسب معلوم ھوگا۔

ان کے پہلے جھگڑے کا سبب یہی تھا۔ جب اس نے تونیا سے پوچھا کہ وہ اتنی بنی سنوری کیوں ھے تو وہ برا مان گئی:

”میں کوئی وجہ نہیں سمجھتی کہ میں بھی عین مین اور تمام لوگوں کی طرح رھوں۔ لیکن اگر میرے کپڑے تمھاری مرضی کے مطابق نہیں ھیں تو میں نہیں جاؤں‌گی۔،،

کلب میں تونیا کے نفیس کپڑے بدرنگ ٹیونکوں اور سلگجے بلاؤزوں کے درمیان اتنے نمایاں نظر آ

کے سہارے ہولے ہولے بہتی چلی آ رہی تھی، اس کے پیچھے دو اور بڑی بڑی کشتیاں بندھی ہوئی اس کے ساتھ کھنچی چلی آ رہی تھیں۔ غروب ہوتے ہوئے سورج نے تروخانوف جزیرے کو سنہرے رنگ میں رنگ دیا تھا اور مکانوں کی کھڑکیوں میں آگ سی لگا دی تھی۔

تونیا نے سورج کی سنہری کرنوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک شدید، قلبی غم کے ساتھ کہا:

"کیا ہماری دوستی بھی اس ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی؟"

پاویل نے جو اپنی آنکھوں کو اس کے چہرے کے حسن سے سیراب کر رہا تھا، اپنی بھنویں سختی سے سکیڑ کر دھیمی آواز میں جواب دیا:

"تونیا، یہ تمام باتیں ہم پہلے بھی کئی بار کر چکے ہیں۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا تھا اور اب بھی میری محبت دوبارہ واپس آ سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے تمہیں ہم لوگوں کے ساتھ آنا ہوگا۔ اب میں وہ پہلے والا پاویل نہیں رہا۔ اور اگر تم مجھ سے یہ توقع کرتی ہو کہ میں تمہیں پارٹی پر ترجیح دوں تو میں تمہارے لئے ایک برا شوہر ثابت ہوں گا کیوں کہ میں پارٹی کو ہمیشہ اولین درجہ دوں گا اور تمہیں اور اپنے دوسرے عزیزوں کو اس کے بعد۔"

تونیا بہت دل گیر اور رنجیدہ ہو کر گہرے نیلے رنگ کے پانی کو تکتی رہی، اور اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔

کے اس قدر مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔،،

وہ کوئی بہت سخت بات کہنا چاھتا تھا۔ لیکن یہ محسوس کر کے کہ پان کراتوف وھاں پر آئے ہوئے تمام لوگوں کی عام رائے کا اظہار کر رھا ھے، وہ خاموش رھا۔ اس نے اپنا سارا غصہ تونیا پر اتارا۔

’’میں نے اسے پہلے ھی بتا دیا تھا کہ اسے یہاں کس قسم کے ماحول کی توقع کرنی چاھئے۔ آخر اس کو اتنا لئے دئے رھنے کی کیا ضرورت ھے؟،،

وہ شام ان کی دوستی کے خاتمے کی ابتدا کی شام تھی۔ تلخی اور تعجب کے ساتھ پاویل ایک ایسے رشتے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ٹوٹتے دیکھ رھا تھا جو بظاھر بہت پائدار معلوم ھوتا تھا۔

کئی دن اور گذر گئے اور ھر ملاقات اور ھر گفتگو کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ دور ھوتے گئے۔ تونیا کی چھچھوری انفرادیت پسندی پاویل کےلئے ناقابل برداشت ھو گئی۔

ان دونوں کو اس بات کا اندازہ ھو گیا تھا کہ ان کے تعلقات کا ختم ھو جانا ناگزیر ھو گیا ھے۔

آج کپیےچسکی باغ میں آخری بار ان کی ملاقات ھوئی تھی۔ باغ کے راستوں پر سڑتی ھوئی پتیاں بکھری پڑی تھیں۔ وہ ایک چٹان کے سرے پر کٹھرے کے سہارے کھڑے نیچے دریائے دنیپر کے مٹیالے پانی کا بہاؤ دیکھ رھے تھے۔ پل کے قدآور ستون کے پیچھے سے ایک بہت بڑی سی کشتی دریا کے دھارے

میں کیوں میلی پرانی فوجی ٹیونک پہنوں ؟ محض اس لئے کہ ہر شخص پہنتا ہے؟ تم میں مزدور سے محبت کرنے کی جرأت تو تھی لیکن تم ایک تصور سے محبت نہیں کر سکتیں ۔ مجھے بہت رنج ہے کہ مجھے تم سے جدا ہونا پڑ رہا ہے ۔ اور میری خواہش یہ ہوگی کہ تمہاری یاد کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھوں ۔،،

اس کے آگے وہ کچھ نہ بولا ۔

اگلے دن اس نے سڑک پر ایک حکم‌نامہ چپکا ہوا دیکھا جس پر اس علاقے کے چیکا کے صدر کی حیثیت سے ژوخرائی کے دستخط تھے ۔ اس کا دل بانسوں اچھل گیا ۔ بڑی مشکل سے وہ اس ملاح کے دفتر میں داخل ہو پایا ۔ سنتری اسے اندر داخل ہی نہیں ہونے دیتے تھے ۔ اس نے اتنا ہنگامہ برپا کیا کہ وہ گرفتار ہوتے ہوتے رہ گیا — لیکن آخرکار اسی کی خواہش پوری ہو کر رہی ۔

فیودور نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا ۔ اس ملاح کا ایک بازو کٹ گیا تھا — وہ لڑائی کے دوران میں توپ کے گولے سے اڑ گیا تھا ۔

گفتگو کا رخ فوراً ہی کام کی طرف مڑ گیا ۔ ژوخرائی نے کہا : ”جب تک تم محاذ پر واپس جانے کے لائق نہ ہو جاؤ تب تک تم یہاں انقلاب دشمنوں کو کچلنے میں میری مدد ہی کرو ۔ کل ہی کام شروع کر دو ۔،،

پولستانی سفید فوجوں کے خلاف جنگی جدوجہد کامیابی کے ساتھ ختم ہو گئی ۔ سرخ فوجوں نے

پاویل ٹکٹکی باندھے اس کے چہرے کے ایک رخ کو دیکھتا رہا، اس چہرے کو جسے وہ اب بہت اچھی طرح جاننے اور سمجھنے لگا تھا۔ وہ اس کے سرخی مائل بھورے رنگ کے گھنے بالوں کو دیکھتا رہا اور اس کے دل میں اس لڑکی کےلئے، جو کبھی اسے بےحد عزیز اور محبوب تھی، رحم کا ایک جذبۂ بےاختیار پیدا ہوا۔

بڑی نرمی سے اس نے اپنا ھاتھ تونیا کے کندھے پر رکھ دیا۔

''تونیا، اپنے موجودہ ماحول سے ناتا توڑکر ہم لوگوں کے ساتھ آجاؤ۔ ہم دونوں مل کر ان سیٹھوں اور سرمایہ‌داروں کو ختم کرنے کےلئے کام کریں‌گے۔ ھمارے ساتھ بہت سی اچھی لڑکیاں ھیں جو ھمارے شانہ‌بشانہ اس تلخ و تند جدوجہد کا بوجھ اٹھا رھی ھیں اور ھر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کر رھی ھیں۔ ممکن ھے وہ تمہاری جتنی پڑھی لکھی نہ ھوں۔ لیکن تم ہم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آنا چاھتیں، آخر کیوں؟ تم کہتی ھو کہ چوژانن نے تمہاری عصمت دری کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ سپاھی نہیں ھے، وہ اخلاقی طور پر انتہائی پست انسان ھے۔ تم کہتی ھو کہ ھمارے ساتھیوں نے تمہارے ساتھ غیردوستانہ سلوک کیا۔ لیکن تم وھاں ایسے کپڑے پہن کر گئی ھی کیوں تھیں جیسے رئیسوں کے کسی ناچ میں شریک ھو رھی ھو؟ سارا قصور تمہارے اس احمقانہ غرور کا ھے:

لیکن فیودور نے اس کا اندیشہ دور کر دیا :

''زیادہ‌تر امکان تو اسی بات کا ھے کہ سرحد دریا کے کنارےکنارے گورن شہر سے ھوکر گذرےگی جس کا مطلب ھے کہ تمہارا شہر ھماری طرف ھوگا''

اس نے کہا ۔ ''اور جو کچھ ھونا ھوگا اس کا پتہ تھوڑے ھی دن میں چل جائےگا ۔''

فوج کی ڈویژنیں پولستانی محاذ سے ھٹا کر جنوب کی طرف بھیجی جارھی تھیں کیوں کہ جس وقت جمہوریہ کی ساری طاقتیں پورے کس بل کے ساتھ پولستانی محاذ پر جنگ میں مصروف تھیں، سفید فوج کا جنرل ورانگل اس التوا کا فائدہ اٹھاکر کرائمیا میں اپنی ماند سے باھر نکل آیا اور یکاترینوسلاف صوبے کو اپنا فوری نشانہ بنا کر دریائے دنیپر کے کنارےکنارے شمال کی طرف بڑھنے لگا ۔

اب چوں کہ پولستانیوں کے ساتھ جنگ ختم ھو چکی تھی اس لئے جمہوریہ نے انقلاب دشمنوں کے اس آخری حملے کو پسپا کرنے کےلئے اپنی فوجیں کرائمیا کی طرف بھیجنا شروع کیں ۔

سپاھیوں، گاڑیوں، میدان جنگ کے باورچی‌خانوں اور توپوں سے بھری ھوئی ٹرینیں کیئف کے راستے جنوب کی طرف جارھی تھیں ۔ آمدورفت کے اس بےپناہ سیلاب کی وجہ سے راستے میں جو رکاوٹیں پیدا ھو جاتی تھیں انہیں دور کرنے کےلئے اس علاقے کے محکمۂ نقل‌وحمل کا چیکا ان دنوں جان توڑ محنت کر رھا تھا ۔ اسٹیشنوں پر ریل‌گاڑیوں کی بھیڑ لگی

دشمن کو کھدیڑکر تقریباً وارسا کی شہر پناہ تک پہنچا دیا - لیکن چونکه ان کی مادی اور جسمانی قوت کافی حد تک ختم ہو چکی تھی اور جنگ کے مورچوں کو رسد پہنچانےوالے مرکز بہت پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے وہ اس آخری مورچے کو سر کرنے میں ناکامیاب رہیں اور پیچھے ہٹ آئیں - پولستانیوں نے وارسا سے سرخ فوجوں کے پیچھے ہٹ آنے کو ''دریائے ویسلا کا معجزہ،، کا نام دے رکھا تھا - اس واقعه کی حقیقت دراصل یہی تھی - اور اس طرح اشرافیه کے پولینڈ کی مدت زندگی کچھ اور بڑھ گئی - اس وقت پولستانی سوویت سوشلسٹ جمہوریت کے خواب کی تعبیر ممکن نه تھی -

خونچکاں سرزمین امن و سکون کی تمنائی تھی -

پاویل کو اپنے گھروالوں سے ملنے کا موقع نه مل سکا کیوں که شپیتوفکا دوباره پولستانیوں کے قبضے میں چلا گیا اور عارضی طور پر پولستانی فوجوں کی سرحدی چوکی بن گیا - صلح کی گفت و شنید جاری تھی -

پاویل دن رات چیکا کے مختلف قسم کے چھوٹے موٹے کام کرتا رہتا تھا - وہ فیودور کے کمرے میں رہتا تھا - جب اسے خبر ملی که اس کے شہر پر دوباره پولستانیوں کا قبضه ہو گیا تو اسے بہت پریشانی ہوئی -

''کیا اس کا مطلب یه ہے که اگر اب صلح ہو گئی تو میری ماں سرحد کے اس پار ہوگی؟،، اس نے ژوخرائی سے پوچھا -

خوفناک گالیوں کا سلسلہ شروع ھو جاتا تھا۔ جب کوئی معاملہ خاص طور پر بہت سنگین ھو جاتا تھا تو ژوخرائی کو نہایت تاکیداً بلوایا جاتا تھا۔ اور اس کے آتے ھی وہ غصے سے پاگل آدمی جو ایک دوسرے کو وھیں پر گولی مار دینے پر تلے ھوتے تھے، فوراً ٹھنڈے پڑ جاتے تھے۔ اس آھنی شخص کو دیکھتے ھی، جس کی آواز جذبات سے قطعی عاری تھی اور جو کسی قسم کی چون و چرا برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا، ریوالوریں اپنے اپنے خولوں میں واپس چلی جاتی تھیں۔

جب پاویل دفتر سے لڑکھڑاتا ھوا نکل کر پلیٹ‌فارم پر آجاتا تھا تو اس کے سر میں اتنا شدید درد ھوتا تھا کہ جیسے کوئی خنجر چبھا رھا ھو۔ چیکا کے دفتر میں کام کرنے کا اس کے اعصاب پر بہت ھی تباہ‌کن اثر ھو رھا تھا۔

ایک دن گولےبارود کے بکسوں سے لدے ھوئے ریل‌گاڑی کے ایک کھلے ڈبے پر اس نے سرگئی بروزاک کو دیکھا۔ سرگئی ریل کے ڈبے سے فوراً کود پڑا اور اپنے دوست کے گلے میں باھیں ڈال کر اس سے لپٹ گیا۔ گاڑی سے کودنے کے عمل میں اس نے پاویل کو گرا ھی دیا ھوتا۔

”پاویل، شیطان کہیں کا! میں تو دیکھتے ھی تجھے پہچان گیا تھا۔“

ان دونوں نوجوانوں کو ایک دوسرے سے اتنی باتیں کرنی تھیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آرھا تھا کہ شروع کہاں سے کریں۔ ان کی پچھلی

رهتی تھی اور اکثر خالی نہ ملنے کی وجہ سے آمدوفت بالکل رک جاتی تھی۔ تار بابو مسلسل پیغامات کے ذریعے احکام کھٹکھٹاتے رہتے تھے کہ فلاں فلاں ڈویژن کےلئے لائن فوراً خالی کر دی جائے۔ تار برقی کے آلے نقطوں اور چھوٹی چھوٹی لکیروں سے بھری ہوئی کاغذ کی پتلی پتلی لامتناھی پٹیاں اگلتے رهتے تھے۔ اور هر پیغام میں ترجیح دئے جانے کا مطالبہ ہوتا تھا: ''باقی تمام کاموں پر ترجیح دو... یہ فوجی حکم ھے... لائن فوراً خالی کر دو...'' اور تقریباً هر پیغام میں یاد دھانی کے طور پر یہ تاکید شامل کر دی جاتی تھی کہ حکم کی تعمیل نہ کرنے پر انقلابی فوجی عدالت کے سامنے مقدمہ چلایا جائے گا۔

مقامی محکمۂ نقل‌وحمل کے چیکا کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ بلا کسی رکاوٹ کے گاڑیوں کی آمدورفت جاری رکھنے کا انتظام کرے۔

فوجی دستوں کے کمانڈر اپنی ریوالوریں دکھاتے ہوئے چیکا کے صدر دفتر میں گھس آتے تھے اور ان میں سے ہر ایک یہی مطالبہ کرتا تھا کہ تار نمبر فلاں کے مطابق جس پر فوج کے کمانڈر کے دستخط موجود ھیں، اس کی ٹرین فوراً روانہ کردی جائے۔ اور ان میں سے کوئی بھی یہ دلیل سننے کو تیار نہیں ہوتا تھا کہ یہ قطعی نا ممکن ھے۔ ''گاڑی تو تمہیں روانہ کرنی ھی پڑےگی۔ چاھے اس میں تمہاری جان ھی کیوں نہ چلی جائے۔'' اور اس کے بعد

کھول کر کھڑے ہوئے سرگئی ھی کو اس بات کا علم تھا کہ وہ اپنی موت کی طرف جا رہا ھے۔

''سرگئی، وھاں سے اتر آؤ،، دوروشنکو نے درخواست کی۔ دوروشنکو سرخ فوج کا ایک سپاھی تھا۔ اور اس کے کوٹ کی پشت میں کسی چیز سے جل جانے کی وجہ سے ایک سوراخ ھو گیا تھا۔

''گھبراؤ نہیں، میں یہاں بالکل ٹھیک ھوں،، سرگئی نے ھنستے ھوئے کہا۔ ''ھوا کے ساتھ میری بڑی گہری دوستی ھے۔،،

ھفتے بھر بعد دشمن کے ساتھ اس کی پہلی ھی ٹکر میں اسے اتفاقاً گولی لگ گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ھوا آگے بڑھا، اس کا سینہ شدید درد کے مارے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے خلا میں کوئی چیز پکڑنے کی کوشش کی اور اپنے بازو سینے کے اوپر کس کر جما لئے۔ وہ چکر کھا کر دھم سے زمین پر گر پڑا اور اس کی بےنور نیلی آنکھیں یوکرین کے وسیع ستیپ کو تکتی رہ گئیں۔

پاویل کی خراب صحت پر چیکا کے اعصاب کو شل کر دینےوالے کام کا اثر ظاھر ھونے لگا۔ اس کے سر کا شدید درد اب نسبتاً بہت جلدی جلدی ھونے لگا تھا۔ لیکن دو راتوں تک متواتر جاگنے کے بعد جب ایک دن وہ غش کھا کر گر پڑا تب جا کر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ژوخرائی سے اس سلسلے میں گفتگو کرےگا۔

ملاقات کے وقت سے ان دونوں کی زندگی میں نہ جانے کتنی باتیں پیش آ چکی تھیں۔ وہ ایک دوسرے پر سوالوں کی بوچھار کر رہے تھے اور جواب کا انتظار کئے بغیر مسلسل اپنی اپنی بات کہتے جا رہے تھے۔ وہ دونوں گفتگو میں اتنا محو تھے کہ انہوں نے انجن کی سیٹی کی آواز بھی نہیں سنی۔ اور جب گاڑی اسٹیشن سے بالکل روانہ ہو گئی تب کہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

انہیں اب بھی ایک دوسرے سے نہ جانے کتنی باتیں کہنے کو رہ گئی تھیں۔ لیکن گاڑی رفتار پکڑتی جا رہی تھی۔ سرگئی نے چلا کر اپنے دوست سے کچھ کہا اور پلیٹ فارم پر بھاگتے ہوئے مال گاڑی کے ایک ڈبے کا کھلا ہوا دروازہ پکڑ کر وہ لٹک گیا۔ اندر سے کئی ہاتھوں نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا اور اندر کھینچ لیا۔ جس وقت پاویل اسے رخصت ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا اسے یک بیک خیال آیا کہ سرگئی کو والیا کی موت کا قطعی علم نہیں ہے کیونکہ شپیتوفکا سے آنے کے بعد وہ وہاں کبھی نہیں گیا تھا۔ اور اس غیرمتوقع مڈبھیڑ کے ہنگامے میں وہ اسے بتانا بھی بھول گیا تھا۔

"لیکن اچھا ہی ہے کہ اسے علم نہیں ہے۔ اس کے ذہن کو سکون رہے گا"، پاویل نے سوچا۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ اب اپنے دوست سے کبھی نہیں مل پائے گا۔ اور نہ ریل گاڑی کے ڈبے کی چھت پر خزاں کی ہوا کے جھونکوں کے سامنے اپنا سینہ

ایک بے تکلف نوجوان نے جو اپنی ٹوپی بڑے بانکپن سے اپنی ناک تک جھکائے ہوئے تھا، کاغذ کے اس رقعے پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر پاویل کی طرف آنکھ مار کر بولا:

''چیکا سے آئے ہو؟ وہ بھی خوب محکمہ ہے۔ ہم یہاں فوراً تمہارے لئے کوئی کام تلاش کر دیں گے۔ ہمیں تو بہت سے لوگوں کی ضرورت ہے۔ جتنے زیادہ لوگ مل سکیں اچھا ہے۔ تم کہاں کام کرنا پسند کروگے؟ صوبائی غذائی محکمے میں کام کروگے؟ نہیں؟ اچھا۔ جہازی مزدوروں کے درمیان پرچار کے محکمے میں کام کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہاں بھی نہیں؟ یہ تو بڑی بری بات ہے۔ وہ تو بہت ہی عمدہ اور کافی آرام کا کام ہے۔ وہاں اسپشل راشن بھی ملتا ہے۔،،

پاویل نے اسے بیچ ہی میں ٹوک دیا:

''میں تو ریل کی بڑی ورکشاپ میں کام کرنا پسند کروں گا۔،،

وہ لڑکا منھ کھول کر حیرت سے اسے تکنے لگا۔

''ریل کی ورکشاپ میں؟ ہوں... میرے خیال میں تو وہاں کسی آدمی کی ضرورت ہے نہیں... لیکن تم استینووچ کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تمہیں کہیں نہ کہیں ضرور کام دلا دےگی۔،،

سانولے رنگ کی استینووچ کے ساتھ ایک مختصر سی ملاقات کے بعد یہ فیصلہ ہو گیا کہ پاویل ریل کی ورکشاپ میں کام کرےگا اور اسے وہاں کی کمسومول تنظیم کا سکرٹری مقرر کر دیا جائےگا۔

''فیودور، تمہارے خیال میں کیا یہ بہتر نہ هوگا کہ میں کوئی دوسری قسم کا کام لے لوں؟ میں تو بڑے مشین کھاتے میں اپنے پیشے کا کام کرنا هی سب سے زیادہ پسند کروں گا۔ مجھے خیال ھے کہ میں اب چیکا کے کام کےلئے موزوں نہیں هوں۔ ڈاکٹری معائنے میں تو مجھ سے صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ میں فوج کی نوکری کےلئے بالکل بیکار هوں۔ لیکن یہ کام تو محاذ پر لڑنے سے بھی بدتر ھے۔ سوتیر کے گروہ کو گرفتار کرنے میں هم لوگوں نے جو دو دن صرف کئے انہوں نے تو مجھے بالکل هی شکستہ کر دیا ھے۔ مجھے ان تمام معرکوں سے الگ رہ کر آرام کرنا چاهئے۔ فیودور، بات یہ ھے کہ اگر مجھ میں اپنے پاؤں پر کھڑے هونے کی سکت نہ رهی تو تمہارے کسی بھی کام کے لائق نہ رهوں گا۔''

ژوخرائی بڑی فکرمندی سے پاویل کے چہرے کا مطالعہ کرتا رہا۔

''هاں، تمہاری صحت تو کچھ اتنی اچھی نظر نہیں آتی، اس میں قصور میرا هی ھے۔ مجھے اب سے بہت پہلے تمہیں چھٹی دے دینی چاهئے تھی۔ لیکن میں کام میں اتنی بری طرح پھنسا هوا تھا کہ میں نے اس بات کی طرف دھیان هی نہیں دیا۔''

اس گفتگو کے تھوڑے هی عرصے کے بعد پاویل کمسومول کی صوبائی کمیٹی کے سامنے حاضر هوا۔ اس کے پاس ایک رقعے پر یہ سند موجود تھی کہ وہ باضابطہ طور پر اس کمیٹی کے حوالے کیا جا رہا ھے۔

پر چڑھ آئے۔ اس چٹانی ساحل پر چڑھنے والے پہلے لوگوں میں ایک ایوان ژارکی بھی تھا۔

بہت ہی گھمسان لڑائی ہوئی۔ سفید گھوڑسوار فوجیں وحشیانہ انداز میں پانی سے باھر نکلتے ہوئے سرخ فوج کے سپاھیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ژارکی کی مشین گن موت اگل رھی تھی اور اس کی ھلاک کن تڑتڑاھٹ مسلسل جاری تھی۔ سیسے کی گولیوں کی بوچھار کے آگے گھوڑے اور سپاھی ڈھیر ہوئے جا رہے تھے۔ ژارکی بڑی تیزی کے ساتھ مشین گن میں کارتوسوں کی نئی پیٹیاں ڈالتا جا رھا تھا۔

اس حملے کے جواب میں پیریکوپ اپنی سینکڑوں توپوں کے دھانوں سے گرج اٹھا۔ ایسا معلوم ھوتا تھا کہ خود کرۂارض ایک اتھاہ غار میں گر پڑا ھے۔ ھزاروں گولے موت کا سامان لئے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی آواز کے ساتھ آسمانوں کو چیرتے ہوئے اوپر کو اٹھتے تھے اور ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر اپنے لاتعداد چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دور دور تک بکھیر دیتے تھے۔ زخم خوردہ اور مجروح زمین سے سیاہ بادلوں کے فوارے چھوٹ رہے تھے جنہوں نے سورج کو ڈھک لیا تھا۔

دیو کا سر کچل دیا گیا تھا اور آخری فیصلہ کن وار کرنے کے لئے پہلی گھوڑسوار فوج کا سرخ سیلاب کرائمیا میں تند رفتاری کے ساتھ ابل پڑا تھا۔ بوکھلائی ہوئی سفید فوجوں کے سپاھی

اسی عرصے میں سفید فوجیں کرائمیا میں داخل ہونے کے راستوں پر قلعہ بندیاں کر رہی تھیں اور زمین کی اس پتلی سی پٹی پر جو کسی زمانے میں کرائمیا کے تاتاروں اور زاپوروژئے کے کزاکوں کی بستیوں کے درمیان سرحد کا کام دیتی تھی، پیریکوپ کا جدید قسم کا قلعہ بند مورچہ تھا۔

اور پیریکوپ کے پیچھے کرائمیا میں قدیم طرز زندگی جسے ملک کے ہر کونے سے نکال کر یہاں دھکیل دیا گیا تھا، مےنوشی کی سرمستیوں میں غرق بدستور قائم تھی۔ اس طرز زندگی کو اپنے محفوظ ہونے کا پرفریب یقین اس حد تک تھا کہ وہ سر پر منڈلاتی ہوئی فضا کو دیکھنے سے بھی قاصر تھی۔

موسم خزاں کی ایک بہت مرطوب اور سرد رات کو محنت کش عوام کے ہزاروں فرزند رات کی تاریکی کی اوٹ میں خلیج کو پار کرکے قلعوں میں بند دشمن پر پیچھے سے حملے کرنے کی غرض سے خلیج سواش کے برفانی پانی میں اترے۔ انہیں ہزاروں لوگوں کے ساتھ اپنی مشین گن کو بھیگنے سے بچانے کےلئے اپنے سر سے اوپر اٹھائے ایوان ژارکی بھی پانی میں اترا۔

اور طلوع آفتاب کے وقت جب پیریکوپ میں ایک غلغشار اور ہنگامہ برپا تھا اور اس کی قلعہ بندیوں پر سامنے سے حملہ کر دیا گیا تھا، تو سواش کو پار کرنے والے سپاہیوں کے پہلے دستے دشمن پر پیچھے سے حملہ کرنے کےلئے جزیرہ نمائے لتووسکی کے ساحل

اور ماں نے اپنے بیٹے کا محبوب چہرہ دیکھا۔ اس کا ہاتھ بےاختیار اس کے دل کی طرف اٹھ گیا اور اس کے تمام جسم میں خوشی کی ایک ایسی لہر دوڑ گئی جس نے اسے گنگ کر دیا۔

وہ اپنے بیٹے سے لپٹ گئی اور اس نے چہرے پر بوسوں کی بوچھار کردی۔ اس کے گالوں پر خوشی کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اور پاویل اپنی ماں کے دبلے پتلے منحنی سے جسم کو زور سے بھینچ کر خاموشی کے ساتھ اسکے چہرے کو تکتا رہا جس پر فکروں، پریشانیوں اور دکھوں نے گہری جھریاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ اپنی ماں کے پرسکون ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

اس عورت کی آنکھیں جس نے اتنی مصیبتیں برداشت کی تھیں، ایک بار پھر مسرت کے نور سے چمک اٹھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا جی اپنے بیٹے کو دیکھنے سے کبھی نہیں بھرےگا، اسی بیٹے کو جسے دوبارہ دیکھنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اور جب تین دن بعد بہت رات گئے کندھے پر اپنے سامان کا تھیلا لادے آرتیم اس چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا تب تو اس کی خوشی کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں رہی۔

کورچاگن کنبہ دوبارہ یکجا ہو گیا تھا۔ دونوں بھائی موت کے منھ سے نکل کر واپس آگئے تھے اور بےپناہ دل‌خراش مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد وہ پھر مل گئے تھے۔

خوف سے دهشت زده هو کر بندرگاه سے چھٹنے والے جہازوں پر سوار هونے کے لئے بھاگنے لگے۔

بدرنگ اور ملگجی فوجی وردیوں پر جمہوریہ کی طرف سے آرڈر آف دی ریڈ بینر کے سنہرے تمغے لگ دئے گئے۔ ان تمغوں کے نیچے جفاکش دل دھڑک رہے تھے۔ ان فوجی وردیوں میں سے ایک وردی کمسومول کے رکن مشین گن چلانے والے ایوان ژارکی کی بھی تھی۔

پولستانیوں کے ساتھ صلح هو گئی اور ژوخرائی کی پیشین گوئی کے مطابق شیپیتوفکا کا شہر سوویت یوکرین کی حد میں رها۔ اس شہر سے تقریباً بیس بائیس میل کے فاصلے پر بہنے والے دریا کو سرحد قرار دیا گیا تھا۔

دسمبر ۱۹۲۰ء کی ایک یادگار صبح کو پاویل اپنے شہر پہنچا۔ گاڑی سے وہ برف سے ڈھکے هوئے پلیٹ فارم پر اترا، تختی پر لکھے هوئے اسٹیشن کے نام ''شیپیتوفکا — ۱''، پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر بائیں طرف مڑ کر سیدھا ریلوے یارڈ پہنچا اور وهاں آرتیم کے بارے میں دریافت کیا۔ لیکن اس کا بھائی وهاں نہیں تھا۔ اپنے فوجی کوٹ کو جسم پر اس نے اور کس کر لپیٹ لیا اور پھر جنگل میں سے هوتا هوا وہ شہر کی طرف روانہ هوا۔

ماریا یاکوولیونا نے دروازے پر دستک سن کر مڑ کر کہا: ''اندر چلے آؤ۔''، ایک شخص جو سر سے پاؤں تک برف سے ڈھکا هوا تھا اندر داخل هوا،

پڑھنے والوں سے

''رادگا'' اشاعت گھر آپ کا بہت شکر گذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار، نمبر ۱۷،
ماسکو، سوویت یونین
17, Zubovsky Boulvard, Moscow, USSR

''اب تم لوگوں کا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟،،
ماں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا۔
''ماں، میں تو اپنے ریلوے یارڈ میں واپس جاؤں گا،، آرتیم نے زندہ دلی سے جواب دیا۔
جہاں تک پاویل کا تعلق تھا وہ دو ہفتے گھر پر رہ کر کیئف واپس چلا گیا جہاں اس کا کام اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس ناول کے سارے مرکزی کردار حقیقی زندگی کے نمونے هیں - اور اس کا هیرو پاویل کورچاگن، جو دنیا کے مختلف ملکوں کے قارئین کا محبوب هیرو بن گیا هے، خود مصنف نکولائی استروفسکی کی زندگی کا نمونه هے -

نکولائی استروفسکی (۱۹۰۴ء تا ۱۹۳۶ء) نے بہت تھوڑی عمر پائی، کل بتیس سال - ان میں سے آخری باره سال وه شدید مرض میں مبتلا رهے - خانه جنگی کے دوران میں انھیں محاذ پر جو زخم لگا تھا اس کے نتیجے میں وه بینائی سے یکسر محروم اور مفلوج هو کر بستر سے لگ گئے - یه یقین کرنا مشکل معلوم هوتا هے پھر بھی اسی زمانے میں انھوں نے اپنی روشن اور جرأتمندانه کتاب لکھی جو جوانی، محبت اور جدوجہد کے بارے میں هے - جو بخود بمصنف اور اس کے دوستوں یعنی اولیں سوویت کمسومول‌والوں کے بارے میں هے - اس کتاب میں، نکولائی استروفسکی نے سوویت اقتدار کے پہلے برسوں کے سوویت نوجوانوں کی پشت کے بارے میں لکھا هے - اس کتاب کے مسودے کو سب سے پہلے میکسم گورکی نے پڑھا اور اس عظیم پرولتاری ادیب اور شہره آفاق ناول ''ماں،، کے مصنف نے استروفسکی کی کتاب کی تعریف و حمایت کی -